يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا (الحجرات ٦)

اے ایمان والو ! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

شب برات

ایک تحقیقی جائزہ

محقق و نقّاد

علامہ حافظ قاری حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی

ماہر تاریخ، شیخ القرآن و امام الحدیث

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳۔۷۔ اے۔ بلاک نمبر ۱۔ ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون : ۶۲۱۴۴۹

سلسلہ اشاعت نمبر (۷)

اشاعت سوم

شعبان ۱۴۱۴ھ ـــــــ فروری ۱۹۹۴ء

○ نام کتاب ـــــــ شب برأت، ایک تحقیقی جائزہ
○ مصنّف ـــــــ علامہ حبیب الرحمٰن صدّیقی کاندھلویؒ
○ اشاعت اوّل ـــــــ جنوری ۱۹۸۸ء
○ اشاعت سوم ـــــــ فروری ۱۹۹۴ء
○ صفحات ـــــــ ۵۷۶
○ تعداد کتب ـــــــ چھ سو (۶۰۰)
○ قیمت ـــــــ اسّی (۸۰) روپلے
○ طابع ـــــــ احمد پرنٹرز، ناظم آباد

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

۳ ـ ۷ ـ اے ـ بلاک نمبر ۱ ـ ناظم آباد ـ کراچی ۷۴۶۰۰

فون نمبر ۶۲۱۴۴۹

فہرست

حرفِ اول

"شب براءت ایک تحقیقی جائزہ" کی یہ تیسری اشاعت ہے اس اشاعت کو "ادارہ" نے کچھ تبدیلیوں کے ساتھ شائع کیا ہے، یعنی چند ایسے عنوانات حذف کردیئے گئے ہیں جو مصنفؒ کی دوسری کتابوں میں آچکے ہیں مثلاً "حالاتِ زندگی" "موضوع حدیث کی معرفت کے اصول" وغیرہ اور بعض ایسی احادیث جو مکرّر آگئی تھیں انھیں بھی کتاب میں سے نکال دیا گیا ہے تاکہ قارئین کو تکرار کی زحمت سے بچایا جاسکے۔ مزید برآں کتاب کی دوبارہ ورق گردانی کر کے جو اغلاط کتاب میں نظر آئیں انھیں اب درست کردیا ہے اور کتاب کے آخر میں چند صفحات غلط جڑ گئے تھے ان کی بھی درستگی کردی ہے۔ یہ کتاب اب عمدہ سفید کاغذ پر شائع کی جارہی ہے جو پڑھنے والوں کی دیرینہ خواہش تھی۔ الغرض کتاب کو صوری اور معنوی حیثیت سے ایک نئی زندگی بخشی ہے اور اب یہ کتاب زیادہ افادیت کے قابل ہوگئی ہے۔ اس کے باوجود قارئین سے اب بھی ہماری یہ گزارش ہے کہ اگر آپ اس میں کوئی فروگذاشت پائیں تو فوراً ادارہ کو تحریر کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی اصلاح و تلافی کردی جائے۔

شب برأت کے موضوع پر اس ادارہ نے دو کتابیں شائع کی ہیں ایک چھوٹی کتاب "شبِ برأت کیا ہے؟" اور دوسری یہی "شبِ برأت، ایک تحقیقی جائزہ" الحمدللہ کہ اس موضوع پر ان کتابوں کو عامۃ المسلمین نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اکثر علماء نے ہمارے اس موقف سے اتفاق کیا ہے۔ کتاب کی افادیت اس حد تک محسوس کی گئی ہے کہ اب شعبان کی ان راتوں میں وہ بدعات اور نفلی عبادات میں گرم جوشی جو گذشتہ برسوں میں نظر آتی تھی ردبہ انحطاط ہے۔

علامہ حبیب الرحمن صدیقی کاندھلویؒ نے موضوعات پر بڑا بھرپور قلم اٹھایا تھا۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ان کی مساعی جمیلہ سے ہمیں صحیح اور غلط کی تمیز ہوئی اور بہت سی روایات جو عام طور پر مشہور ہیں انھیں صحیح تناظر میں پیش کر کے دشمنان اسلام کی برسوں کی کاوشوں کے تار و پو بکھیر دیئے، افسوس کہ وہ اب ہم میں نہیں رہے۔ بروز پیر بتاریخ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ مطابق ۸ اپریل ۱۹۹۱ء کو وہ اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن
اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی خدمات کا اچھا صلہ دے۔ آمین

والسلام

نظام الدین خاں

چند اصطلاحات حدیث

اس کتاب میں روایات واحادیث کی سند اور متن پر فنی بحث کی گئی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے استفادے کے لیے چند ضروری اصطلاحات کی توضیح بھی کر دی جائے۔

سند:۔

روایت کا وہ سلسلہ جو راوی حدیث سے حضورؐ تک بالتسلسل قائم ہو۔ یاد رکھیے کہ کوئی حدیث بلا سند ہرگز قابل قبول نہیں ہوتی خواہ اسے بیان کرنے والا کوئی پیر ہو یا امام زمانہ۔ اس اصول سے غزالیؒ، حکیم ترمذی اور شعرانی اور کتب تصوف اور تفاسیر کی عام روایات باطل ہیں۔

صحیح:۔

جس حدیث کو کسی ایسے راوی نے جو عادل وضابطہ ہو متسلسل سند کے ساتھ نقل کیا ہو اور اس کے تمام رواۃ عادل وضابطہ ہوں اور وہ روایت نہ شاذ ہو نہ معلول ہو۔

ضعیف:۔

جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔

مرسل:۔

اگر راوی تابعی ہے اور اس نے روایت میں صحابی کو ترک کر دیا ہے اور صحابی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا تو وہ روایت مرسل کہلائے گی۔ چند حضرات مثلاً ابراہیم نخعی، سعید بن المسیب اور مالک وغیرہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام لوگوں کی مرسل ناقابل قبول ہے۔

منقطع:۔ اگر راوی درمیان سے چھوٹ گیا ہو۔ یا مختلف مقامات

سے کئی راوی چھوٹ گئے ہوں، لیکن صحابی کا ذکر ہو تو اسے منقطع کہتے ہیں۔
یہ روایت مرسل سے بدتر ہوتی ہے اور کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوتی۔
بعض اوقات منقطع کے لیے بھی مرسل کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔

معضل:۔

جس حدیث کے دو یا دو سے زیادہ راوی ایک مقام سے چھوٹ جائیں۔
یہ بدترین قسم کی ضعیف ہے۔ غنیہ کی اکثر روایات معضل ہیں یا منقطع۔ دیگر
عیوب اس کے علاوہ ہیں۔

معلق:۔

جس روایت کی کوئی سند نہ ہو۔ بلکہ بلا سند اسے حضورؐ یا صحابی کی جانب
منسوب کر دیا جائے۔ ایسی روایت بلا لگام کی سواری ہے اور انتہائی بدترین
قسم کی ضعیف ہے۔ احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، قوت القلوب اور ابن
عربی، ابو عبد الرحمان سلمی، حکیم ترمذی اور دیگر صوفیاء کی تمام کتابوں کا یہی
حال ہے اور غنیہ کا ایک بڑا حصہ بھی اسی قسم کا ہے۔

غریب:۔

جس حدیث کو صرف ایک راوی روایت کرتا ہو اور وہ ثقہ ہو۔ کیوں کہ
غیر ثقہ ہونے کی صورت میں وہ غریب بھی ہوگی اور ضعیف بھی۔ بالفاظ دیگر
خبرِ واحد کو غریب کہا جاتا ہے۔

منکر:۔

وہ ضعیف حدیث ہے جس کا صرف ایک راوی ہو اور یہ راوی حافظ
و ضابطہ نہ ہو اور حدیث کو صحیح یاد نہ رکھ سکتا ہو۔

متروک:۔

جس حدیث کو ایسا شخص روایت کرے جس پر کذب کی تہمت ہو یا
حدیث کے علاوہ دیگر دنیاوی معاملات میں اس کا جھوٹ مشہور ہو یا فاسق

ہو یا کثرت سے غلطیاں کرتا ہو۔ یا اس میں غفلت کا مادّہ زیادہ ہو۔ یا اس کی حدیث قواعدِ معلومہ کے خلاف ہو۔

مقلوب:۔

وہ حدیث ہے جس کی سند کے کسی راوی کی جگہ دوسرا راوی لاکر رکھ دیا جائے اور وہ دوسرا راوی اسی کے طبقے کا ہو۔ مثلاً یحییٰ بن کثیر کی جگہ یحییٰ بن سعید کر دیا جائے۔ جیسا کہ غنیہ میں حدیث عائشہؓ میں کیا گیا ہے۔

مُدلِس:۔

وہ راوی ہے جو اپنے اوپر کے راوی کو گرا کر اس سے اُوپر کے راوی کی طرف حدیث منسوب کر دے۔ اِس طرح درمیان سے ایک راوی چھوٹ جاتا ہے اور حدیث منقطع ہو جاتی ہے اور معلوم نہیں ہوتا کہ وہ چھوٹنے والا راوی ثقہ ہے یا غیر ثقہ، تنہا ہے یا متعدّد۔ اس طرح مدلِّس سننے والے کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اور جس روایت میں وہ تدلیس کرتا ہے اسے مدلَّس کہتے ہیں۔ یعنی لام کے زبر کے ساتھ۔

اگر مُدلِّس کے بارے میں یہ تحقیق ہو کہ وہ صرف ثقہ راوی سے روایت کرتا ہے اور غیر ثقہ کی روایت قبول نہیں کرتا تو اس کی روایت قابلِ قبول ہے مثلاً ابراہیم نخعی، سعید بن المسیب، امام مالک اور اگر ثقہ اور غیر ثقہ ہر ایک سے روایت کرتا ہو تو پھر اس کی روایت نا قابلِ قبول ہے۔ ممکن ہے وہ چھوٹنے والا راوی غیر ثقہ ہو۔ چند روایات کو چھوڑ کر تمام مدلسین کی روایات نا قابلِ قبول ہیں اور ان سب میں بدترین مدلِّس حسن بصری ہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ہمیشہ تدلیس لفظ عن سے ہوتی ہے۔ لیکن اگر مدلِّس یہ کہے کہ سَمِعْتُ فُلَانًا۔ میں نے فلاں سے سُنا تو یہ ہرگز تدلیس نہیں۔ اسی طرح حَدَّثَنَا فُلَانٌ یا اَخْبَرَنَا فُلَانٌ ہم سے فلاں نے حدیث بیان کی یا ہمیں فلاں نے خبر دی تو اس صورت میں بھی تدلیس نہ ہوگی لیکن اگر حسن بصری

یہ الفاظ استعمال کریں تو وہ ان الفاظ میں بھی تدلیس کر جاتے ہیں۔ مثلاً جب وہ یہ کہیں حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ یا خَطَبَنَا اِبْنُ عَبَّاسٍ۔ ہم سے ابوہریرہؓ نے حدیث بیان کی یا ابنِ عباسؓ نے ہمیں خطبہ دیا۔ یہ سب تدلیس ہے۔ کیوں کہ حسن نے ان صحابہ کو نہیں دیکھا۔

مجہول :-

محدثین کے نزدیک وہ راوی مجہول ہے جسے عُلماء نہ جانتے ہوں اور نہ وہ علم حدیث میں مشہور ہو اور صرف ایک راوی کی روایت سے اس کی حدیث منقول ہو یا سرے سے اس راوی کا نام و نسب ہی معلوم نہ ہو۔ ایسے شخص کی روایت قطعاً ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔

موضوع :-

بناوٹی اور جھوٹی حدیث جس کا شمار حدیث کے سلسلہ میں کرنا ایک قبیح امر ہے۔ کیونکہ موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جسے راوی نے اپنے دل سے گھڑ کر حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا ہو۔ اگر اس بات کا علم ہو جائے کہ فلاں روایت موضوع ہے۔ ایسی حالت میں اسکا بیان کرنا حرام ہے۔ بجز اسکے کہ اس کا رد مقصود ہو۔ خواہ وہ روایت کسی مضمون سے تعلق رکھتی ہو۔

شاذ :-

وہ روایت ہے جس میں ایک راوی نے دیگر ثقہ روات کے خلاف حدیث روایت کی ہو۔ اگر راوی ثقہ بھی ہو تب بھی اس پر عمل جائز نہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ تابعین، تبع تابعین اور تمام متقدمین کا اِس پر اتفاق ہے کہ سند کے بغیر کوئی روایت قابل قبول نہیں۔ بلکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتہام ہے اور سند کی موجودگی میں ہر راوی کی تحقیق لازمی ہے۔ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ فرماتے ہیں۔

ھذا الاسناد دین فانظروا عمن تاخذون دینکم مسلم ج۔ا صا۱

یہ سند بھی دین ہے۔ تم اس پر غور کر لیا کرو کہ اپنا دین کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

اسی لئے محدثین کرام نے ایک ایک قریہ کا دورہ کر کے ایک ایک راوی کے تفصیلی حالات معلوم کئے اور ان پر سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حتیٰ کہ یہ ایک باقاعدہ فن بن گیا جسے اسماء الرجال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ ہندو پاکستان کے علماء نے اس فن کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ حالانکہ اس فن کے بغیر صحیح و ضعیف اور مردود و مقبول کی معرفت ناممکن ہے۔ یہ ایک ایسا فن ہے جسے آج تک دنیا کی کوئی اور قوم جاری نہ کر سکی۔ اس فن کی بدولت ائمہ محدثین نے پانچ لاکھ سے زیادہ راویوں کے حالات جمع کر دیئے ہیں، بعض ائمہ نے صرف ضعیف راویوں کے حالات اپنی کتابوں میں جمع کئے اور ہر ایک راوی کی منکر و موضوع روایات بیان کیں۔ جیسے ابن ابی عدی نے کامل، عقیلی، ابن حبان، ازدی، نسائی، مسلم اور ذہبی وغیرہ نے کتاب الضعفاء تحریر کیں۔ ان مصنفین نے ہر راوی کے ساتھ اس کی منکرات بھی بیان کیں۔

ہمارے دور کے بعض علماء ان کتابوں سے روایت نقل کرتے ہیں اور مصنف نے جو بحث کی ہے اسے نظر انداز کر جاتے ہیں۔ یہ ایک صریح دھوکہ ہے۔ جس پر قیامت کے روز ان سے ضرور مؤاخذہ ہوگا۔ یاد رکھیئے ان کتابوں کی ہر روایت ناقابل قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حضرات ان کتابوں میں ناقابل قبول روایات پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فلاں راوی کذاب یا ضعیف ہے کیونکہ وہ ایسی منکر و مردود روایات نقل کرتا ہے۔ اس کی کوئی روایت قبول نہ کی جائے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں نسائی نے کتاب الضعفاء میں، عقیلی نے کتاب الضعفاء میں، ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں، ابن عدی نے کامل میں اور ابن ابی حاتم نے کتاب العلل اور کتاب الجرح والتعدیل میں یہی کام

انجام دیا ہے۔ جیسے روایت کے ساتھ یہ نظر آتے کہ اسے ابن ابی عدی یا ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے۔ تو یہ یقین کر لیجئے کہ یہ روایت ان حضرات کے نزدیک منکر و مردود ہے۔ ورنہ وہ اس روایت کا کبھی تذکرہ نہ کرتے۔

ایک امر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بعض محدثین نے ان تمام روایات کو جو ان کی نظر میں موضوع اور منکر تھیں۔ اپنی اپنی کتابوں میں یکجا جمع کر دیا ہے۔ اس پر بھی محدثین نے لاتعداد کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں سے چند مشہور کتابیں یہ ہیں۔ موضوعات ابن جوزی۔ موضوعات مقدسی، موضوعات شوکانی، اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ، التنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعہ المقاصد الحسنہ، تذکرۃ الموضوعات، موضوعات کبیر۔ ان کتابوں میں جتنی روایات پائی جائیں گی وہ سب موضوع ہوں گی۔ انھیں کسی مسئلہ کی دلیل میں پیش کرنا صریح تحریف فی الدین ہے اور مصنف کو بدنام کرنا ہے۔ افسوس کہ ہمارے علماء ان کتابوں سے بھی روایات نقل کر کے مصنف کی تمام جرح حذف کر جاتے ہیں۔ یہ صریح اتہام، جھوٹ اور بددیانتی ہے۔

مضطرب

وہ حدیث ہے، جس کے الفاظ یا سند میں ایسا اختلاف ہو کہ اس کا رفع کرنا ممکن نہ ہو۔ ایسی حدیث شدید قسم کی ضعیف ہوتی ہے۔

یہ نکتہ بھی ذہن میں رہے کہ کوئی حدیث اس وقت تک صحیح تسلیم نہیں کی جاتی، جب تک ناقدین حدیث اور ماہرین رجال اسے صحیح تسلیم نہ کر لیں۔ مثلاً یحییٰ بن سعید القطان، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، عبدالرحمٰن بن المہدی، بخاری، نسائی، ابن خزیمہ، ابن عدی، ابن حبان، دارقطنی، ابو حاتم رازی اور ابوزرعہ رازی۔ یہ وہ ماہرین فن ہیں کہ جب تک یہ حضرات کسی حدیث کو صحیح تسلیم نہ کر یں۔ اس وقت تک اسے صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا اور اگر یہ حضرات کسی روایت کو منکر، موضوع یا ضعیف قرار دیدیں تو اگر بعد کے تمام علماء بھی

اس روایت کو قبول کرلیں۔ تب بھی محدثین کی نظر میں وہ روایت منکر و مردُود ہو گی۔

یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ یہ حضرات ہر ہر روایت پر تفصیلی بحث کریں بلکہ کسی روایت کے ایک راوی پر بھی انھوں نے جرح کردی تو وہ روایت مجروح ہو جائے گی۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے جرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتی ہم نے حتی الامکان سند پر بحث کرتے ہوئے انہی حضرات کی آراء کو پیشِ نظر رکھا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد ماہرین فن ہیں جیسے امام احمد بن حنبل، ابو داؤد، شعبہ، ابن دارہ، ابوخثیمہ، عبدالرحمن بن ابی حاتم۔ یہ حضرات متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن متاخرین میں اس مقام پر بہت کم افراد پہنچے ہیں مثلاً ذہبی، ابن جوزی، ابن تیمیہ، ابن حزم، عراقی، مزی، عقیلی، مقدسی اور محمد بن طاہر پٹنی۔ ان سب حضرات کی حیثیت ایک صراف کی ہے جو پرکھ کر کھرا اور کھوٹا سونا علیحدہ کرتے ہیں۔ بقیہ حضرات تو صرف ناقلین ہیں۔ ان کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص زیورات خریدتا ہے اور وہ سونا پرکھنا بھی نہیں جانتا اور نہ اس کے پاس اسماء الرجال کی کسوٹی ہے جس پر وہ روایت کو پرکھ کر دیکھ لے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عام مفسرین، مؤرخین، صوفیاء اور فقہاء اس فن سے واقف نہیں۔ شاذونادر ہی ان میں کوئی اس فن سے واقف نکلتا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کے کسی روایت کو نقل کرنے یا اسے صحیح قرار دینے سے وہ روایت صحیح قرار نہیں پاتی۔ ہمارے ہندو پاکستان کے اکثر علماء نے انھی کتابوں پر اعتماد کیا ہے۔ جو ایک صریح غلطی ہے۔

نوٹ: "موضوع حدیث کو پرکھنے کے اصول" سے متعلق مضمون جو بارہ صفحات پر مشتمل ہے "مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت" حصہ اوّل میں ملاحظہ فرمائیں۔

ما هلك امرؤ عرف قدره

١٢٩٦ هـ

ماهلكَ أمرؤٌ عرفَ قدرَهُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے بعد جتنی مذمت بدعت اور اہلِ بدعت کی فرمائی ہے۔ اتنی مذمت کسی اور شئے کی نہیں فرمائی۔ کیونکہ بدعت ایک ایسی شئے ہے جس سے دین کی اصل صورت اور مذہب کا اصل نقشہ تبدیل ہو کر رہ جاتا ہے اور اس ملمع کاری میں اصل کا پہچاننا بھی دشوار بلکہ ایک ناممکن عمل بن جاتا ہے۔ صحیح وسقیم باہم اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں حق و باطل کی تمیز بھی دشوار ہو جاتی۔ ہے اور پھر ایک دَور وُہ بھی آجاتا ہے کہ نبی کی اصل تعلیم کو معلوم کرنا ناممکن بن جاتا ہے۔

قرآن مجید نے یہ بات وضاحتاً بیان فرمائی۔ ہے کہ تحریفِ دین کے دو اسباب ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے اصل موجب بہو رہیں لیکن ہر اُمت کے گمراہوں نے انھی دو وجوہات کے سبب دین میں تحریف کی ہے۔ اور آج بھی وہی دو وجوہات ہیں جو ہر طرف کار فرما نظر آتی ہیں۔

۱۔ کتمانِ حق

۲۔ تلبیس حق و باطل۔

ان دونوں برائیوں کی بھی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ حرص دنیا یا کسی قسم کا خوف و خطر۔

ظاہر ہے کہ کتمان حق اور تلبیس حق و باطل کی وجہ سے دین اور مذہب

لوگوں کی خواہشات کا ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے خیالات توہمات اور رسومات کو مذہب کا لبادہ پہنا کر اسے دین کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ علماء کی دین فروشی، جاہ طلبی، ہوس مال اور خاموشی کے سبب ہوتا ہے۔ کچھ زمانہ بعد ایک دور وہ بھی آتا ہے کہ لوگ ان تخیلات اور رسومات کے عادی ہو جاتے ہیں اور انھیں اصل دین تصور کرنے لگتے ہیں۔ اور علماء کو بھی ان کی خواہشات کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔ اور وہ بھی اپنے دنیاوی عزت و اقتدار اور مال و جاہ کی خاطر کتمان حق پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے رائے عامہ کا مقابلہ دشوار ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اپنی ساکھ اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کو بھی ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتے۔ چونکہ ان کا یہ تمام جاہ و جلال عوام ہی کی رضا پر موقوف ہوتا ہے اور اسی لیے وہ عوام الناس کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات اپنی اس کوتاہی کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ لیکن ایسے عملی جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایک تو اپنی کم علمی کے باعث کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے پر قدرت نہیں رکھتے اور دوسرے ان میں اتنی علمیت بھی نہیں ہوتی کہ وہ لوگوں کے دلوں میں حق بات اُتار سکیں۔ اور انھیں راہ ہدایت دکھا سکیں۔

— پھر ایک دور وہ بھی آتا ہے کہ علماء کو بھی علم کی جانب کوئی توجہ نہیں رہتی۔ وہ صرف اتنا علم حاصل کرتے ہیں جس سے لوگوں کو بے وقوف بنا کر اپنا مقصد حاصل کیا جا سکے۔

یہی صورت یہود میں پائی جاتی تھی اور بعینہٖ یہی صورت آج اُمتِ مسلمہ میں پائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ یہودانِ مدینہ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(بقرہ ۴۲)

اُور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے بدلہ فروخت نہ کرو۔ اور مجھ
ہی سے ڈرو۔ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔ اور جان بوجھ
کر حق کو نہ چھپاؤ۔"

غور فرمائیے۔ اس سے زیادہ اور کیا معمولی قیمت ہو گی کہ دینِ اسلام جیسی عظیم شے کو مسجد و مدرسہ کی ادنیٰ ملازمت یا نذر و نیاز کے طعام و نذرانے کی خاطر قربان کر دیا جائے اور اس سے زیادہ کیا حقیر حرکت ہو گی کہ آخرت کے اجر کو مسجد کی چند روٹیوں کی خاطر فدا کر دیا جائے اور اس کا نتیجہ جو کچھ ظاہر ہو رہا ہے وہ ہر شخص اپنی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے کہ عوام کے دِل سے علم دین اور علماء کی منزلت قطعاً جاتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کوئی ان کے اقتدار کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کیونکہ عوام ان کی علمی و عملی کوتاہیوں سے خوب واقف ہو چکے ہیں اور وُہ خوب جانتے ہیں کہ یہ علماء ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے ہم جنس کو برداشت نہیں کر سکتے اور اس سے بڑھ کر وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ آج کل کے علماء سے تو اہلِ دنیا بہتر ہیں۔ کیونکہ وُہ نہ تو اپنی دینداری کے مدّعی ہیں اور نہ دین فروشی ان کا شیوہ ہے۔

یہ علماء ایک جانب تو آخرت کے مدّعی ہیں۔ لیکن دوسری جانب دُنیا طلبی ان کے دل و دماغ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ دوسروں کے لیے کچھ کہتے ہیں اور ان کا اپنا عمل اس کے خلاف ہوتا ہے۔ یہ بہت سے ناجائز اور حرام اُمور پر صرف اس لیے خاموشی اختیار کرتے ہیں کہ رؤساء کے دلوں میں ان کی عظمت قائم رہے اور ان کی مصنوعی عزت میں کوئی فرق نہ آئے اور اس طرح اس آیت کا مصداق بنتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ
بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ
يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝ (البقرہ ۱۵۹)

"یقیناً وہ لوگ جو ان امور کو چھپاتے ہیں جو ہم نے دلائل اور ہدایت کے بارے میں نازل کئے ہیں۔ باوجودیکہ ہم انھیں کتاب میں لوگوں کے لیے بیان کر چکے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں۔"

ترمذی، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من سئل عن علم علمه ثم كتمه الجم يوم القيمة بلجام من نار۔ (ترمذی۔ ج۔۲ ص۱۰۴، مشکوٰۃ ص۳۴)

"جس سے کسی ایسی علمی بات کا سوال کیا جائے جسے وہ جانتا ہو اور پھر وہ اسے چھپائے تو اس کو قیامت کے روز آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔"

کتمانِ حق کی صرف دو وجوہات ہوتی ہیں۔ خوف یا رجا۔ یعنی کسی سے جان و مال کا اندیشہ، تکلیف و مصائب یا لوگوں کی مخالفت کا خوف، یا مالی فوائد اور عزت و جاہ کی اُمید۔ اس قسم کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لوگوں کو اپنا مخالف بنانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ یہ کہتے ہیں کہ اظہارِ حق سے فتنہ برپا ہوگا۔ یہ طریقۂ کار وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو دُنیا کو دنیاوی طریقہ سے حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ان میں اتنی علمی قابلیت ہوتی ہے کہ وہ عوام کو حق بات صحیح طور پر سمجھا سکیں اور لوگوں کو علمی دلائل سے مطمئن کر دیں۔ لہٰذا وہ لوگوں کی غلط رسومات کو حق کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہی طبقہ ہے جو حق کی سب سے زیادہ مخالفت کرتا ہے اور اہلِ حق کو طرح طرح کے خطابات سے نوازتا ہے۔ یہ لوگ اس آیتِ کریمہ کا صحیح مصداق ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

وَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ (بقرہ ۱۷۴-۱۷۵)

"یقیناً وہ لوگ جو اِن امور کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمائیں اور انھیں تھوڑی سی قیمت کے بدلہ فروخت کر دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سینوں میں آگ بھر رہے ہیں۔ قیامت کے روز نہ تو اللہ تعالیٰ اُن سے کلام فرمائے گا اور نہ انھیں پاک صاف کرے گا۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی اور جنت کے بدلہ آگ خرید لی ہے یہ لوگ آگ پر کتنے صابر ہیں۔"

یہ طبقہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے حلال کو حرام، اور حرام کو حلال بناتا رہتا ہے اپنے خیالات و توہمات کو اللہ کا حکم بتاتا ہے۔ حالانکہ حلت و حرمت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ (نحل ۱۱۶)

"وہ باتیں نہ کہو جو تمہاری زبانیں جھوٹ گھڑتی رہتی ہیں۔ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ تاکہ اللہ پر جھوٹ افترا کرو۔ بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔"

اپنی مرضی و منشاء سے کسی شئے کو حلال و حرام کرنا اللہ تعالیٰ پر اختراع اور شرک فی الحکم ہے۔ گویا یہ شخص دبے الفاظ میں اپنے لیے الوہیت کا دعویدار ہے۔

اُسوۂ حسنہ

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کامل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور ہمیں آپؐ کے طریقۂ کار پر چلنے کا حکم دیا۔ ارشاد باری ہے۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُو اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ۝ احزاب ۲۱

"تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بھلا طریقہ (بہترین نمونہ) موجود ہے۔ اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو بہترین نمونہ قرار دے کر ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم ہر معاملہ میں خواہ نشست و برخواست ہو، خواہ رہن سہن ہو۔ معاملات ہوں یا عبادات، معاشیات ہوں یا کہ نفسیات، خوشی ہو یا غمی۔ الغرض ہر معاملہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں اور اس سے ازسر مو انحراف نہ کریں۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَہُمُ الْخِیَرَۃُ مِنْ اَمْرِہِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ۝ احزاب ۳۶

"جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو کسی مومن مرد و عورت کو ان کے کسی کام کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو

شخص اللہ اور اس کے رسُول کی نافرمانی کرے۔ اُس نے کھُلی
گمراہی اختیار کی۔"

الغرض جس معاملہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فیصلہ صادر فرما دیا ہو اس میں کسی امتی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے حق رائے دہی کو استعمال کر سکے۔ کیونکہ حق رائے دہی تو اسی وقت ختم ہو چکا۔ جب اس نے حضورؐ کی رسالت کا اُقرار کیا۔ اور آپ کی اتباع کا اعلان کیا تھا۔ ایک فوجی کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کمانڈر انچیف کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ ورنہ از روئے قانون وہ فوجی کورٹ مارشل کا مستحق ہوتا ہے۔ اِسی طرح حضورؐ کے فیصلے سے انکار یا انحراف بھی کورٹ مارشل کا سبب ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا
تَسْلِيمًا ■ نساء ۶۵

"آپؐ کے پروردگار کی قسم ایسا نہیں ہے۔ یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے جھگڑوں میں بھی آپؐ کے فیصلے کو قبول نہ کرلیں۔ پھر آپ کے فیصلے کے خلاف دِل میں تنگی بھی پیدا نہ ہو اور پورے طور پر تابعدار بن جائیں۔"

گویا ہر وہ شخص جو حکم رسُول کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرتا بلکہ اس فیصلہ کے خلاف دِل میں ذرّہ برابر بھی شک وشبہ رکھتا ہو تو اس کا دعوٰی ایمان باطل ہے۔ خواہ وہ زبان سے ہزار بار کیوں نہ دعوٰی کرے۔ کیونکہ جب اس کا عمل اس کے خلاف ہُوا تو اس کا یہ دعوٰی قطعًا غلط ہے۔ بلکہ اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے دِل میں خباثت بھری ہوئی ہے اور وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے یا اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر یہ دعوٰی کر رہا ہے۔ ورنہ دِل سے اُس نے اس حکم کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ وہ چیف مارشل لاء یا کمانڈر انچیف کو اس قابل تصور نہیں کرتا کہ

وہ اُسے کوئی حکم دے سکیں اور یہ سراسر بغاوت ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَخْشَ اللّٰہَ وَیَتَّقْہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ٥ النور۔۵۲

"جب اللہ اور اس کا رسول مؤمنین کو ان کے درمیان فیصلے کے لیے بلائیں تو ان کا قول تو یہ ہونا چاہیئے کہ ہم نے سُن لیا اور اطاعت کی۔ ایسے لوگ کامیاب ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور تقویٰ اختیار کرے گا تو ایسے لوگ کامیاب ہیں۔"

آپؐ کی اس اتباع اور پیروی کا نام سُنت اور اسوۂ حسنہ ہے۔ آپؐ کے ان احکامات اور طریقۂ کار میں تبدیلی کا حق کسی کو نہیں پہنچتا اور جو شخص اِن احکامات میں ترمیم کرتا ہے۔ شریعت کی زبان میں اُسے مُحدِث یا بدعتی کہتے ہیں۔ کافر و مشرک کے بعد سب سے بڑا باغی اور سب سے بڑا اسلام کا دشمن یہی ہے۔ کیونکہ یہ شخص چیف مارشل لاء اور کمانڈر انچیف کو چیلنج کر رہا ہے اور ایک لحاظ سے یہ کافر و مشرک سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ کافر نے قانون کو قبول کرنے کا اقرار ہی نہیں کیا اور یہ اقرار کر کے مملکت اسلامیہ کے وفادار سپاہیوں کو دھوکہ دے رہا ہے۔ بلکہ وہ اختیارات جو افسر بالا کو حاصل ہیں انھیں چھین کر خود استعمال کرنا چاہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔

کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی۔ بخاری ج۔۲ ص۱۰۸۱

مشکوٰۃ ص۲۷ (عن ابی ہریرۃ)

"میرا ہر امتی جنت میں داخل ہوگا۔ سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کیا گیا کہ انکار سے آپ کی کیا مراد ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش اس دین کی تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں" بخاری

اور جو شخص حاکم اعلیٰ اور اس کے نائب کے حکم کو تسلیم نہ کرے۔ قانوناً اُسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ احکم الحاکمین کی حکومت میں رہے اور اگر اسی کی حکومت میں اس کو رہنا ہے تو اس کے قانون کو بھی تسلیم کرنا ہوگا۔ اور عدم تعمیل کی صورت میں اس پر فرد جرم بھی عائد ہوگی۔ اور ایسا شخص سزا کا بھی ضرور مستحق ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ فی امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدھم خلوف یقولون مالا یفعلون ویفعلون مالا یؤمرون فمن جاھدھم بیدہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل۔ مسلم ج۱ ص۵۲۔ مشکوٰۃ ص۲۹

مجھ سے قبل اللہ نے جس نبی کو بھی اس کی اُمت میں بھیجا ہے۔ اس

کے لیے اس کی امت میں سے کچھ حواری اور کچھ ساتھی پیدا ہوئے جنھوں نے اس نبی کی سنت کو اخذ کیا اور اس نبی کے حکم کی اقتدا کی۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ آئے جو ایسی باتیں کہتے تھے جو کرتے نہ تھے۔ اور وہ کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ تو ایسے لوگوں سے جو ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان سے زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو ان سے دل سے جہاد (بُرا سمجھے) کرے وہ بھی مومن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں۔"

اس حدیثِ رسولؐ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ جو شخص سنّتِ رسولؐ کو ترک کر کے اپنی مرضی و منشاء سے کسی اور فعل کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے خِلاف جہاد واجب ہے۔ خواہ یہ جہاد ہاتھ سے ہو، زبان سے، قلم سے ہو یا دل سے اور جو شخص ایسے باغی کو بُرا تصوّر نہیں کرتا اور اس بُرائی کو مِٹانے کی کوشش نہیں کرتا وہ خود دائرہِ ایمان سے خارج ہے۔ بلکہ ایک مسلم و مؤمن ہونے کی حیثیت سے اس کا فریضہ ہے کہ وہ خلاف سنت فعل کو مٹا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو زندہ کرے اور خود اس پر سختی سے کاربند ہو جائے۔ حضورؐ کا ارشادِ گرامی ہے۔

من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید۔ مشکوٰۃ ص۳۰

"جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنّت کو لازم پکڑا تو اس کے لیے سو شہیدوں کا اجر ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سُنت پر چلنے، اس کی تلقین کرنے اور اُس میں جو کچھ رخنہ اندازی کی جائے اسے مِٹانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، یارب العالمین

حقیقتِ بدعت

لُغت میں ہر نئے کام اور نئی ایجادات کو بدعت کہتے ہیں۔ اِسی سے لفظ بدیع بنا ہے جو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ لیکن اصطلاحِ شریعت میں بدعت ہر اُس شئے کو کہا جاتا ہے جسے دین سمجھ کر یا ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے اور وہ کتاب و سنّت اور اسوۂ صحابہ سے ثابت نہ ہو۔ دنیاوی ایجادات و اختراعات کو نہ شریعت میں بدعت کہتے ہیں اور نہ شریعت اِس سے منع کرتی ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو ردٌّ

بخاری ج۔۱ص۳۷۱، مسلم ج۔۲ص۷۷، ابوداؤد ج۔۲ص۲۷۹ ابن ماجہ ص۳

"جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس دین میں نہ ہو تو وُہ رَدّ ہے۔"

یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھیے کہ جس طرح حضوؐر کا قول و فعل سنّت ہے اسی طرح جس فعل کو حضوؐر نے اختیار نہ فرمایا ہو اس کا ترک کرنا بھی سنت ہے اور اسے اختیار کرنا بدعت ہے۔ کیونکہ اگر اس فعل میں کوئی خوبی ہوتی اور اس فعل سے کچھ ثواب حاصل ہوتا۔ یا اس کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی اَجر کا مستحق ہوتا تو حضوؐر اس پر ضرور عمل فرماتے اور ہرگز ترک نہ فرماتے کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ اس فعل میں کوئی خیر و خوبی پائی جاتی ہو اور پھر حضوؐر اسے ترک فرمادیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ حضوؐر نے نعوذ باللہ یا تو اخفاءِ دین سے کام لیا اور

یا بصورتِ ثانیہ اسلام ایک نامکمل دین ہے اور یہ دونوں امر محال ہیں۔ کیوں کہ اخفاء کی صورت میں رسالت ہی باطل ہو جاتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے۔

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ مائدۃ۔ ۶۷

"اے رسول آپ کی جانب آپ کے پروردگار کی طرف سے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کو نہیں پہنچایا۔"

اور دوسری صورت میں دین کامل نہیں رہتا اور اس سے قرآن کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ مائدۃ۔ ۳

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو پسند کیا۔

اس اعلانِ خداوندی کا منشا یہی ہے کہ اب اس دین میں تا قیامت کسی ترمیم و تنسیخ یا حذف و اضافہ کی نہ کوئی ضرورت باقی ہے اور نہ اس دین میں اس کی کوئی گنجائش ہے۔ کیوں کہ ہدایت اور نجات کے لیے جن جن احکامات کی ضرورت تھی وہ اصولاً سب نازل کر دیئے گئے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح و تفسیر فرما دی ہے۔ اب جو شخص دین میں کسی ایسے امر کا اضافہ کرتا ہے جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے نہ دی ہو تو گویا وہ اس بات کا مدعی ہے کہ مذہب اسلام ایک نامکمل دین ہے اور میری ترمیم و اضافہ کا محتاج ہے۔ اس طرح وہ قانونِ الٰہی میں دخل اندازی کر کے اپنی خدائیت کا مدعی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا انکار کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے جو احکامات نازل فرمائے ہیں وہ ناکافی ہیں۔ بالفاظِ دیگر اللہ تعالیٰ کو چاہیئے تھا کہ وہ یہ احکامات

نازل کرتے وقت اس سے مشورہ لیتا اور اس شخص سے مشورہ کئے بغیر اللہ تعالیٰ کو کسی شئے کے حلال یا حرام کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ عیاذاً باللہ۔

یہ تو بدعت سے پیدا ہونے والے وہ اتہامات ہیں جو اللہ تعالیٰ پر قائم ہوتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اتہامات لازم آتے ہیں وہ اس کے علاوہ ہیں۔ جس میں سے پہلا الزام یہ ہے کہ حضورؐ نے دین میں اخفاء سے کام لے کر رسالت میں خیانت کی۔ اس الزام کی حقیقت امام مالک بن انس مدنی المتوفی ۱۷۹ھ کی زبانی سنیئے۔

من ابتدع فی الاسلام بدعۃ یراھا حسنۃ فقد زعم ان محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالۃ لان اللہ تعالیٰ یقول اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (الآیہ) فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا۔

الاعتصام، ج۔۱ ص۴۷، ج۔۲ ص۱۵

"جس نے اسلام میں کوئی بدعت جاری کی، اور وہ اسے اچھے کام تصور کرتا ہو تو گویا وہ دعویٰ کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی ادائیگی میں خیانت کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "میں نے آج تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا" تو جو شئے اس روز دین نہ تھی وہ آج کے دن بھی دین نہیں ہو سکتی"

علامہ حسام الدین علی المتقی الحنفی المتوفی ۹۷۹ھ رقمطراز ہیں۔

بل فیہ طعن ومذمۃ وملامۃ علی السلف حیث لم یبینوا بل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث ترک بل علی اللہ سبحانہ وتعالیٰ حیث لم یکمل الشریعۃ وقد قال اللہ تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔

تفہیم المسائل ص۱۷۲

"بلکہ اس میں اسلاف پر ایک قسم کا طعن، اور ان کی ملامت و مذمت ہے۔ کہ انھوں نے احکاماتِ دین بیان نہیں کئے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر بھی اعتراض ہے کہ آپ نے دین کو ناقص چھوڑ دیا بلکہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ پر بھی اعتراض ہے کہ اس نے شریعت کی تکمیل نہیں کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" آج میں نے تمہارے لیئے تمہارا دین کامل کر دیا۔"

ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فلا نحتاج الی تکمیلہ الی امر خارج عن الکتاب والسنۃ کما قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ یَکْفِہِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتَابَ یُتْلٰی عَلَیْہِمْ ؕ وقال تعالیٰ وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا ؕ شرح فقہ اکبر ص ۱۱

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا" تو اب ہم اس کی تکمیل کے لیے کسی ایسے امر کے محتاج نہیں جو کتاب و سنت سے خارج ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ یہ لوگوں کے لیے پہنچائی گئی۔ نیز ارشاد فرمایا: "کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو اُن پر تلاوت کی جاتی ہے اور ارشاد فرمایا۔ "رسول تمہیں جو حکم دیں اُسے لازم پکڑو اور جس کام سے تمہیں منع کر دیں اُس سے رُک جاؤ۔"



اقسامِ سُنّت

اِس حدیث میں یہ بات بھی نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے واضح فرمادی کہ گمراہی اور بدعت کی صرف یہی ایک صورت نہیں کہ دین میں کوئی نئی شئے اپنی جانب سے ایجاد کرلی جائے۔ بلکہ ایک مشروع اور مسنون فعل کو اس کی حدود سے بڑھانا بھی بدعت و گمراہی ہے۔

یہ نکتہ بھی اِس سے واضح ہوگیا کہ دین ترکِ دنیا کا نام نہیں۔ جیساکہ صوفیاً کو دھوکہ ہوا ہے اور نہ چِلّہ کشی کا نام دین ہے۔

اور تیسری بات یہ بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح اُس کام کا کرنا سنت ہے۔ جسے حضوؐر نے انجام دیا ہو۔ اِسی طرح اُس شئے کا ترک کرنا بھی سنّت ہے جسے حضوؐر نے ترک فرمایا ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص نمازِ عیدینؑ سے قبل نفل نماز پڑھنے لگے جسے حضوؐر نے ترک کیا ہے تو یہ نماز پڑھنے والا بدعتی سمجھا جائے گا اور اسے ترک کرنے والا پابندِ سنّت۔ یا مثلاً حضوؐر نے نمازِ تہجد انفرادی طور پر ادا فرمائی انفرادی طور پر یہ نماز ادا کرنے والا پابندِ سنّت، ہوگا، لیکن جماعت کے ساتھ ادا کرنے والا سنّت کا مخالف ہوگا۔ سیّد جمال الدین محدّث فرماتے ہیں۔

ترکہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ کما ان فعلہ سنۃ ؎ لجنہ ص ۱۴۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا کسی فعل کو ترک کرنا اسی طرح سنّت ہے جس طرح آپ کا کسی فعل کو انجام دینا سنّت ہے۔"

شرح مسند ابی حنیفہ میں ہے۔

والاتباع کمایکون فی الفعل یکون فی الترك فمن واظب علی مالم یفعل الشارع صلی اللہ علیہ وسلم فھو مبتدع لشمول قولہ صلی اللہ علیہ وسلم من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھورد ؎

"جس طرح اتباع کسی فعل میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ترک میں بھی اتباع ہوتی ہے تو جس شخص نے کسی ایسے فعل پر مواظبت کی جو شارع علیہ السلام نے انجام نہیں دیا تو وہ بدعتی ہے۔ کیوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم موجود نہیں ہے وہ رد ہے۔"

امام مسلم المتوفی ۲۶۴ھ نے اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

نکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدی ولا یستنون بسنتی وسیقوم فیھم رجال قلوبھم قلوب الشیاطین فی جثمان انس ؎ مسلم ج ۲ ص ۱۲۷

"میرے بعد ایسے ائمہ ہوں گے جو میری ہدایت پر نہ چلیں گے اور نہ میری سنت کو اختیار کریں گے۔ ان میں ایسے آدمی کھڑے ہوں گے (بر سر اقتدار یا بر سر ممبر آئیں گے) جن کے دل تو شیطانوں کے دل ہوں گے اور جسم انسانوں کے۔"

امام نووی رحمہ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

قال العلماء ھؤلاء من کان من الامراء یدعوا الی بدعۃ او ضلالۃ مسلم ج ۲ ص ۱۲۷

علماء فرماتے ہیں امراء میں سے یہ وہ لوگ ہیں جو بدعت اور گمراہی کی دعوت دیتے ہیں۔

صحابہؓ کا قول وعمل بھی سُنّت ہے

سطورِ بالا سے یہ بات تو روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گئی کہ جس کام کو حضورؐ نے سرانجام نہ دیا یا اس کی ترغیب بیان نہ فرمائی ہو وہ بدعت وگمراہی ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی بھلائی ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس فعل کو یا تو خود انجام دیتے یا صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب دیتے اور جب آپ نے وہ کام نہ خود فرمایا اور نہ اوروں کو ترغیب دی تو اس میں کوئی بھلائی نہیں اور ایسا کام بدعت و ضلالت ہے۔ خواہ وہ بظاہر عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا کرنا حرام ہے اور اس کا مرتکب گمراہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلهم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من هی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی ترمذی ج۔۲ ص ۸۹

مستدرک للحاکم ج۔ ا ص ۱۲۹ ، مشکوٰۃ ص ۳۰

"میری امت تہتر ملتوں پر تقسیم ہو جائے گی۔ سوائے ایک ملت کے سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ ایک ملت کون سی ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔"

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے وہاں صحابہ کرامؓ کی اقتدا بھی لازمی ہے

جس طرح حضورؐ کی سنت کا تارک گمراہ ہے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے طریقۂ کار کو چھوڑنے والا بھی دین سے خارج ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم۔ مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴

"میرے صحابہؓ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کروگے۔ ہدایت پاجاؤگے۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے۔

من کان مستنا فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا اختارھم اللہ بصحبۃ نبیہ ولاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوھم علی اثرھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدی المستقیم۔ مشکوٰۃ صفحہ ۳۲

"جو شخص کسی کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہے تو وہ ان لوگوں کا طریقہ اختیار کرے جو مر چکے۔ کیونکہ زندوں کے بارے میں یہ اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فتنوں میں مبتلا نہ ہوں گے۔ یہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ جو اس امت کے افضل ترین انسان ہیں۔ جن کے دل نیک، جن کا علم گہرا اور جو تکلف میں سب سے کم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبیؐ کی صحبت اور اپنا دین قائم کرنے کے لیے پسند فرمایا۔ ان کی فضیلت کو پہچانو، ان کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہوسکے ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو لازم پکڑلو۔ کیونکہ یہ لوگ سیدھے

راستے پر ہیں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاص موقعہ پر ارشاد فرمایا۔

تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آنیوالا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کتاب نازل فرمائی ہے وہ کامل ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری کتاب آنے والی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو شئے حلال فرمادی وہ تاقیامت حلال رہے گی، اور جو حرام فرمادی وہ تاقیامت حرام رہے گی۔ میں اپنی جانب سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ بلکہ میں صرف احکام الٰہی نافذ کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

الا وانی لست بمبتدع ولکنی متبع

الاعتصام ج۔ ا ص۱۰۱، سیرت ابن جوزی ص۱۰۸

"خبردار میں کوئی بدعتی نہیں، میں تو متبع ہوں۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرامؓ کی اتباع اور بدعت کی مذمت ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم۔

الاعتصام ج۔ ا ص۵۴

ہمارے نقش قدم کی پیروی کرو۔ اور بدعت اختیار نہ کرو۔ کیوں کہ تمہارے لیے ہمارا طریقہ کافی ہے۔"

امام ابوداؤد طیاسی المتوفی ۲۰۴ھ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

ان اللہ عزوجل نظر فی قلوب العباد فاختار محمد افبعثہ برسالتہ وانتخبہ بعلمہ ثم نظر فی قلوب الناس بعدہ فاختار لہ اصحابہ فجعلہم انصار دینہ ووزراء نبیہ صلی

اللہ علیہ وسلم فمارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ

حسن وما راٰہ قبیحا فھو عند اللہ قبیح۔

مسند ابی داؤد طیالسی ص۳۳

"اللہ عزوجل نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت اور اپنے علم کے لیے منتخب فرمایا۔ پھر آپؐ کے بعد لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو آپؐ کے لیے آپؐ کے صحابہؓ کو پسند فرمایا۔ تو انھیں اپنے نبیؐ کے دین کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر بنایا۔ تو جسے یہ صحابہؓ اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جسے یہ صحابہ بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں مختلف مقامات پر صحابہ کرامؓ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور جن آیات میں ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں وہ تو لاتعداد ہیں۔ ہم چند آیات بطور نمونہ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ؀ نساء۔ ۱۱۵

"جس شخص نے رسولؐ کی مخالفت کی اس کے باوجود کہ اس کے لیے ہدایت واضح ہو چکی اور مومنین کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کی۔ ہم بھی اس سے روگردانی کریں گے جو روگردانی کرے گا ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جہنمی قرار دیا ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت پر کاربند نہیں ہوتے اور صحابہ کرامؓ کے طریقۂ کار اور ان کے اسوہ کو چھوڑ کر غیروں کی نقالی کرتے پھرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۞ بقرۃ - ۱۳۷

"یہ لوگ بھی اگر ایسے ہی ایمان لے آئیں جیسے تم لوگ حضورؐ پر ایمان لائے ہو تو ہدایت پا جائیں گے اور اگر یہ روگردانی کریں تو یہ خود اختلاف میں پڑے ہیں۔"

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے ایمان کو نمونہ قرار دے کر لوگوں سے انھی جیسے ایمان کا مطالبہ کیا ہے۔ اور آخری جملہ میں یہ بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ ان کی اقتدا کے بغیر اختلاف دُور ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کی اقتدا ہدایت اور اتحاد کے لیے شرط ہے۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ عزّوجل اِن صحابہؓ سے اپنی رضامندی کا اظہار اِن الفاظ میں فرماتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ توبہ - ۱۰۰

"مہاجرین و انصار میں سے سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی ہے۔ ان سے اللہ راضی ہے۔ اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے جنتیں تیار کی ہیں۔ جن کے اندر نہریں بہتی ہوں گی اور جس میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ توبہ - ۱۰۰

اِس آیت میں جہاں اللہ تعالیٰ نے تمام سابقین اولین مہاجرین و انصار کے لیے اپنی رضا اور جنت کا اعلان فرمایا ہے۔ وہاں ان کے ساتھ ساتھ اُن کے

پیروکاروں کو بھی اپنی رضا اور جنت کی بشارت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۶ھ نے کیا خوب تجزیہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

واما اھل السنۃ والجماعۃ یقولون کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابۃ فھو بدعۃ لانہ لو کان خیرا لسبقونا الیہ لانھم لم یترکوا خصلۃ من خصال الخیر الا وقد بادروا الیھا۔ الاعتصام ج۔۱ ص ۱۸۸

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں ہر وہ قول و فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو وُہ بدعت ہے۔ کیونکہ اگر اس میں بھلائی ہوتی تو وہ اس کی طرف ہم سے پہلے سبقت کرتے۔ کیونکہ نیک کاموں میں سے کوئی کام ایسا نہیں ہے۔ جسے انہوں نے ترک کر دیا ہو۔ بلکہ انہوں نے اس کی طرف پہلے سبقت کی۔"

بدعت کی مذمت

اگرچہ سطورِ بالا سے بدعت کی مذمت بخوبی واضح ہو چکی ہے لیکن چونکہ یہ مرض اتنا عام اور اتنا پرانا ہو چکا ہے کہ چند خوراکوں سے اس کا ازالہ ممکن نہیں۔ اس لیے ہم ذیل میں چند ایسی احادیث پیش کرتے ہیں کہ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان اقدس سے بدعت کی مذمت فرمائی ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ وُہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو ردٌّ۔

بخاری ج۔۱ ص ۳۷۱، مسلم ج۔۲ ص ۷۷، ابوداؤد ج۔۲ ص ۲۷۹،
ابن ماجہ ج۔۱ ص ۶

"جس شخص نے ہمارے اس کام میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس دین میں نہ ہو تو وہ ردّ ہے۔"

امام مسلم، نسائی اور ابنِ ماجہ نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدیٰ ھدی محمد وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ۔

مسلم ج۔۱ ص ۲۸۵ ۔ نسائی ۔ ج۔۱ ص ۱۷۹

"اس کے بعد سب سے بہترین بات کتاب اللہ ہے۔ اور سب سے بہترین ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے اور سب سے بدترین کام نئی باتیں ہیں اور ہر نئی بات گمراہی ہے۔"

اور ابنِ ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ ابنِ ماجہ ص

"ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہ دوزخ میں جلے گا۔"

بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تین صحابہ ازواجِ مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے ازواجِ مطہرات سے حضورؐ کی عبادت کی کیفیت دریافت کی۔ جب ازواجِ مطہرات نے حضورؐ کی عبادت کا حال بیان کیا تو ان حضرات نے اُسے قلیل تصوّر کرتے ہوئے اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔

این نحن من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقد غفر اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر فقال احدھم اما انا فاصلی اللیل ابداً وقال الآخر انا اصوم النہار

ابدا ولا افطر وقال الآخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابداً۔

"ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کہاں ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے جدا رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔"

اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپؐ نے اُن حضرات کے یہ بظاہر نیک تصورات سُن کر فرمایا۔

انتم الذین قلتم کذا وکذا اما واللّٰہ انی لاخشاکم للّٰہ واتقاکم لہ لکنی اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ بخاری ج۔۲ ص ۷۵۷ مشکوٰۃ ص ۲۷

"تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کہی۔ خدا کی قسم میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں تو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میری اُمت سے نہیں۔"

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان صحابہ نے دین میں کسی نئی عبادت یا ایجاد کا خیال نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان اعمال میں جو شریعت سے ثابت تھے اور بعض صورتوں میں فرض اور بعض میں مسنون تھے۔ ان میں انفرادی طور پر اضافہ کا تصور کیا تھا لیکن حضورؐ نے اسے اپنی سنت کے منافی تصور کیا اور اس کی ممانعت فرمائی اور

ایسے افراد کو بھی اپنی ملت سے خارج فرمایا۔

بخاری و مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا۔ اور لوگوں کو اجازت دی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے خلاف دینداری تصور کرتے ہوئے اس سے گریز فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

ما بال اقوام یتنزھون عن الشیئی اصنعہ فواللہ انی لاعلمھم باللہ واشدھم لہ خشیۃ۔

مسلم ج۔۲ ص ۲۶۱، بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۴

"لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ایک ایسی شئے سے احتراز کرتے ہیں۔ جسے میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔"

یہاں بھی کسی اضافہ کا تصوّر نہیں۔ بلکہ ایک قسم کی کمی کا تصوّر ہے۔ ان دونوں احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ سنتِ رسُول میں کسی قسم کی کمی بیشی درلاز حرام ہیں اور اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی سنّت میں انفرادی طور پر کسی کو اضافہ کی اجازت دے دی جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہ عام ہو جائے گی اور جب لوگوں کی عادات پختہ ہو جائیں گی تو اسی کو دین تصوّر کیا جانے لگے گا اور اس کے خلاف عمل کو گناہ تصوّر کیا جائے گا۔ اس طرح سنّت ختم ہو جائے گی بلکہ وہ ایک گناہ متصوّر ہونے لگے گی اور یہی صورت کسی شئے سے گریز کی ہو گی کہ کچھ عرصہ بعد اُسے حرام تصوّر کیا جانے لگے گا۔ موجودہ دَور میں تمام بدعات کی یہی صورت ہے کہ ان کے ترک کو ایک گناہ تصوّر کیا جاتا ہے اور جو ان بدعات پر نکیر کرتا ہے اسے دین سے خارج قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جس شئے کو وہ دین تصوّر کر رہے ہیں سرے سے وہ دین ہی نہیں۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ہمیشہ بدعات کو اچھا ہی سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسانی طبیعت اسے ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

یکون فی اخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔ مسلم ج ۱ ص ۱۰

"آخر زمانہ میں جھوٹے دجال پیدا ہوں گے جو تمہارے پاس وہ احادیث لے کر آئیں گے جو نہ تم نے سُنی ہوں گی اور نہ تمہارے آباء نے تم ان سے بچو۔ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور تمہیں فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں"

یعنی ایسی احادیث بیان کریں گے جو صحابہ کرام نے کبھی نہ سُنی ہوں گی اور نہ ان کے زمانہ میں ان کا وجود ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کے بعد جس شد و مد سے احادیث وضع کی گئیں ان کی تعداد اصل تعداد سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور مختلف طبقوں نے یہ کام انجام دیا۔ روافض اور صوفیاء نے اتنی احادیث وضع کیں جن کی تعداد لاکھوں سے بھی زیادہ ہے۔ اس طرح اُمتِ مسلمہ کے عقائد اور اعمال کی ہیئت اور صورت ہی بدل کر رہ گئی اور روز بروز ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور تعجب تو اُن علماء پر ہے جنہیں دنیا شیخ الحدیث تصوّر کرتی ہے اور جو اِن روایات کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اس قسم کی خرافات ان کی کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں، ان میں سے بعض حضرات تو اُن کتابوں سے بھی اِن خرافات کو نقل کر لیتے ہیں جو محدثین کرام نے ان خرافات کے رد میں لکھی ہیں اور محدثین نے جو ان روایات پر اعتراضات کئے تھے انھیں شیر مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ فیا للعجب

بخاری و مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؕ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ؕ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ آل عمران - ۷

"اللہ وہ ذات ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ۔ اس میں سے کچھ آیات محکم ہیں اور کچھ متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے تو وہ اس قرآن میں سے متشابہ کی پیروی کرتے ہیں ۔ فتنہ پیدا کرنے اور تاویل تلاش کرنے کے لیے ۔ حالانکہ ان کی تاویل اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ۔ اور جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ۔ ہم اس پر ایمان لائے ۔ ہر شئے ہمارے پروردگار کی جانب سے ہے اور اہل عقل کے علاوہ کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا ۔"

اس کے بعد آپؐ نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا ۔

فاذا رایتم الذین یبتغون ما تشابہ منہ فاولئک الذین سماھم اللہ فاحذروھم

مسلم ج - ۲ ص ۳۲۹ ، ابوداؤد ج - ۲ ص ۲۸۴

"جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو قرآن میں سے متشابہ تلاش کرتے ہیں تو یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ نے ذکر کیا ہے ۔ ان سے بچو ۔"

حضرت عرباضؓ بن ساریہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی ۔ پھر ہمیں ایک خطبہ دیا جس سے ہمارے دل دہل گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ کسی نے عرض کیا

یا رسول اللہ آپ نے تو آج ہمیں اس طرح نصیحت فرمائی ہے جیسے کوئی کسی کو رخصت کرتے وقت نصیحت کرتا ہے۔ آپ ہمیں کچھ اور مزید نصیحت فرمائیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ وان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار۔ نسائی ج ۱ ص ۱۷۹، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۹، ترمذی ج ۲ ص ۱۰۸ ، مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۶ ، مستدرک ج ۱ ص ۹۵، دارمی ص ۲۶ ، ابن ماجہ ص ۵

"میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، بات سننے اور اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ خواہ حبشی غلام ہی کیوں نہ حکم دے کیونکہ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ زبردست اختلاف دیکھے گا تو تم میری سنت اور ان خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو جو خود بھی ہدایت یافتہ ہوں اور دوسروں کو ہدایت کرتے ہوں۔ ان دونوں طریقوں کو کچلیوں (ڈاڑھ) کے ساتھ مضبوط پکڑ لو اور نئی باتوں سے احتراز کرو۔ کیونکہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر ایک گمراہ آگ میں جائے گا۔"

ترمذی نے حضرت بلالؓ بن حارث مزنی سے اور ابن ماجہ نے عمروؓ بن عوف بن مالک الاشجعی سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احیا سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی فان

لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہا من غیر ان ینقص من اجورھم شیئا ومن ابتدع بدعۃ ضلالۃ لا یرضاھا اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم مثل اٰثام من عمل بہا لا ینقص ذالک من اوزارھم شیئا۔

ترمذی ج۔۲ ص۱۰۸ ، ابوداؤد عن ابی ہریرۃ ج۔۲ ص۲۸۷

جس شخص نے میری اس سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد مر چکی ہو تو اس شخص کے لیے ان لوگوں کا اجر ہے جو اس پر عمل پیرا ہوں اُن کے اجر میں کوئی کمی کئے بغیر۔ اور جس نے کوئی گمراہ بدعت جاری کی جسے اللہ اور اس کا رسُول پسند نہ فرماتا ہو تو اس شخص پر اُن لوگوں کا بھی گناہ ہوگا جو اس پر عمل پیرا ہوں گے اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔"

امام احمد بن محمد بن حنبل اور ابوداؤد نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سیخرج فی امتی اقوام تتجاری بھم تلک الاھواء کما یتجاری الکلب بصاحبہ لایبقی منہ عرق ولا مفصل الا دخلہ ۔ مشکوٰۃ ص۳۰ ، ابوداؤد ج۔۲ ص۲۸۳

میری امت میں ایسی قومیں پیدا ہوں گی جنھیں خواہشات نفس اپنے پیچھے پیچھے اسی طرح چلائیں گی جس طرح کتا اپنے مالک کے پیچھے چلتا ہے۔ ان کی کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا باقی نہ رہے گا جس میں یہ خواہش نفس داخل نہ ہو جائے۔

ابوداؤد نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما شددوا علی انفسھم فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار رَھْبَانِیَّۃً اِبْتَدَعُوْھَا مَاکَتَبْنٰھَا عَلَیْھِمْ۔ مشکوٰۃ ص۳۷

"اپنی جانوں پر سختی نہ کرو، ورنہ اللہ بھی تم پر سختی فرمائے گا۔ ایک قوم نے اپنی جانوں پر خود سختی کی تھی۔ یہ گرجاؤں اور دیروں میں ان ہی کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں" ترکِ دُنیا کو انہوں نے خود اختیار کیا تھا۔ ہم نے ان پر فرض نہ کی تھی۔"

امام احمد بن حنبل نے اپنی "مسند" میں عضیفؓ بن حارث الثمالیؓ سے روایت کیا ہے۔ وُہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ فتمسک بسنۃ خیر من احداث بدعۃ۔

مسند احمد۔ ج۔۴ ص۱۰۵

"جب کوئی قوم کوئی بدعت پیدا کرتی ہے تو اسی جیسی سنت اٹھالی جاتی ہے۔ پس سنت کو لازم پکڑنا بدعت جاری کرنے سے بہتر ہے۔"

بیہقی نے شعبؒ الایمان میں ابراہیم بن میسرہ سے مرسلاً روایت کیا ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام۔ مشکوٰۃ ص۳۱

"جس شخص نے کسی بدعتی کی عزت کی اس نے اِسلام کے ڈھانے میں اس کی مدد کی۔"

بخاری و مسلم نے حضرت سہلؓ بن سعد الساعدی سے روایت کیا ہے۔ کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انی فرطکم علی الحوض من مر علی شرب ومن شرب لم یظمأ ابدا لیردن علی اقوام اعرفہم ویعرفوننی ثم یحال بینی وبینہم فاقول انہم منی فیقال انک لا تدری ما احدثوا بعدک فاقول سحقا سحقا لمن غیر بعدی۔ مشکوٰۃ ص۴۸۷، بخاری ج۲ ص۹۷۴، نسائی ج۱ ص۹۱

میں حوض پر تمہارا پیش رو ہوں گا۔ جو شخص میرے پاس سے گذرے گا۔ وہ حوض سے ضرور پیئے گا۔ اور جو اس سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ مجھ پر ایسی قوموں کا گذر بھی ہوگا۔ جنہیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ پھر میرے اور اُن کے درمیان کوئی شئے حائل کر دی جاتے گی۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میری امت کے لوگ تھے۔ تو جواب دیا جاتے گا کہ تمہیں کیا معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعتیں جاری کی تھیں۔ تو میں کہوں گا انھیں دُور کر دو، دُور کر دو۔"

نیز بخاری نے حضرت انس سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتہم اختلجوا دونی فاقول اصحابی فیقال لا تدری ما احدثوا بعدک۔ بخاری ج۲ ص۹۷۴

"مجھ پر میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کا گذر ہوگا۔ حتی کہ میں انھیں پہچان لوں گا۔ پھر میرے اور ان کے درمیان پردہ کر دیا جاتے گا۔ تو میں کہونگا یہ تو میرے ساتھی ہیں تو جواب دیا جاتے گا تمہیں کیا معلوم کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا بدعات جاری کی تھیں"۔

ابوہریرہ اور سعید بن المسیب کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

یرد علی یوم القیامۃ رھط من اصحابی فیحلؤن من الحوض فاقول یارب اصحابی فیقال انک لا علم لک بما احدثوا بعدک انھم ارتدوا علی ادبارھم القھقری ۔ بخاری ج۔۲ ص۹۷۴

"قیامت کے روز میرے ساتھیوں کی ایک جماعت کا مجھ پر گذر ہوگا۔ پھر وہ حوض سے ہٹا دیئے جائیں گے تو میں کہوں گا۔ اے میرے پروردگار یہ تو میرے ساتھی ہیں۔ تو جواب دیا جائے گا تمہیں کچھ معلوم نہیں کہ انھوں نے تمہارے بعد کیا بدعت جاری کی تھی۔ یہ اپنی ایڑیوں کے بل واپس لوٹ گئے تھے (یعنی مرتد ہو گئے تھے یا زمانۂ جاہلیت کا طریقہ اختیار کر لیا تھا۔

بخاری و مسلم نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المدینۃ حرام ما بین عیر الی ثور فمن احدث فیھا حدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا ۔ بخاری ج۔۲ ص۱۰۸۴

مسلم ج۔۱ ص۴۴۲، ابوداؤد ج۔۱ ص۲۸۵

مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے۔ تو جس نے مدینہ میں کوئی بدعت جاری کی اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہ تو انفاق قبول فرمائے گا اور نہ انصاف"۔

نیز بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

المدینۃ حرم ۔۔۔۔۔ من احدث فیھا حدثا او اوی محدثا فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین

بخاری ج۔۲ ص۱۰۸۶

"مدینہ حرم ہے ..... جس نے اس میں کوئی بدعت جاری کی یا بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔"

اس حدیث میں حرم مدینہ کی شرط ــ مزید مذمت کے لیے ہے اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ بدعت کی حرمت مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے اور مدینہ کے علاوہ ہر جگہ جائز ہے بلکہ اس کا مقصد یہی ہے جو ان جملوں کا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں گالیاں نہ دیا کرو۔ روزے میں لڑنا نہیں چاہیئے یعنی یہ افعال بالذات بھی بُرے ہیں، لیکن متذکرہ صورت میں ان کی برائی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بدعت کو مدینہ میں اختیار کیا جاتے گا تو یہ انتہائی لے دینی اور الحاد کا سبب ہوگا کہ جس مقام سے بدعات کا قلع قمع کیا گیا ہو اسی سے بدعت کی ابتدا کی جائے۔

اس حدیث سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مبتدعین پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اور اس کی کوئی فرضی اور نفلی عبادت قابل قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ بدعتی کو پناہ دینے والا بھی اسی لعنت کا مستحق ہے اور قیامت کے روز اُسے حوضِ کوثر سے دھکے مل جاتیں گے اور جو لوگ ان سے مَیل جول رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں ان کا کیا انجام ہوگا اِس پر قارئین خود غور فرمالیں۔

ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عبّاس سے روایت کیا ہے۔ کہ رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعۃ حتی یدع البدعۃ ۔ ابن ماجہ مصری ج-۱ ص۶

"اللہ تعالٰی بدعتی کا کوئی عمل قبول کرنے سے اس وقت تک کے لیے انکار فرماتا ہے۔ جب تک وہ بدعت کو نہ چھوڑ دے۔"

طبرانی نے حضرت انس بن مالکؓ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

ان اللہ حجب التوبۃ عن کل صاحب بدعۃ مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۸۹

"اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب بدعت سے توبہ کا دروازہ بند فرما دیا ہے۔"

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ چونکہ بدعتی اپنی بدعت کو ایک کارِ خیر تصور کرتا ہے اس لیے اس کے ترک کا سوال پیدا نہیں ہوتا کجا کہ اس سے توبہ کرنا۔ یہی مقصد ہے اس حدیث کا۔ نیز فرماتے ہیں کہ ایک بدعت سے ہزار زنا بہتر ہیں۔ کیونکہ زانی زنا کو گناہ تصور کرتا ہے۔ اس لیے اس سے کسی نہ کسی وقت توبہ کی اُمید بھی کی جا سکتی ہے اور زنا تحریف فی الدین کے گناہ سے ہر صورت میں کم ہے اس لیے کہ تحریف فی الدین سے پوری امت گمراہی میں مبتلا ہوتی ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے ذریعہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

لا یقبل اللہ لصاحب بدعۃ صوماً ولا صلوٰۃ ولا صدقۃ ولا حجا ولا عمرۃ ولا جہاداً ولا صرفاً ولا عدلاً یخرج من الاسلام کما تخرج الشعرۃ من العجین۔ ابن ماجہ۔ مروجہ ج ۱ ص ۶

"اللہ تعالیٰ کسی بدعتی کا نہ روزہ قبول فرماتا ہے، نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور نہ انصاف کرنا۔ وہ اسلام سے اسی طرح نکل جاتا ہے جیسے بال آٹے سے نکل جاتا ہے۔"

حضرت عبد اللہ بن سلامؓ پہلے ایک یہودی عالم تھے جب اسلام سے مشرف ہوئے تو سوچنے لگے کہ اسلام نے اونٹ کا گوشت فرض نہیں کیا اور مذہب یہودیت میں اونٹ کا گوشت حرام ہے کیوں نہ اس سے اجتناب کیا جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ
مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ بقرہ ۲۰۸

اے ایمان والو اسلام میں پورے طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ اگر تم دلائل آجانے کے بعد بھی اپنے مقام سے پھسل جاؤ گے تو جان لو کہ اللہ غالب، صاحب حکمت ہے۔

ان احادیث سے بدعت کی مذمت بخوبی واضح ہو گئی ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ایسا لوگوں کا اسلام ایک فریب ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک

اہلِ بدعت کے ساتھ صحابہؓ کا طرزِ عمل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طرزِ عمل

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے انھوں نے فرمایا۔

ان احسن الحدیث کتاب اللہ واحسن الھدی
ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور
محدثاتھا وان ماتوعدون لآت وما انتم بمعجزین۔

بخاری ج۔۲ صفحہ ۱۰۸۰

"سب سے بہترین بات کتاب اللہ اور سب سے بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور سب سے بدترین امور بدعات ہیں اور تم سے جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ پیش

آنے والے ہیں اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے۔"

عبدالرحمان بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ غنی نے منیٰ میں جا کر چار رکعت نماز پڑھائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس پر فرمایا۔

صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ رکعتین وصلیت مع ابی بکر الصدیق بمنی رکعتین وصلیت مع عمر بن الخطاب بمنی رکعتین فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان۔ بخاری ج۔ ا ص ۱۴۷ مسلم ج۔ ا ص ۲۴۳، ابوداؤد ج۔ ا ص ۲۷۷، نسائی ج۔ ا ص ۱۴۷

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعت پڑھیں، ابو بکرؓ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھیں اور عمرؓ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھیں۔ کاش چار رکعتوں کے بدلے میرے حصہ میں دو مقبول رکعتیں آجائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس دو رکعت نماز کے اضافہ پر جو سنت رسول سے ثابت نہ تھا افسوس فرمایا اور چار رکعت نماز کو خلاف سنت ہونے کے باعث غیر مقبول قرار دیا۔

ان ہی عبدالرحمان بن یزید کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حج کے موقع پر بطن وادی سے رمی فرمائی۔ میں نے عرض کیا اے ابو عبدالرحمان لوگ تو اوپر کی جانب سے رمی کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا۔

والذی لا الہ غیرہ ھذا مقام الذی انزلت علیہ سورۃ البقرۃ۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ یہ اس شخص کے قیام کی جگہ ہے جس پر سورۂ بقرہ نازل کی گئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے موجودہ دور کے ائمہ کی طرح اپنے دور کے

اماموں کو دیکھا کہ وہ نماز کا سلام پھیر کر داہنی طرف مڑتے ہیں اور بائیں طرف قطعاً نہیں مڑتے۔ آپؓ نے فرمایا۔

لا یجعلن احدکم للشیطان من نفسہ جزءا لا یریٰ الا ان حق علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ اکثر ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف عن شمالہ۔ مسلم ج۔۱ ص۲۴۷، نسائی ج۔۱ ص۱۳۸، بخاری ج۔۱ ص۱۱۸

"تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا ایک حصہ متعین نہ کرلے کہ وہ یہ سمجھے کہ سلام پھیر کر داہنی طرف سے مڑنا ضروری ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف مڑتے دیکھا ہے۔"

عمارہ راوی کا بیان ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

اتیت المدینۃ بعد فرایت منازل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن یسارہ۔ ابوداؤد۔ ج۔۱ ص۱۵۶

"میں اس کے بعد مدینہ آیا۔ تو میں نے بائیں طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مڑنے کی جگہیں دیکھیں۔"

ان ہی عبداللہ بن مسعودؓ کا گذر ایک بار مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا جو حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ انھیں ایک شخص تلقین کرتا جاتا کہ سو۱۰۰ مرتبہ اللہ اکبر پڑھو وہ کنکریوں پر سو۱۰۰ مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے۔ پھر وہ کہتا سو۱۰۰ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھو۔ وہ سو۱۰۰ بار لا الٰہ الا اللہ پڑھتے۔ پھر وہ کہتا سو۱۰۰ بار سبحان اللہ پڑھو۔ یہ سو۱۰۰ بار سبحان اللہ پڑھتے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے دریافت کیا تم ان کنکریوں پر کیا پڑھتے ہو وہ کہنے لگے ہم تکبیر و تہلیل اور تسبیح پڑھتے ہیں حضرت عبداللہؓ نے فرمایا۔

فعدوا من سیاتکم فانا ضامن ان لا یضیع من حسناتکم شیئی ویحکم یا امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ما اسرع هلکتکم هؤلاء صحابۃ بینکم متوافرون وهذا ثیابہ

لم تبل دانیتہ لم تکسرالی ان قال او مفتتحی باب ضلالتہ

سنن دارمی ص۳۸

"تم اپنی برائیوں کو شمار کرو۔ میں اس کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی شے ضائع نہ ہوگی۔ اے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر افسوس تم کتنی جلدی ہلاک ہوگئے۔ ابھی تو تم میں بکثرت صحابہ موجود ہیں۔ یہ حضورؐ کے کپڑے موجود ہیں جو ابھی پرانے نہیں ہوئے۔ آپؐ کے برتن موجود ہیں جو ابھی ٹوٹے نہیں کیا تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو"

شیخ الاسلام ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ نے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے ایک ایسی جماعت کا تذکرہ کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا جب تم اس جماعت کو ذکر کرتے دیکھو تو مجھے مطلع کرنا جب یہ جماعت ذکر کے لیے مسجد میں حلقہ بنا کر بیٹھی تو لوگوں نے ابن مسعودؓ کو آکر مطلع کیا۔ ابن مسعودؓ چادر اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا۔

من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا عبد اللہ بن مسعود تعلمون انکم اھدی من محمد صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی ان قال لقد جئتم ببدعۃ عظمی اولقد فضلتم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم علما۔

احکام الاحکام ج۔۱ ص۵۲

"جس نے مجھے پہچان لیا اس نے تو مجھے پہچان ہی لیا اور جو نہیں پہچانتا تو میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو پھر آخر میں آپؐ نے فرمایا تم نے ایک بڑی بدعت پیدا کی۔ یا تم علم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر بھی فضیلت حاصل

کر چکے ہو؟"

قاضی ابراہیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کو ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

انا عبد اللہ بن مسعود فوالذی لا الہ غیرہ لقد جئتم ببدعۃ ظلماء او لقد فقتم علی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجالس الابرار ص۱۳۳

"میں عبداللہ بن مسعودؓ ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ تم نے ایک تاریک بدعت جاری کی ہے یا تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر فوقیت حاصل کر چکے ہو"۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا اس سے مطلب صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید کے بہت کچھ فضائل ثابت ہیں۔ لیکن اس کا یہ مخصوص طریقہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے۔ اس لیے یہ بدعت بھی ہے ضلالت بھی۔ گمراہی بھی ہے اور بدعتِ ظلمی بھی۔

امام دارمی المتوفی ۲۵۵ھ کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فوقف علیھم فقال ما ھذا الذی اراکم تصنعون قالوا یا ابا عبد الرحمٰن حصا نعد بہ التکبیر والتھلیل والتسبیح قال فعدوا سیاتکم۔

دارمی ص۳۸

ابن مسعودؓ ان کے پاس جا کر ٹھہرے اور سوال فرمایا۔ میں تمہیں یہ کیا کرتے دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم کنکر لے کر ان پر تکبیر و تہلیل اور تسبیح شمار کر رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تو تم اپنی برائیاں شمار کرو۔

ظاہر ہے کہ تسبیحات وغیرہ ایک انفرادی فعل ہے۔ اسے اجتماعی صورت میں حلقے بنا کر باجہری طور پر پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ اسی لئے ابن مسعودؓ اس پر نکیر فرما رہے ہیں۔

چنانچہ مشہور علامہ محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازی الحنفی المتوفی ۸۲۷ھ جن کی کتاب فتاوی بزازیہ مشہور ہے۔ اپنے فتاوی میں جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عن فتاوی القاضی ــــ انہ حرام لما صح عن ابن مسعود انہ اخرج جماعۃ من المسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین۔ شامی ج۔۵ ص۳۵۰

فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ ذکر بالجہر حرام ہے۔ کیوں کہ ابن مسعودؓ سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک ایسی جماعت کو مسجد میں سے نکال دیا تھا جو کلمہ اور حضور پر بلند آواز سے درود پڑھ رہی تھی اور فرمایا میں تو تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔

انقلاب زمانہ دیکھیے کہ آج جو شخص بلند آواز کے ساتھ جماعت کے ساتھ مل کر درود وسلام نہیں پڑھتا۔ اسے اہل بدعت وہابی کے نام سے بدنام کرتے ہیں۔ مگر عبداللہ بن مسعودؓ ایسے لوگوں کو گمراہ اور بدعتی قرار دے کر مسجد سے نکال دیتے ہیں اور پھر علماء احناف بھی اس ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں۔

حموی اور فتاوی قاضی خاں میں ذکر بالجہر کی تصریح یں ہے۔

الجھر بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعود انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علیہ الصلوۃ والسلام جھرا فراح الیھم وقال ما عھدوا ذلک علی عھدہ علیہ الصلوۃ والسلام

وما اراکم مبتدعین نما زال یذکر ذلک حتی اخرجهم من المسجد۔

ذکر بالجہر حرام ہے۔ کیوں کہ ابن مسعودؓ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے سُنا کہ ایک جماعت مسجد میں جمع ہو کر کلمہ اور دُرود بلند آواز سے پڑھتی ہے۔ ابن مسعودؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی ایسی حرکت نہ کی تھی۔ میں تو تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔ ابن مسعودؓ اسی قسم کے الفاظ بار بار دُہراتے رہے پھر انھیں مسجد سے نکال دیا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ

"ان کے ساتھ نہ بیٹھو"

کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

دخل فی ھذہ الاٰیۃ کل محدث فی الدین وکل مبتدع الی یوم القیمۃ معالم بر خازن ج ۱ ص ۵۰۹

اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر بدعتی اور ہر نئی چیز پیدا کرنے والا داخل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے طاؤس بن کیسان تابعی کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا تو انھوں نے طاؤس کو منع فرمایا۔ طاؤس نے ان احادیث کی تاویل پیش کی جن میں عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ابن عباسؓ نے سخت لہجہ میں فرمایا۔

ما ادری ایعذب ام یوجر لان اللہ تعالیٰ یقول وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔

میں نہیں جانتا کہ اسے عذاب دیا جائے گا یا اجر دیا جائے گا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کسی مؤمن مرد و عورت کو جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ فرما دے اپنے کسی کام کا اختیار باقی نہیں رہتا"

آپ حضرات نے ملاحظہ فرمایا کہ ابنِ عباسؓ نے طاؤس کو خلافِ سنت نماز پڑھنے پر عذاب کا مستحق سمجھا۔ امام حاکم اِس حدیث کو روایت کر کے فرماتے ہیں۔

صحیح علی شرط البخاری ومسلم

بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

اور امام ذہبی نے اس کی تصدیق کی ہے۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کا فیصلہ

حضرت عثمان بن ابی العاص المتوفی ۵۵ھ کو ایک ختنہ میں دعوت دی گئی۔ انھوں نے شرکت سے انکار کر دیا اور فرمایا۔

انا کنا لا نأتی الختان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ندعی لہ ۔ مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۷

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو ختنوں میں شریک ہوتے اور نہ اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی۔

حضرت عثمانؓ بن ابی العاص نے اس قاعدہ سے کام لیا ہے۔ کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ختنوں میں بلائے جانے

کا دستور نہ تھا اور نہ لوگوں کو دعوتیں دی جاتی تھیں اور جو کام حضورؐ کے عہد میں نہ ہو وہ بدعت ہے اور میں بدعت میں شرکت کے لیے تیار نہیں۔

ابو مالک اشجعیؓ کا فیصلہ

ابو مالک اشجعی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ نے رسول اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کے پیچھے پانچ سال تک کوفہ میں نمازیں پڑھی ہیں۔ کیا یہ حضرات صبح کی نماز میں "قنوت" پڑھتے تھے انھوں نے فرمایا۔

اے بنی محدث ترمذی ج۔ ا صـ۷۹، نسائی ج۔ ا صـ۱۰۸

اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مغفل کا حکم

حضرت عبداللہؓ بن مغفل کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے نماز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھی۔ میرے والد نے سن کر فرمایا۔

اے بنی محدث ایاك والحدث قال ولم ار احدا من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم کان ابغض الیه الحدث فی الاسلام یعنی منه وقال وقد صلیت مع النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها۔

ترمذی ج۔ ا صـ۵۶، نسائی ج۔ ا صـ۹۲

"اے میرے بیٹے یہ بدعت ہے اور بدعت سے احتراز کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اسلام

میں بدعت سے زیادہ کسی اور شئے سے نفرت کرتے نہیں دیکھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں سُنا۔ تو بھی اِسے نہ پڑھو۔"

غور فرمایئے کہ حضرت عبداللہؓ بن مغفل اور ابو مالک اشجعی کے والد نے اِس شئے کو بدعت قرار دیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء راشدین نے نہیں کیا تھا۔ بلکہ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو بسم اللہ کا نماز میں پڑھنا سب کے نزدیک سنت ہے۔ لیکن کیونکہ اس میں جہر نہیں ہے اس لیے عبداللہؓ بن مغفل نے اس ترمیم کو بھی کہ وہ بلند آواز سے پڑھی جائے بدعت فرمایا۔ (کاش غیر مقلدین اِس بدعت سے احتراز کرتے)

اِسی طرح قنوت فی الصبح مصیبت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک وقتی فعل تھا اسے دوامی سمجھ کر اس پر دوامًا عمل کرنا یہ اضافہ فی الدین ہے۔ اسی لئے ابو مالک اشجعیؓ کے والد نے اسے بدعت فرمایا۔

حضرت عمرؓ کا فرمان

ابن ابی شیبہ نے اپنی "مصنف" میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ ایک مؤذن نے اذان کے بعد الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر لوگوں کو نماز کی دعوت دی۔ حضرت عمرؓ نے سن کر فرمایا۔ کیا تو پاگل ہے؟ تیری اذان میں جو دعوت تھی کیا وہ لوگوں کو بلانے کے لیے کافی نہ تھی؟

حضرت سالمؓ بن عبید کا طرزِ عمل

حضرت سالمؓ بن عبید کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اسے چھینک آئی تو اس نے کہا السلام علیکم حضرت سالمؓ نے فرمایا۔

وعلیك وعلی امك

"تجھ پر بھی سلام ہو اور تیری ماں پر بھی"

یہ بات اس شخص کو ناگوار گزری تو حضرت سالمؓ نے فرمایا۔

اما انی لم اقل الا ما قال النبی صلی الله علیه وسلم عطس رجل عند النبی صلی الله علیه وسلم فقال السلام علیکم فقال النبی صلی الله علیه وسلم علیك وعلی امك اذا عطس احدکم فلیقل الحمد لله رب العلمین۔ ترمذی ج-۲-ص۱۱۶، ابوداؤد ج-۲ ص۲۰۶

"میں نے صرف وہی بات کہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ آپؐ کے پاس ایک شخص کو چھینک آئی۔ تو اس نے السلام علیکم کہا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ تجھ پر بھی سلام ہو اور تیری ماں پر بھی۔ تم میں سے جب کسی کو چھینک آئے تو کہے الحمد للہ رب العلمین۔

حضرت علیؓ کا فیصلہ

حضرت علیؓ نے عید کے روز نماز سے قبل ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نفل نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس کو منع فرمایا۔ اس شخص نے عرض کیا میں نماز پڑھ رہا ہوں اور وہ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کسی عبادت پر عذاب نہیں دیتا۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا۔

وانی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی
یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او
یحث علیہ فتکون صلاتک عبثاً والعبث حرام
فلعلہ تعالیٰ یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی
اللہ علیہ وسلم۔ نظم البیان ص۴۷، لجز ص۱۶۵

"میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل پر ثواب نہیں دیتا۔ جب تک اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انجام نہ دے لیں یا اس کی ترغیب نہ فرمالیں۔ اس صورت میں تیری یہ نماز بے کار ہوئی اور بے کار شئے پر عمل کرنا حرام ہے۔ تو شاید اللہ تعالیٰ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید سے قبل نوافل ادا نہ فرماتے تھے اور نہ ان کے پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس لیے یہ نماز بھی عبث اور بے کار فعل ثابت ہوئی اور فعل عبث حرام ہے اور حرام کے مرتکب کو ثواب نہیں ملتا بلکہ عذاب دیا جاتا ہے اور جب یہ فعل حضور سے ثابت نہیں تو یہ نماز حضور کی مخالفت کا ذریعہ ہوئی۔ اور حضور کی مخالفت پر ضرور عذاب ملے گا اس لیے یہ نماز بھی عذاب کا ذریعہ ہوئی۔

اگر آج کل کے بدعتی یا صوفیاء اس وقت موجود ہوتے تو نہ معلوم حضرت علیؓ پر کس قسم کے فتوی صادر کرتے اور انھیں کس کس طرح بدنام کرتے اور پروپیگنڈہ کرتے پھرتے کہ وہ تو نماز سے بھی منع کرتے ہیں۔

نووی المتوفی ۶۷۶ھ نے شرح مہذب میں نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ عشار کی اذان میں تثویب کر رہا ہے۔ یعنی

حَیَّ عَلٰی خَیْرِ الْعَمَلِ کہہ رہا ہے۔ انھوں نے یہ سُن کر فرمایا۔
اخرجوا ھذا المبتدع من المسجد۔ بحرالرائق ج۔۱ ص۲۶۱
اِس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔

حضرت عمارۃ رضؓ بن رویبہ کا طرزِ عمل

حضرت عمارۃؓ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو خطبہ کے دوران منبر پر دونوں ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو سخت لہجہ میں فرمایا۔

قبح اللہ ھاتین الیدین لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما یزید علی ان یقول ھکذا بیدہ واشار باصبعہ المسبحۃ۔ مسلم ج۔۱ ص۲۸۷، نسائی ج۔۱ ص۱۴۳، ابوداؤد ج۔۱ ص۱۶۴

اللہ تعالیٰ یہ دونوں ہاتھ توڑ دے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے زیادہ نہ کرتے اور پھر انھوں نے اپنی انگشت شہادت کی جانب اشارہ کیا۔ یعنی اس سے زیادہ نہ اٹھاتے۔

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ کے فیصلے

ابوداؤد اور ترمذی نے امام مجاہد المتوفی سنہ ۱۰۲ھ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ ایک مسجد میں گیا۔ وہاں اذان ہو چکی تھی۔ ابھی ہم نماز کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ مؤذن نے الصلوٰۃ الصلوٰۃ کے الفاظ سے تثویب شروع کی۔ ابنِ عمرؓ نے مجاہد سے فرمایا۔

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع
ہمیں اِس بدعتی کے پاس سے باہر لے چلو۔

اور ابن عمرؓ نے اس مسجد میں نماز نہیں پڑھی۔ مجاہد کا بیان ہے۔

انما کرہ عبد اللہ بن عمر التثویب الذی احدثہ

الناس بعد۔ ترمذی ج۔۱ ص۴۹

گویا عبد اللہ بن عمرؓ نے اس مکرر اعلان کو جو لوگوں نے بعد میں

جاری کیا تھا بُرا سمجھا۔

ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

اخرج بنا فان ھذہ بدعۃ ابو داؤد ج۔۱ ص۷۹

ہمیں یہاں سے لے چلو۔ کیونکہ یہ تو بدعت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی آخر میں آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اسی لیے آپ نے اپنے شاگرد سے فرمایا مجھے یہاں سے لے چلو۔ آپ نے غور فرمایا کہ ابن عمر اہل بدعت سے کتنی نفرت کا اظہار فرماتے ہیں۔ اور صرف ایک بدعت کے باعث جماعت سے نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس مسجد میں نماز پڑھنا بھی گوارا نہیں فرماتے۔

موجودہ دور ہوتا تو لوگ یہی کہتے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ مؤذن نماز ہی کی تو دعوت دے رہا ہے۔ لیکن ابن عمرؓ خوب جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ نماز کا جو طریقہ جاری فرمایا ہے اس پر تو عمل ہو چکا اور اب اپنی جانب سے جو ایک نئی قسم کی دعوت دی جارہی ہے وہ بدعت ہے۔ اور جب بدعت حرام ہے تو بدعت میں شرکت کیسے حرام نہ ہو گی۔ اور بدعتیوں کے پیچھے نماز پڑھنا بدعت میں شرکت نہ ہوگی تو اور کیا ہو گی۔ اس طرح بدعت میں خود بخود شرکت لازم آئے گی اور جب ہر بدعتی گمراہ ہے تو گمراہوں کے پیچھے نماز کیسے ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ابن عمرؓ پر اپنی رحمتیں نازل فرماتے کہ انھوں نے اس عقدہ کو ایک ہی جملہ میں حل فرما دیا۔

نافع المتوفی ۱۱۷ھ کا بیان ہے کہ ایک شخص ابن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہلوایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

بلغنی انہ قد احدث فان کان قد احدث فلا تقرئہ منی السلام۔ ترمذی ج۔۲ ص۷۷

مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے بدعت جاری کی ہے۔ اگر واقعتاً اس نے بدعت جاری کی ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا

انھیں نافع کا بیان ہے کہ ایک شخص کو جو ابن عمرؓ کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا چھینک آئی۔ اس شخص نے کہا۔

الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ۔

ہر تعریف اللہ کے لیے ہے اور رسول اللہ پر سلام ہو۔

یہ سُن کر ابن عمرؓ نے فرمایا۔

وانا اقول الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ ولیس ھکذا علمنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنا ان نقول الحمد للہ علی کل حال۔ ترمذی ج۔۲ ص۱۱۶

میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ، اور السلام علی رسول اللہ لیکن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح تعلیم نہیں دی بلکہ ہمیں تو یہ تعلیم دی ہے کہ ہم ہر حال میں الحمد للہ کہیں۔

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جب چھینک آئے وہ الحمد للہ کہے مگر اس موقعہ پر والسلام علی رسول اللہ کے الفاظ کی حضور نے کوئی تعلیم نہ فرمائی تھی۔ اسی لیے ابن عمرؓ نے اس پر انکار کیا۔

اب کوئی سلامیہ ابن عمرؓ سے جا کر پوچھے کہ انھوں نے حضور پر سلام بھیجنے سے کیوں روکا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا گناہ تھا؟ آخر

ابن عمرؓ وہابی کیوں بن گئے؟ لیکن چوں کہ ابن عمرؓ پابند سنت تھے وہ حمد وسلام کے مواقع سے خوب واقف تھے اس لیے انھوں نے اس پر انکار کیا۔

انہی ابن عمرؓ نے لوگوں کو سفر میں فرائض کے بعد سنتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا۔

سافرت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر و عمر وعثمان فکانوا یصلون الظہر والعصر رکعتین رکعتین لا یصلون قبلہا ولا بعدہا وقال عبد اللہ لو کنت مصلیا قبلہا وبعدہا لاتممت۔

ترمذی ج-۱ ص۹۸، مسلم ج-۱ ص۲۴۲، بخاری ج-۱ ص۱۴۹، نسائی ج-۱ ص۱۴۷، ابوداؤد ج-۱ ص۱۷۹

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ سفر کیا۔ وہ ظہر وعصر کی دو دو رکعت پڑھتے اور ان فرضوں سے قبل یا بعد میں کوئی سنت ادا نہ کرتے۔ پھر عبد اللہؓ نے فرمایا۔ اگر مجھے ان فرضوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں پڑھنی ہوتیں تو میں نماز ہی پوری پڑھ لیتا۔

یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور تمام کتب حدیث میں موجود ہے۔ صرف لفظوں میں تھوڑا بہت تفاوت ہے اور نافع کے علاوہ اسے سعید بن جبیر نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا فیصلہ

حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے بڑے بھائی حضرت عبد الرحمان بن ابی بکرؓ کے یہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ ان کے گھر میں کسی عورت نے کہا اگر عبد الرحمانؓ کے یہاں بچہ ہوا تو ہم عقیقہ میں اونٹ ذبح کریں گے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔

لا بل السنة افضل عن الغلام شاتان مكافئتان
وعن الجارية شاة ۔ مستدرک ج۔۴ ص۲۳۸
نہیں، بلکہ سنّت افضل ہے۔ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں کافی ہیں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری۔

اگر اونٹ اور دو بکریوں کی قیمت یا ان کے گوشت کا موازنہ کیا جائے تو نمایاں فرق نظر آتے گا۔ مگر حضرت عائشہؓ اونٹ ذبح کرنے پر اس لیے راضی نہیں کہ وہ خلافِ سنت ہے اور سنت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا بدعت ہے۔

امام سعید بن المسیب کا فتویٰ

امام سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ نے ایک شخص کو عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا۔ سعید بن المسیب نے اُسے منع کیا۔ اس نے عرض کیا اے ابو محمد کیا اللہ تعالیٰ مجھے نماز پر بھی عذاب دے گا۔ انھوں نے فرمایا۔

لا ولكن يعذبك بخلاف السنة دارمی ص۱۲۰
نہیں، بلکہ تجھے خلافِ سنّت فعل پر عذاب دے گا۔

امام ابراہیم نخعی کا خیال

امام اعمش المتوفی ۱۴۸ھ کا بیان ہے کہ مَیں نے ایک بار حجاج بن یوسف ثقفی المتوفی ۹۵ھ کو یہ کہتے سنا کہ قرآن کو اسی طرح جمع کرو جس طرح جبرئیل نے نازل کیا تھا اور سورتوں کے نام اِس طرح لکھو کہ وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے، وہ سورت جس میں آلِ عمران کا ذکر ہے۔ اور وہ سورۃ جس میں عورتوں کا ذکر ہے۔ یعنی یہ نہ کہا کرو کہ سورۂ بقرہ، سورۃ آلِ عمران اور سورۂ نساء۔ کیوں کہ یہ ان سورتوں کے نام نہیں۔

اعمش کہتے ہیں مَیں نے ابراہیم نخعی سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے حجاج کو بُرا بھلا کہا اور فرمایا مجھ سے عبدالرحمان بن یزید نے بیان کیا ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ حج کو گئے۔ عبداللہؓ نے درمیان وادی سے جمرۂ عقبہ کی رمی کی۔ عبدالرحمان نے عرض کیا لوگ تو کہتے ہیں کہ اوپر بلندی کی جانب سے رمی کی جائے۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا۔

ھذا والذی لا الٰہ غیرہ مقام الذی انزلت علیہ سورۃ البقرۃ۔ بخاری ج۔۱ ص۲۲۵، مسلم ج۔۱ ص۴۱۹

ابوداؤد ج۔۱ ص۲۷۸ ۔ نسائی ج۔۲ ص۴۱

قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ یہ اُس ذاتِ اقدس کی رمی کی جگہ ہے جس پر سورۃ البقرہ نازل کی گئی تھی۔

امام ابراہیم نخعی نے یہ حدیث صرف یہ بتانے کے لیے بیان فرمائی کہ عبداللہ بن مسعود نے بھی اس سورۃ کا نام سورۂ البقرہ بیان کیا ہے اور یہ حجاج کی بدعت ہے جو وہ ان ناموں کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

سطورِ بالا سے بدعت کی مذمت اور اس کی حیثیت بخوبی واضح ہو چکی ہے۔ لیکن یہ امر ضرور غور طلب ہے کہ وہ کون کون سے اُمور ہیں جو بدعت ہیں اور اس کو پہچاننے کے لیے سنت کو جاننا انتہائی ضروری ہے۔

اگر ہم ہر سنت و بدعت کی تشریح کریں تو اس کے لیے متعدد جلدیں بھی ناکافی ہوں گی۔ کیونکہ تمام بدعات دو اقسام پر مشتمل ہیں۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ ان میں سے اگر ہر ایک کی تفصیل کی جائے تو یہ زندگی بھی ناکافی ہے۔ گذشتہ اور موجودہ گمراہ طبقے صرف بدعتِ اعتقادی کا نتیجہ ہیں مثلاً روافض، خارجیہ، معتزلہ، جبریہ، قدریہ، ملامتیہ وغیرہ، لیکن اس وقت ہمارا موضوع بدعت اعتقادی نہیں بلکہ صرف بدعتِ عملی ہے۔ اور اس میں بھی صرف ایک خاص بدعت مقصود ہے۔

پھر یہ دونوں بدعات دو طرح کی ہیں یا تو یہ بدعت جدیدہ ہو گی جیسے موجودہ صلوٰۃ و سلام یا یہ بدعت قدیمہ ہو گی۔ جیسے جمعہ کے دن خطبہ کی اذان امام صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر دینا۔ خطبہ میں آیت درود پڑھنا۔ بنو عباس کے لیے دعا کرنا۔ رجب کے روزے رکھنا اور شب براءت وغیرہ۔ اس قسم کی بدعات پر چونکہ صدیاں گذر چکی ہیں۔ اس لیے اب یہ بدعات بھیڑ چال علماء میں دین کا درجہ اختیار کر چکی ہیں اور ان کے خلاف آواز اٹھانا پوری قوم کو مقابلہ کی دعوت دینا ہے اور ہم اس دعوت کے لیے تیار ہیں۔ قل الحق ولو کان مرا

اس وقت ہمارے پیش نظر شب براءت ہے جو مختلف بدعات کا مجموعہ ہے۔ ان اوراق میں یہی بات ثابت کی گئی ہے کہ اس شب براءت کا خیر القرون میں کوئی وجود نہ تھا اور یہ صوفیاء اور زنادقہ کی ایک وضع کردہ کہانی ہے چونکہ اس کے اصل بانی تو رافضی ہیں اور صوفیا بھی چونکہ درپردہ شیعیت کے پجاری ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس کی اشاعت میں نمایاں خدمت انجام دیں اور ہندو پاک کے علماء نے تصوف پرستی کے مرض میں مبتلا ہو کر اسے داخل دین کر دیا۔

چونکہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس تحقیق میں ہم کہاں تک کامیاب ثابت ہوئے اور کس مقام پر ہمارے قلم نے ٹھوکر کھائی ہے۔ اس لیے ہم ہر علمی تنقید کو خوش دلی سے قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیر لیلۃ مبارکہ

اس صدی کے ساتویں عشرے میں احقر نے ایک کتابچہ فضائل شعبان کے رد میں تحریر کیا تھا اور علماء کرام سے درخواست کی تھی کہ اگر اس ناچیز سے کسی امر کی تحقیق میں غلطی واقع ہوئی ہو تو اس سے مطلع فرمائیں، یا اس کا رد تحریر کریں، لیکن اس عرصۂ دراز میں کسی نے نہ تو رد لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور نہ جواب دینے کی۔ حالانکہ وہ ایک سرسری سا کتابچہ تھا اور اس کی تحقیق پر میں خود بھی مطمئن نہ تھا۔ اس کی طباعت کے بعد میں برابر ان روایات کی تحقیق میں مشغول رہا جو فضائل شب برات سے متعلق ہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ تحقیق کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا، وہ وہی نتیجہ تھا جس کا میں اپنے کتابچہ میں ایک عرصہ قبل اظہار کر چکا تھا۔

بعد میں خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ اس تحقیق کو یک جا جمع کر دیا جائے تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو سکے کہ "شب برات" کے "حلوہ خور ملاؤں" نے کس قسم کی روایات کو سہارا بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد روایات کے ہر سال شب برات کے موقعہ پر بہت شدومد سے حوالے دیئے جاتے ہیں، اور بعض نام نہاد علماء تو آیت قرآنیہ کی معنوی تحریف سے بھی گریز نہیں کرتے، ہم سب سے قبل اسی آیت کی تفسیر پر بحث کریں گے۔ جس آیت کریمہ کو ان ملاؤں نے بازیچۂ اطفال بنا رکھا ہے۔ بعد میں تمام روایات پر روایتاً و درایتاً

بحث کی جائے گی۔

قرآن کی معنوی تحریف

قرآن کریم کی جس آیت کریمہ کے سلسلے میں روایات اور تاویلات کا سہارا لے کر اسے غلط معانی پہنائے جاتے اور لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ سورہ دخان کی ابتدائی آیات ہیں جو ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○ فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ○ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

ہم نے یہ قرآن مبارک رات میں نازل کیا ہے، یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں، اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہر وہ حکم جو ہماری جانب سے ہوتا ہے۔ یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں۔ آپ کے پروردگار کی جانب سے رحمت۔ یقیناً وہ بہت سننے والا اور جاننے والا ہے۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چند امور کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۔ ہم نے قرآن مجید "مبارک شب" میں نازل کیا ہے۔

۲۔ اس شب میں تمام احکامات کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔

۳۔ اس شب میں نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

۴۔ اس شب کا نام "لیلۃ المبارکہ" ہے۔

بحث کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ لیلۃ المبارکہ سے کیا مراد ہے صوفیا اور شب براتی ملاؤں کا دعویٰ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ البرات ہے جبکہ تمام متقدمین محدثین، مفسرین اور فقہاء کا کہنا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے

لیلۃ القدر مراد ہے۔

ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا ہے، اور اس آیت میں بھی نزولِ قرآن کا دعویٰ ہے، اسی طرح لیلۃ القدر کی تعریف میں اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اس شب میں تمام امور کے فیصلے کیے جاتے اور ہر قسم کی سلامتی نازل فرمائی جاتی ہے، جو اس امر کی بین دلیل ہے کہ "لیلۃ مبارکہ" "لیلۃ القدر" کا دوسرا نام ہے، یہ دو جُداگانہ راتیں نہیں۔ پھر سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ "ہم نے یہ قرآن رمضان میں نازل کیا ہے اور شبِ براءت رمضان میں نہیں ہوتی۔ گویا قرآن کا نزول رمضان میں اس شب میں ہوا جسے لیلۃ القدر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور لیلۃ مبارکہ اس کا ایک صفاتی نام ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے رحمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسے لیلۃ الرحمہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن مجید کا نزول دو راتوں میں ہوا ہو، اور فیصلے بھی سال بھر میں دو مرتبہ کیے جاتے ہوں۔ حالانکہ صحابہؓ و تابعین اور متقدمین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

صوفیاء ابتداء سے اس کے قائل رہے ہیں کہ نزولِ قرآن شبِ براءت میں ہوا ہے۔ جیسا کہ غزالی کی "احیاء العلوم" اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی "غنیۃ الطالبین" سے واضح ہوتا ہے، متاخرین میں سے شاہ ولی اللہؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں نزولِ قرآن کا دوبارہ دعویٰ کیا۔ جو روئے زمین پر ابتدائے اسلام کے ایک ہزار سال بعد ایک نیا دعویٰ تھا۔ انھوں نے اپنی جانب سے اس امر کی کوشش کی کہ ایک عالم ہونے کی حیثیت سے قرآن کا رد بھی نہ ہو اور صوفی ہونے کے ناطے بزرگوں کا اندھا اعتقاد بھی قائم رہے۔

ع با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

پھر شاہ ولی اللہؒ کے بعد علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولوی احتشام الحق تھانوی

نے بھی اسی طریقہ کو اپنایا۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ جب شب قدر کا زمانہ آتا ہے تو ان آیات کو اس کی فضیلت میں پیش کر دیا جاتا ہے، اور جب شب برات کا زمانہ آتا ہے تو یہ آیات اس کی صداقت کے لیے پیش کر دی جاتی ہیں تصدیق کے لیے اخبار جنگ کے وہ ایڈیشن دیکھ لیجئے جو شب برات اور شب قدر کے وقت شائع کئے جاتے ہیں۔ گویا یہ آیات ابھی تک فضا میں لٹکی ہوئی ہیں کہ جب چاہا رسی پکڑ کر گھسیٹ لیا اور جس کے ساتھ چاہا منسلک کر دیا۔

حالانکہ اصول تفسیر اور اصول فقہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ اگر کوئی آیت محتمل المعنی ہو تو اس کے معنی کا تعین محکم و مفسر آیت سے کیا جائے گا اور صرف وہی معنی مراد لیے جائیں گے جس کی تائید محکم اور مفسر آیت سے ہوتی ہو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "ہم نے رمضان میں قرآن نازل کیا" اور "ہم نے قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ یہ محکم واضح اور مفسر ہے۔ اب ایسے واضح اور مفسر فرمان کی موجودگی میں کسی مشتبہ امر کو اختیار کرنا اور محکم کو ترک کرنا ایک بدترین قسم کی جہالت بلکہ علمی خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ؕ

اور جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنہ اٹھانے اور تاویل پیش کرنے کی غرض سے مشتبہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔

اسی قسم کی فتنہ انگیز تاویل اس آیت میں بھی کی گئی ہے۔ حالانکہ یہ تمام صوفیاء اور علماء اس امر کے بھی مدعی ہیں کہ متقدمین میں سے یہ قول صرف "عکرمہ" مولیٰ ابن عباسؓ کا ہے اور کوئی اس قول کا قائل نہیں۔ یہ تو ہم بعد میں واضح کریں گے کہ یہ عکرمہ کون ذات شریف ہیں اور اس دور کے ائمہ تابعین کے نزدیک ان کی حیثیت کیا ہے؟ اس سے قبل ہم مفسرین کے اقوال

پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ سابقہ مفسرین نے اس آیت کی کیا تفسیر فرمائی ہے۔

مفسرین و فقہاء کی تفسیر سے قبل ان حضرات کی رائے بھی سن لیجیے جو اس کے مدعی ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ البرآت مراد ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں تحریر فرماتے ہیں۔

سمیت لیلۃ البراءۃ لان فیہ براءتین براءۃ الاشقیاء من الرحمان وبراءۃ الاولیاء من الخذلان۔

غنیہ مترجمہ ج۔ ا ص ۱۹۲

اس شب کا نام برآت اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں دو قسم کی برات پائی جاتی ہے۔ بدبختوں کو اللہ سے نجات ملتی ہے اور اولیاء کو رسوائی سے نجات ملتی ہے۔ (اللہ سے نجات ملنے کا مقصد کیا ہے؟ یہ کسی سلوب العقل صوفی سے دریافت کیجئے۔)

صاوی حاشیہ جلالین میں ہے۔

ھی لیلۃ النصف من شعبان وھو قول عکرمۃ وطائفۃ وجہ بامور منھا ان لیلۃ النصف من شعبان لھا اربعۃ اسماء لیلۃ المبارکۃ ولیلۃ البراءت ولیلۃ الرحمۃ ولیلۃ الصک و منھا فضل العبادۃ فیھا۔

حاشیہ جلالین ص ۴۱۰

یہ لیلۃ البراءت نصف شعبان کی شب ہے۔ یہی عکرمہ اور ایک چھوٹی سی جماعت کا قول ہے۔ جس کی چند وجوہات ہیں۔ اول وجہ یہ ہے کہ نصف شعبان کی رات کے چار نام ہیں۔ لیلۃ مبارکہ، لیلۃ الرحمۃ لیلۃ الصک، اور لیلۃ البرأت دوسری وجہ اس رات میں عبادت کی فضیلت ہے۔

گویا جن مفسرین اور صوفیار نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں "لیلۃ مبارکہ" سے مراد شب برات ہے۔ انھوں نے اپنی اس رائے کی بنیاد عکرمہ کے قول پر رکھی ہے۔ متقدمین میں سے بجز عکرمہ کوئی اس کا قائل نہیں۔ حتیٰ کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی اس بات کو قبول کیا ہے کہ یہ عکرمہ کا قول ہے اور تمام مفسرین اس کی اس رائے کو قبول نہیں کرتے۔

وُہ فرماتے ہیں۔

وقد قال ذلك اکثر المفسرین سوی عکرمۃ فانھم قالوا ھی لیلۃ القدر۔ غنیۃ ج ۱ ص ۶۸۳

عکرمہ کے علاوہ اکثر مفسّرین کا قول یہ ہے کہ وہ مبارک رات لیلۃ القدر ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمام مفسّرین اس کے قائل ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہے تو اس کی کیا وجہ کہ انھوں نے ان تمام علماء اور ائمہ کا قول ترک کر کے عکرمہ کا قول اختیار کیا۔ اس کی کوئی نہ کوئی وجہ از روئے دلیل ہونی چاہیئے تھی۔ رہا شیخ صاحب کا یہ فرمانا کہ اس رات میں دو قسم کی براءت ہوتی ہیں۔ یہ ایک نیا دعویٰ ہے۔ دلیل نہیں اور دعویٰ خود دلیل نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ محتاج دلیل ہوتا ہے۔ صاوی نے جو دعویٰ کیا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کا ہے کہ دعویٰ اور دلیل دونوں ایک ہیں۔ یہ اسی قسم کی بات ہے۔ جیسے کوئی یہ کہے کہ انسان کو انسان اس لیے کہتے ہیں کہ اسے انسان کہا جاتا ہے۔ حالانکہ صاوی جس نے جلالین کی عبارت پر حاشیہ آرائی کی ہے وہ عبارت بھی صاوی کا ساتھ نہیں دیتی۔

ہندو پاکستان کے اکثر علماء اور مقالہ نویسوں نے عکرمہ اور شیخ صاحب کی تقلید کے علاوہ کوئی نیا کارنامہ انجام نہیں دیا اور نہ انھوں نے یہ سوچنے کی ضرورت محسوس کی کہ دیگر مفسّرین کی رائے کیا ہے اور اس کی وجوہات کیا ہیں۔ ان حضرات نے

صاوی اور غنیہ کی عبارات کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا ہے اس کے علاوہ وُہ مزید سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں۔ حفیظ جاوید صاحب اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں۔

شب قدر کے علاوہ پندرہویں شعبان کی رات کے بھی بڑے فضائل ہیں۔ اس رات کو لیلۃ مبارکہ، لیلۃ الصک اور لیلۃ البراءت بھی کہتے ہیں۔ مگر عرف عام میں یہ لیلۃ البراءت، شب براءت کے نام سے موسوم ہے ... حدیث شریف میں ہے کہ شعبان سے اگلے شعبان تک ایک سال کے تمام فیصلے اسی رات کو کر لیے جاتے ہیں...... بعض مفسّرین اور بزرگانِ دین نزولِ قرآن کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ شب براءت یعنی شعبان المعظم کی پندرھویں رات کو قرآن پاک لوح محفوظ سے فلک اول پر کاتب فرشتوں کے حوالے کیا گیا اور رمضان المبارک کی بابرکت لیلۃ القدر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی اُتری۔ اِس ضمن میں وہ قرآن پاک کی اِس آیت (آیت مذکورہ) کا حوالہ دیتے ہیں۔ (اخبار جنگ مورخہ ۲۴ ستمبر ۷۲ء)

محمد علی شاہین لکھتے ہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ سال بھر کے قضاء قدر کے فیصلے اِسی عظیم الشان رات میں لوح محفوظ سے اُتار کر انھیں فرشتوں کے حوالہ کیا جاتا ہے۔

(اخبارِ جنگ مورخہ ۲۴ ستمبر ۷۲ء)

علامہ نے یہ بات اپنی تفسیر میں فرمائی ہے اور "فتح الملہم شرح مسلم" میں شاہ ولی اللہ کا ایک مضمون اس کی تائید میں پیش کیا ہے۔

حافظ محمد اسلام صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

ان آیات (مذکورہ) کی تفسیر میں بعض مفسرین کرام نے تو یہ کہا ہے کہ مبارک رات سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ مبارک رات سے مراد شب قدر ہے... ان دونوں گروہوں نے احادیث کی روشنی میں اظہار خیال کیا ہے۔ مثلاً حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے "موضح القرآن" میں اور حضرت احمد رضا خاں نے اپنی تفسیر میں مذکورہ برکت والی رات کو شب برات یعنی شعبان کی پندرھویں شب قرار دیا ہے۔ ان کا احادیث کی روشنی میں استدلال یہ ہے کہ یہی وہ شب ہے جس میں آئندہ سال بھر کے انسانی تخمینے کے مطابق تکوینی کام فرشتوں کو دیئے جاتے ہیں۔

دوسری طرف مولینا عبدالماجد دریابادی اپنی تفسیر ماجدی میں ابن کثیر کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ قرآن پاک میں خود یہ تصریح موجود ہیں کہ کلام پاک کا نزول رمضان المبارک اور اس کی شبِ قدر میں ہوا۔ اس لیے مبارک رات سے مراد شب قدر ہے۔ شعبان کی پندرھویں شب نہیں۔ شب قدر ہی میں اٹل فیصلے کئے جاتے ہیں۔ جنگ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء

مولوی احتشام الحق تھانوی فرماتے ہیں۔

علماء مفسرین میں سے ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں صاف طور پہ فرمایا گیا ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔

دوسرے علماء مفسرین اور محققین کی رائے یہ ہے کہ سورۂ دخان کی آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد شب براءت ہے۔ اس جماعت

نے جو دلائل اپنے خیال کی تائید میں پیش کئے ہیں ان میں سے ایک دلیل تو یہ ہے کہ اس رات کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام لیلۃ مبارکہ ہے۔ دوسرا اس کا نام لیلۃ البرأت ہے۔ تیسرا اس رات کا نام لیلۃ الصک ہے۔ چوتھا خصوصی نام اس شب کا لیلۃ الرحمۃ ہے.... لیکن محققین نے ان دونوں رایوں میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ شب برأت میں لوحِ محفوظ سے نقل کرنے کا آغاز ہوا۔ اور ماہ رمضان میں شب قدر تک اس کی تکمیل ہوئی اور لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر یکبارگی اتار دیا گیا۔

ماخوذ از جنگ مورخہ ۶ر اکتوبر ۱۹۷۱ء، ۲۴ر ستمبر ۱۹۷۲ء

مولوی احتشام کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اس کے مدعی ہیں کہ وہ لیلۃ القدر ہے وہ غیر محقق ہیں اور جو لوگ اسے شب برات کہتے ہیں وہ محقق ہیں۔ لیکن مولوی صاحب نے ان محققین کے نام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ لیلۃ البراءت کی تائید میں کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی لیکن لیلۃ القدر کی تائید میں دو آیات قرآنیہ بھی پیش کیں۔ اور پھر بھی انھیں قبول نہیں کیا۔ حتیٰ کہ ان آیات کی کوئی تاویل بھی پیش نہیں کی۔ جس سے یہ مقصد واضح ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کی تائید میں اگرچہ آیات قرآنیہ موجود ہیں اور اکثریت کا یہی فیصلہ ہے لیکن مولوی صاحب کو یہ قبول نہیں۔ بلکہ اس کے برعکس شب برارت والا فیصلہ بلا دلیل قبول ہے کیونکہ ان کے نزدیک، وہ محققین کا فیصلہ ہے۔ اور محققین کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کوئی محقق نہیں۔ یہ ہے اس عبارت کا تجزیہ۔ عیاذاً باللہ

اس رات کے چار نام ہیں۔ جس میں ایک نام لیلۃ مبارکہ ہے۔ بحث اسی بات پر ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے کون سی رات مراد ہے۔ اگر یہ بات فیصل شدہ ہوتی کہ لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد ہے تو پھر مفسرین میں

اختلاف ہی کیوں ہوتا یہ تو موصوف کے محققین کا دعویٰ ہے اور دعویٰ خود دلیل نہیں ہوتا۔ یہ بات تو بالکل اسی قسم کی ہے جیسے کوئی کہے کہ زمین گول ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ زمین گول ہے۔

مولوی صاحب نے یہ بھی دعویٰ فرمایا کہ نزولِ قرآن کی ابتدا شب براءت سے ہوئی اور شب قدر تک وہ تکمیل کو پہنچا تو پھر وہ لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر یکبارگی کیسے نازل ہوا۔ پھر تو اس کے نزول میں ایک ماہ سے زیادہ صرف ہوا۔ یہ تو مولوی صاحب کا دعویٰ ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ اس رات میں نازل ہی نہیں کیا جاتا بلکہ فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔

ان تمام آراء کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب علماء کے اپنے خیالات ہیں۔ جن کا قرآن سے کوئی دور کا واسطہ معلوم نہیں ہوتا۔ بلکہ شب براءت کے بارے میں جو ضعیف روایات ہیں۔ ان سے مرعوب ہو کر قرآن کو ان کے مطابق ڈھال لینے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ ان تمام علماء نے جو کچھ بھی فرمایا ہے وہ "غنیۃ" اور "احیاء العلوم" وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ پانچویں صدی سے قبل عکرمہ کے علاوہ کسی مفسر، کسی محدث اور کسی فقیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ لیلۃ مبارکہ سے شب براءت مراد لینے والے متاخرین ہیں۔ متقدمین میں ان کا کوئی ہمنوا نہیں۔ بلکہ متاخرین میں بھی جو محقق علماء ہیں انھوں نے اس نظریہ کو غلط قرار دیا ہے بلکہ متقدمین نے تو اس دعویٰ کرنے والے کو بدعقل بتایا ہے۔

عبدالماجد دریا بادی کی رائے تو آپ پڑھ چکے ہیں۔ ابو محمد عبدالحق حقانی جن کی "تفسیر حقانی" اردو کی سب سے بڑی مشہور اور اعلیٰ تفسیر ہے وہ فرماتے ہیں۔

لیلۃ مبارکہ میں علماء اسلام کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک

لیلۃ القدر مراد ہے جو رمضان کے آخر میں پائی جاتی ہے غالباً ستائیسویں رات ہے۔ اس قول پر اس آیت میں اور دوسری آیات میں جیسا کہ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ یا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ میں کوئی مخالفت باقی نہیں رہتی۔ تفسیر حقانی ج۔ ۲ ص ۲۵۶

یعنی کہ موجودہ فرضی علماء کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن میں تضاد باقی رہے کیونکہ اگر یہ تضاد باقی نہ رہے گا تو شب براءت کا وجود کیسے ثابت ہوگا۔ اور اسے ثابت کرنے کے لیے قرآن میں تضاد پیدا کرنا ضروری ہے۔ اس تضاد کے دُور ہونے کی صورت میں ایک دشواری یہ بھی ہے کہ صوفیاء اور خاص طور پہ پیرانِ پیر اور غزالی وغیرہ کا دامن ہاتھ سے چھُوٹ جائے گا اور اگر ان لوگوں کا دامن چھوٹ گیا تو نجات کیسے ہوگی۔ لیکن یہ لوگ خود عکرمہؒ کا دامن تھامے بیٹھے ہیں۔ یہ تو ہم آگے عرض کریں گے کہ جناب عکرمہؒ کون ذاتِ شریف ہیں اور تابعین کے نزدیک ان کی حیثیت کیا ہے۔؟

تفسیر "جلالین" میں ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ هی لیلة القدر او لیلة النصف من شعبان نزل فیها من ام الکتاب من السماء السابعة الی السماء الدنیا والجمهور علی الاول کذا فی المدارک

جلالین مصری ج۔ ۲ ص ۱۰۱

یقیناً ہم نے قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا۔ مبارک رات یا تو لیلۃ القدر ہے یا شعبان کی پندرھویں شب ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن لوح محفوظ سے ساتویں آسمان

کی جانب نازل فرمایا۔ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔

اسی "جلالین" میں سورہ قدر کی تفسیر میں ہے۔

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ای القران جملة واحدة من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا۔

تفسیر جلالین" ج ۲ ص ۱۶۱

یقیناً ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں یکبار لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی جانب نازل کیا۔

"جلالین" کے آخری پندرہ پارے جلال الدین محلی کی تصنیف ہیں اور ان کے دعویٰ میں تضاد ہے۔ ابتدائی پندرہ پاروں کی تفسیر جلال الدین سیوطی کی ہے۔ وہ شہر رمضان کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ من اللوح المحفوظ الی السماء الدنیا فی لیلة القدر منه ٥ جلالین مصری المتوفی ۹۱۱ھ ج ۱ ص ۱۷

"ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی جانب لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا۔"

گویا جلال الدین سیوطی نے تو سرے سے دوسرے تخیل کا وجود ہی مٹا دیا۔ " حاشیہ جلالین ، مطبوعہ نور محمد کراچی میں ہے۔

هی لیلة القدر او لیلة النصف من شعبان نزل فیها من ام الکتاب من السماء الدنیا والجمهور علی الاول کذا فی تفسیر المدارک۔

"جلالین" ص ۱۰۴

لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر یا شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ اسی رات میں اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن لوحِ محفوظ یعنی

ساتویں آسمان سے آسمانِ دنیا کی جانب نازل فرمایا۔
جمہور کے نزدیک اس رات سے مراد لیلۃ القدر ہے۔
جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے۔"
"تفسیرِ خازن" میں ہے۔

قال قتادہ وابن زید هی لیلة القدر انزل الله القرآن فی لیلة القدر وقیل هی لیلة النصف من شعبان۔ خازن ج۔ ۵ ص ۱۴۳

"قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ لیلۃ مبارکہ وہی لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ پندرہ شعبان کی شب ہے۔"
قیل ضعیف قول کے لیے آتا ہے۔ گویا "خازن" کے مصنف کے نزدیک شب برات والا قول ضعیف ہے۔
"تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی" میں ہے۔

فی التفسیر الکبیر بان المراد من اللیلة المذکورة فی هذه الاٰیة هی لیلة النصف من شعبان فما رایت لهم دلیلا یقال علیه۔ تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۵۳

"تفسیر کبیر" میں ہے کہ اس آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد اگر شعبان کی پندرہویں شب لی جائے تو میں نے اس کی کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جس کے باعث اس رائے کو قبول کیا جاسکے۔
تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی کی تفسیر ہے۔ ان کے نزدیک اس قول کی کہ لیلۃ مبارکہ سے شب برات مراد ہے کوئی دلیل موجود نہیں ہے تحفۃ احوذی کے مصنف فرماتے ہیں۔

اعلم ان المراد من لیلۃ مبارکۃ فی قولہ تعالیٰ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ عند الجمھور ھی لیلۃ القدر وقیل ھی لیلۃ النصف من شعبان وقول الجمھور ھو الحق ط

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ سے مراد جمہور علماء کے نزدیک لیلۃ القدر ہے۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ لیکن جمہور کا قول صحیح ہے۔

وفی المرقاۃ شرح المشکوۃ قال جماعۃ من السلف ان المراد فی الاٰیۃ ھی لیلۃ النصف من شعبان لکن ظاھر القران بل صریحہ یردہ لافادتہ فی اٰیۃ نزل فی رمضان وفی اخری انہ نزل فی لیلۃ القدر ثبت ان اللیلۃ المبارکۃ ھی لیلۃ القدر لا لیلۃ النصف من شعبان ط

تحفۃ الاحوذی ج۔۲ ص۵۳

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ سلف کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کی پندرھویں شب ہے۔ لیکن ظاہر قرآن اس کی تردید کر رہا ہے۔ بلکہ بالصراحت اس کی تردید ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں تو یہ ثابت فرمایا کہ قرآن رمضان میں نازل فرمایا۔ دوسری آیت میں یہ بات فرمائی کہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ ان دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ لیلۃ مبارکہ لیلۃ القدر ہے نہ کہ شعبان کی پندرھویں شب۔

"مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" کے مصنف ملا علی قاری حنفی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ "محقق" قول صراحتاً باطل ہے اور قرآن اس کی تردید کرتا ہے

شوکانی "فتح القدیر" میں فرماتے ہیں۔

واللیلۃ المبارکۃ لیلۃ القدر کما فی قولہ تعالیٰ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ولھا اربعۃ اسماء اللیلۃ المبارکۃ ولیلۃ البراءۃ ولیلۃ الصک ولیلۃ القدر والحق ماذھب الیہ الجمھور من ان ھذہ اللیلۃ المبارکۃ ھی لیلۃ القدر لا لیلۃ النصف من شعبان لان اللہ سبحانہ اجملھا ھھنا وبینھا فی سورۃ البقرۃ بقولہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ وبقولہ فی سورۃ القدر إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ فلم یبق بعد ھذا البیان الواضح ما یوجب الخلاف ولا ما یقتضی الاشتباہ۔ فتح القدیر ج ۴ ص ۵۵۴

لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور اس کے چار نام ہیں، لیلۃ مبارکہ، لیلۃ البرات، لیلۃ الصک اور لیلۃ القدر حق بات وہی ہے جس کے جمہور قائل ہیں کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے نہ کہ شعبان کی پندرھویں شب۔ کیونکہ اللہ جل سبحانہٗ نے اس مقام پر اس رات کا مجملاً ذکر کیا۔ پھر سورہ بقرہ میں یہ فرما کر شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اور سورہ قدر میں یہ فرما کر إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اس کی وضاحت فرمائی۔ اس وضاحت کے

بعد دوسرا احتمال قطعاً باقی نہیں رہا اور نہ اس میں کوئی اشتباہ باقی رہا ہے۔ (جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے)

علامہ شوکانی نے تو دعویٰ الٹ دیا۔ ان کے نزدیک لیلۃ البراءۃ، لیلۃ الصک، لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر ایک ہی رات کے متعدد نام ہیں اس صورت میں لیلۃ البرات کا جداگانہ کوئی وجود ہی باقی نہیں رہتا۔

اور شوکانی کے دعوٰی کی قرآن تائید کر رہا ہے اور محکم آیات اسی کا فیصلہ کر رہی ہیں، لیکن مذکورہ تمام علماء اور صوفیاء نے ایک متشابہ آیت کے پیچھے لگ کر محکم آیات کی تردید کی۔ حالانکہ متشابہ کو محکم کے مطابق کیا جاتا ہے۔ نہ کہ محکم کو متشابہ کے۔ اس طرح یہ علماء و صوفیاء اس آیت کا مصداق بن گئے۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ۔ آل عمران

اور جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ قرآن میں سے متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ فتنہ پیدا کر سکیں اور تاویل تلاش کر سکیں۔

"کمالین شرح جلالین" میں ہے۔

من قال انها ليلة النصف من شعبان فقد ابعد فان نص القران انها فی رمضان۔

حاشیہ بر جلالین ص۴۱۲

"جس شخص نے یہ دعوٰی کیا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں شب ہے اس نے خلافِ عقل بات کہی ہے۔ کیوں کہ نصِ قرآنی تو یہ ثابت کر رہی ہے کہ وہ رمضان میں ہے۔"

تفسیر مواہب میں ہے۔

والجمهور على الاول لقوله اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وقوله شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ؕ
حاشیہ جلالین ص۲۱۴

جمہور کے نزدیک پہلا قول صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور ارشاد ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ط

حنفیہ کے مشہور محدث امام طحاوی رحمۃ اللہ المتوفی ۳۲۱ھ اپنی مشہور کتاب "معانی الآثار" میں فرماتے ہیں۔

وفی کتاب اللہ عزوجل ما یدل ان لیلۃ القدر فی شهر رمضان خاصۃ قال اللہ عزوجل حٰمٓ ! وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ

فاخبر اللہ عزوجل ان اللیلۃ اللتی فیها یفرق کل امر حکیم فهی لیلۃ القدر وهی اللیلۃ اللتی انزل فیه القرآن فثبت بذلك ان تلك اللیلۃ فی شهر رمضان۔ معانی الآثار ج ۲ ص۶

اللہ عزوجل کی کتاب یہ ثابت کرتی ہے کہ لیلۃ القدر خاص طور پر رمضان میں ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے "یقیناً ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا۔ یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہر حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے یہ وضاحت فرمائی کہ اس رات میں ہر حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ لیلۃ القدر ہے۔ کیونکہ قرآن اسی میں نازل کیا گیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ رات

رمضان میں ہے۔

ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ "مرقات شرح مشکوٰۃ" اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں۔

لیلۃ القدر انما سمیت بہا لانہ یقدر فیہا الارزاق ویقضی ویکتب الآجال والاحکام التی تکون فی تلک السنۃ لقولہ تعالیٰ عزوجل فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ وقولہ تعالیٰ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ۔

حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۸۱

لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس رات میں رزق مقدر کیا جاتا ہے اور دیگر فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اسی میں مرنے والوں کے نام لکھے جاتے اور دیگر وہ احکامات لکھے جاتے ہیں جو اس سال پیش آنے والے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ اور ارشاد ہے تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

لیلۃ القدر را لیلۃ القدر ازاں گویند کہ تقدیر کردہ می شود دروے ارزاق ونوشتہ می شود وقضا کردہ می شود آجال و احکام کہ دریں سال بوقوع ہامی آید۔ اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۱۹

لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر اس لیے کہتے ہیں کہ اس رات میں رزق مقدر کیے جاتے، زندگی، موت، اور دیگر وہ احکامات جو اس سال میں وقوع پذیر ہونے والے ہیں لکھے جاتے ہیں۔

تفسیر احمد رضا بریلوی میں مفتی نعیم الدین شہر رمضان کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

قرآن کریم بتمامہ رمضان مبارک کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اُتارا گیا اور بیت العزت میں رہا۔ یہ اسی آسمان پر ایک مقام ہے۔ یہاں سے وقتاً فوقتاً حسب اقتضائے حکمت جتنا منظور الٰہی ہوا جبریل امین لاتے رہے۔ یہ نزول تیئیس سال کے عرصہ میں پورا ہوا۔ خزائن العرفان فی تفسیر القرآن صـ۳۲

سورۃ لیلۃ القدر کی تفسیر کی ابتداء میں فرماتے ہیں۔

یعنی قرآن مجید کو لوح محفوظ سے آسمانِ دُنیا کی طرف یکبارگی لیلۃ القدر میں اُتارا۔ اِس کو شب قدر اس لئے کہتے ہیں کہ اِس شب میں سال بھر کے احکام نافذ کیے جاتے ہیں اور ملائکہ کو سال بھر کے وظائف وخدمات پر مامور کیا جاتا ہے۔ خزائن العرفان صـ۱۱

اِن دو عبارات سے بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ مفتی نعیم صاحب کا ذہن اِس سلسلے میں بالکل واضح ہے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے تمام صوفیاء اور متاخرین کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ اِن دو آیاتِ کریمہ میں اِس رات سے مُراد لیلۃ القدر لیتے ہیں۔ لیکن لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں اپنے اِس فیصلے کی خود ہی تردید بھی کر دیتے ہیں۔ اِس طرح یہ تمام حضرات ذہنی تضاد کا شکار ہیں۔ یہی مفتی نعیم الدین لیلۃ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

اِس رات سے یا شب قدر مُراد ہے یا شب براءت۔ اِس شب میں قرآن پاک بتمامہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا۔ پھر وہاں سے حضرت جبرئیل تیئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا لے کر نازل ہوئے۔ اِس شب کو شبِ مبارکہ اِس لیے کہتے ہیں کہ اس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ اور ہمیشہ اِس شب میں خیر و برکت نازل ہوتی ہے۔ دُعائیں قبول کی جاتی ہیں

خزائن العرفان ص ۵۸۹

گویا ایک مقام پر تو مفتی صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا۔ دوسرے مقام پر یہ دعویٰ کیا گیا کہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل ہوا۔ لیکن تیسرے مقام پر یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ لیلۃ القدر میں نازل ہوا یا شب براءت میں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ مفتی صاحب خود شک میں مبتلا ہیں۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی غلطی کو تسلیم کر لینے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے اس شک کا سہارا لیا گیا۔

امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وروی قتادۃ عن واثلۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انزلت صحف ابراھیم فی اول لیلۃ من رمضان وانزلت التوراۃ لست مضین من رمضان وانزلت الزبور لاثنتی عشرۃ من رمضان وانزل الانجیل لثمان عشرۃ خلت من رمضان وانزل القرآن لاربع وعشرین من رمضان ثم قیل! انزل القرآن کلہ الی السماء الدنیا فی ھذہ اللیلۃ ثم انزل نجما نجما فی سائر الایام علی حسب اتفاق الاسباب وقال عکرمۃ اللیلۃ المبارکۃ ھھنا لیلۃ النصف من شعبان والاول اصح لقولہ تعالی، اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ" قال قتادۃ وابن زید انزل اللہ القرآن کلہ فی لیلۃ القدر من ام الکتاب الی بیت العزۃ فی سماء الدنیا ثم انزلہ اللہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اللیالی والایام

فی ثلاث وعشرین سنة۔ وهذا المعنی قد مضی فی البقرة عند قوله تعالی شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ۔ فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ قال ابن عباسٍ یحکم اللہ امر الدنیا الی قابل فی لیلة القدر ما کان من حیاة او موت او رزق وقاله قتادة ومجاهد والحسن وغیرهم وقال عکرمة هی لیلة النصف من شعبان یبرم فیها امر السنة وینسخ الاحیاء من الاموات ویکتب الحاج فلا یزاد فیهم احد ولا ینقص منهم احد۔

تفسیر قرطبی ج ۷ ص ۵۹۴۶

قتادہ نے حضرت واثلہ رضؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے صحیفے رمضان کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ توریت رمضان کی چھٹی شب میں نازل ہوئی، زبور بارہ رمضان کو، انجیل اٹھارہ رمضان کو اور قرآن چوبیس رمضان کو نازل ہوا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تمام قرآن دفعتہً آسمان دنیا کی جانب اس شب میں نازل کیا گیا ہے، پھر جیسے اسباب پیش آتے گئے اسی لحاظ سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ عکرمہ کہتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا" امام قتادہ اور عبدالرحمان بن زید فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے بیت العزت کی جانب نازل کیا جو آسمان دنیا میں ہے،

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر مختلف شب و روز میں تئیس سال کی مدت میں یہ قرآن نازل کیا۔ یہ تفسیر وضاحت کے ساتھ سورۃ بقرہ میں آیت شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ کی تفسیر میں گذر چکی۔ "اس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔" ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں آنے والے تمام امورِ دنیاوی کا فیصلہ فرماتا ہے۔ موت وحیات اور رزق وغیرہ یہی قول قتادہ، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ کا ہے۔ عکرمہ کہتا ہے یہ نصف شعبان کی شب ہے۔ اسی شب میں تمام سال کے فیصلے کئے جاتے ہیں، اسی میں زندگی اور موت لکھی جاتی ہے اور اسی میں حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ پھر ان لکھے ہوئے ناموں میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں کی جاتی۔"

پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

وقال القاضی ابوبکر بن العربی وجمهور العلماء علی انها لیلة القدر ومنهم من قال انها لیلة النصف من شعبان وهو باطل لان الله تعالیٰ قال فی کتابه الصادق القاطع شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ فنص علی ان میقات نزوله رمضان ثم عین من زمانه اللیل ههنا بقوله فی لیلة مبارکة فمن زعم انه فی غیره فقد اعظم الفریة علی الله ولیس فی لیلة النصف من شعبان حدیث یعول علیه لا فی فضلها ولا فی نسخ الآجال فیها فلا تلتفتوا الیها۔

تفسیر قرطبی ج۔ ۷ ص ۵۹۴۸

"احکام القرآن" کے مصنف قاضی ابو بکر بن العربی اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ نصف شعبان کی شب ہے تو یہ صراحتاً باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سچی اور فیصلہ کُن کتاب میں فرمایا ہے" رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" اس آیت میں بطور نص یہ بات بیان فرمادی کہ نزول قرآن کا زمانہ رمضان ہے، پھر اس زمانے کا تعین لیلۃ القدر سے کیا ہے تو جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ لیلۃ مبارکہ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں ہے وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا جھوٹ بول رہا ہے اور نصف شعبان کی شب کے بارے میں ایک بھی روایت ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے، نہ کوئی ایسی قابلِ اعتماد روایت ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ شب برات میں زندگی اور موت لکھی جاتی ہے۔ ایسی روایات کی جانب قطعاً التفات نہ کیا جائے۔

ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں

روی حماد بن سلمۃ قال اخبرنا ربیعۃ بن کلثوم قال سال الحسن وانا عندہ فقال یا ابا سعید ارأیت لیلۃ القدر افی کل رمضان ھی قال ای والذی لا الہ الا ھو انھا فی کل رمضان انھا لیلۃ التی یفرق فیھا کل امر حکیم فیھا یقضی اللہ کل خلق واجل ورزق وعمل الامثلھا وقال ابن عباس یکتب من ام الکتاب فی لیلۃ القدر

مایکون فی السنۃ من موت وحیاۃ ورزق ومطر حتی الحج وقال فی ھذہ الاٰیۃ انک لتری الرجل یمشی فی الاسواق وقد وقع اسمہ فی الموتی وھذہ الابانۃ لاحکام السنۃ انما ھی للملائکۃ الموکلین باسباب الخلق ۔ قرطبی ج ۔ ۷ صـ ۵۹۴۷

حماد بن سلمہ نے ربیعہ بن کلثوم سے روایت کیا ہے ۔ کہ انھوں نے حسن بصری سے سوال کیا اور حماد بھی اس وقت وہاں موجود تھے ۔ انھوں نے عرض کیا اے ابوسعید! کیا لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے ۔ انھوں نے فرمایا ۔ ہاں قسم ہے اُس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے اور یہی وہ رات ہے جس میں ہر حکم کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اِس رات میں تمام مخلوق کے فیصلے فرماتا ہے ۔ ان کی موت ، ان کا رزق اور ان کے تمام اعمال کا فیصلہ ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اِس رات لوح محفوظ سے تمام سال کے فیصلوں کی نقل کی جاتی ہے ، موت ، حیات ، رزق ، بارش حتیٰ کہ حج بھی ۔ حتی کہ ابن عباسؓ نے فرمایا ، بہت سے ایسے آدمی ہیں جن کو تم چلتے پھرتے دیکھ رہے ہو ۔ حالانکہ ان کا نام مُردوں میں لکھا جاچکا ہے ۔ یہ پورے سال کی رُوداد ہوتی ہے جو ان فرشتوں کے سپُرد کردی جاتی ہے جو مخلوق کے مختلف کاموں پر مامور ہیں ۔

علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں ۔

حٰمٓ ۝ وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ

إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝
أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝

يقول تعالیٰ مخبرًا عن القرآن العظيم انه انزله فی ليلة مباركة وهی ليلة القدر كما قال عزوجل إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وكان ذلك فی شهر رمضان كما قال تبارك و تعالیٰ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ومن قال انها ليلة النصف من شعبان فقد ابعد النجعة فان نص القرآن انها فی رمضان والحديث الذی رواه عبد الله بن صالح عن الليث عن عقيل عن الزهری اخبرنی عثمان بن مغيرة ابن الاخنس قال ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال تقطع الآجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لينكح ويولد له وقد اخرج اسمه فی الموتی فهو حديث مرسل ومثله لا يعارض به النصوص ... ... وقوله فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ای فی ليلة القدر يفصل من اللوح المحفوظ الی الكتبة امر السنة وما يكون فيها الی اخرها وهكذا روی عن ابن عمر ومجاهد وابی مالك والضحاك وغير واحد من السلف۔

قسم ہے واضح کتاب کی۔ ہم نے اِس کتاب کو مبارک رات میں اُتارا ہے۔ ہم ڈرانے والے ہیں۔ اِس رات میں ہر حکمت والا حکم ہمارے پاس سے جُدا کیا جاتا ہے یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن عظیم کے بارے میں خبر دے رہا ہے
کہ ہم نے اسے مبارک رات میں نازل کیا ہے اور وہ لیلۃ القدر
ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" ہم نے یہ قرآن لیلۃ القدر میں
نازل کیا" اور یہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں
قرآن نازل کیا گیا" جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ شعبان کی پندرھویں
شب ہے۔ اُس نے خلافِ عقل بات کہی ہے۔ کیونکہ
نص قرآن سے یہ ثابت ہے کہ وہ رات رمضان میں ہے۔
رہی وہ حدیث جسے عبداللہ بن صالح نے، لیث عقیل اور
زہری کے واسطے عثمان بن مغیرہ بن اخنس سے روایت
کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ایک
شعبان سے دوسرے شعبان تک موت کا فیصلہ کیا جاتا ہے
حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے یا اُس کے اولاد ہوتی ہے۔
حالانکہ اس کا نام مُردوں میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔ یہ حدیث
مُرسل ہے اور اس قسم کی روایات کو نص قرآنی کے مقابلہ میں پیش نہیں
کیا جا سکتا ... ... اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس رات
میں ہر حکمت والا حکم جُدا کیا جاتا ہے۔ یعنی لیلۃ القدر میں
لوح محفوظ سے کاتبین کی جانب سال بھر کے امور اور جو
کچھ بھی آخر سال تک واقع ہو گا۔ یہی بات حضرت عبداللہ
بن عمرؓ، امام مجاہدؒ، ابو مالک شجعی اور اسلاف میں سے ضحاک
وغیرہ سے مروی ہے۔ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۳۸

علامہ ابن کثیر نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ صرف مرسل ہی
نہیں بلکہ قطعاً موضوع ہے۔ کیونکہ امام مقدسی عبداللہ بن صالح کے بارے

میں فرماتے ہیں۔

ھو کذاب وضاع

وہ اول درجہ کا جھوٹا اور حدیثیں گھڑتا ہے۔

ان تمام اقوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے اور اسی میں تمام فیصلے کیئے جاتے ہیں اور یہی تمام اسلاف اور متقدمین کا مسلک ہے۔

علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں فرماتے ہیں کہ

قال زید بن اسلم ما ادرکنا احدا من مشائخنا وفقھائنا یلتفتون الی لیلۃ البراءۃ وفضلھا علی غیرھا۔ تذکرۃ الموضوعات ص۴۵

زید بن اسلم کہتے ہیں۔ ہم نے اپنے مشائخ اور فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ شب برات کی جانب کوئی توجہ دیتے ہوں یا اسے دیگر راتوں پر فضیلت دیتے ہوں۔

زید بن اسلم حضرت عمرؓ کے غلام ہیں۔ وہ اپنے دور کے مشائخ و فقہاء کا یہ مسلک بیان کر رہے ہیں کہ وہ لیلۃ البراءت کو نہ تو کوئی حیثیت دیتے تھے اور نہ اس رات کو دوسری راتوں پر کوئی فوقیت دیتے۔ گویا دورِ صحابہ اور کبار تابعین کے زمانہ میں اس شب کا کوئی وجود نہ تھا۔ بلکہ اس کی ساری بنیاد عکرمہ کے قول پر رکھی گئی اور بعد میں اس کے لئے احادیث وضع کر لی گئیں۔

پروفیسر محمود الحسن خسرو سابق پرنسپل عربی کالج مدراس و اعزازی لیکچرار (شرع) لا کلاس ہائی کورٹ حیدر آباد دکن اپنی کتاب "قرآن مجید کا نزول اور وحی" میں فرماتے ہیں مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نزول کو ماہِ شعبان

خاص کر شعبان کی پندرہویں شب یعنی شبِ براءت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اس مہینے اور اس کی اِن راتوں میں قسمتوں اور تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں اور نہ موت وحیات، رزق و بارش اور خوش بختی و بدبختی کے معاملے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شب قدر کی خصوصیتیں ہیں جو رمضان کی ایک خاص رات ہے۔ (قرآن مجید کا نزول اور وحی ص۱۳)

عکرمہ کا چہرہ

یہ عکرمہ ابن عباسؓ کے غلام ہیں اور ان سے روایت کرتے ہیں۔ اُن کی حیثیت کیا ہے۔ یہ امام ذہبی کی زبانی سنیے۔

تکلم فیہ لرایہ لا لحفظہ فاتھم برأی الخوارج وقد وثقہ جماعۃ واعتمدہ البخاری واما مسلم فتجنبہ وروی لہ قلیلا مقرونا بغیرہ واعرض عنہ مالک وتحایدہ الا فی حدیث اوحدیثین

میزان ج۔۳ ص۹۳

اس کے خیالات کے باعث اس کی ذات میں کلام کیا گیا ہے۔ حافظ کے باعث نہیں۔ ایک جماعت نے اُسے ثقہ قرار دیا ہے اور بخاری نے اِس پر اعتماد کیا ہے لیکن مسلم نے اس سے اجتناب کیا اور اس سے بہت کم روایات لی ہیں اور وہ بھی اُس وقت جب اس کی سند کا دُوسرا راوی موجود ہو اور امام مالک نے ایک یا دو احادیث کے علاوہ اِس سے اعراض کیا۔

روی عن وھیب قال شھد یحیی بن سعید الانصاری وایوب فذکرا عکرمۃ فقال یحیی

کذاب وقال ایوب لم یکن بکذاب ۔

وہیب سے مروی ہے کہ میں یحییٰ بن سعید الانصاری المتوفی ۱۴۳ھ اور ایوب سختیانی المتوفی ۱۳۱ھ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ یہ دونوں عکرمہ کا تذکرہ کرنے لگے ۔ یحییٰ بولے عکرمہ کذاب ہے، ایوب بولے کہ وہ کذاب نہیں ۔

وقال عبد اللہ بن حارث دخلت علی علی بن عبد اللہ بن عباس فاذا عکرمۃ فی وثاق عند باب الحش فقلت له الا تتقی اللہ فقال ان ھذا الخبیث یکذب علی ابی ۔

عبد اللہ بن حارث کا قول ہے کہ میں علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ تو وہاں عکرمہ باب الحش کے قریب زنجیروں میں بندھا پڑا تھا ۔ میں نے علیؒ سے عرض کیا کہ آپ کیا اللہ سے نہیں ڈرتے ؟ انھوں نے فرمایا یہ خبیث میرے باپ (عبد اللہ بن عباسؓ) پر جھوٹ بولتا ہے ۔

ویروی عن ابن المسیب انه کذب عکرمۃ والخصیب بن ناصح ۔

ابن المسیب سے مروی ہے کہ انھوں نے عکرمہ اور خصیب بن ناصح کو جھوٹا قرار دیا ۔

قال خالد بن خداش شھدت حماد بن زید فی اخر یوم مات فیه فقال احدثکم بحدیث لم احدث به قط لانی اکرہ ان القی اللہ ولم احدث به ۔ سمعت ایوب یحدث عن عکرمۃ قال انما انزل اللہ متشابه القرآن لیضل به ۔

خالد بن خداش کہتے ہیں کہ میں حماد بن زید المتوفی ۱۷۹ھ
کی خدمت میں اُس روز حاضر ہوا جس روز ان کا انتقال ہُوا
انھوں نے فرمایا میں تم سے آج ایسی بات بیان کرتا ہوں
جو کبھی نہیں کی تھی۔ کیونکہ میں اللہ سے اس حال میں ملنا
نہیں چاہتا کہ میں اس بات کو بیان نہ کروں (یعنی چھپاؤں)
میں نے ایوب المتوفی ۱۲۱ھ سختیانی کو یہ کہتے سُنا کہ عکرمہ
کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متشابہات لوگوں کو
گمراہ کرنے کے لیے نازل کیے ہیں"

قال الذهبی ما اسوء ها عبارة بل اخبثها بل انزله
لیھدی بہ ولیضل بہ الفسقین ٥

ذہبی کہتے ہیں یہ عبارت کتنی بری ہے۔ بلکہ خباثت سے
بھری ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنا کلام ہدایت کے
لیے نازل فرمایا اور فاسق ہی اس سے گمراہ ہوتے ہیں۔

قال الصلت ابوشعیب قال سالت محمد بن سیرین
عن عکرمة قال ما یسوءنی ان یکون من اهل الجنة
ولکنه کذاب

صلت ابوشعیب کا بیان ہے کہ میں نے محمد بن سیرین
المتوفی ۱۱۰ھ سے عکرمہ کے بارے میں دریافت کیا، انھوں
نے فرمایا مجھے یہ برا معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بھی جنت
میں داخل ہو جائے لیکن وہ کذاب ہے۔

وقال ابن ابی ذئب یقول رایت عکرمة وکان
غیر ثقة۔

ابن ابی ذئب کہتے ہیں میں نے عکرمہ کو دیکھا ہے اور وہ

ثقہ نہیں ہے۔

وقال محمد بن سعد کان عکرمۃ کثیرا العلم والحدیث بحرا من البحور ولیس یحتج بحدیثہ ویتکلم الناس فیہ۔ میزان۔ ج۳۔ ص۹۴

محمد بن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا قول ہے کہ عکرمہ کے پاس علم حدیث تو بہت تھا اور وہ گویا علم کا ایک سمندر تھا لیکن اس کی حدیث حجت نہیں اور محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔

قال مطرف بن عبد اللہ سمعت مالکا یکرہ ان یذکر عکرمۃ ولا رای ان یروی عنہ۔

مطرف بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ امام مالک عکرمہ کے ذکر کو برا سمجھتے تھے اور نہ میں نے امام مالک کو اس سے روایت کرتے دیکھا۔

وقال الفضل السیدانی عن رجل قال رایتہ قد اقیم قائماً فی لعب النرد۔

فضل السیدانی نے ایک شخص سے نقل کیا ہے کہ میں نے عکرمہ کو دیکھا کہ ایک جگہ نرد کھیلا جا رہا تھا اور یہ وہاں پر کھڑا ہوا تھا۔

وقال یزید بن ھارون قدم عکرمۃ البصرۃ فاتاہ ایوب ویونس وسلیمان التیمی فسمع صوت غناء فقال اسکتوا ثم قال قاتلہ اللہ لقد اجاد فاما یونس و سلیمان فما عادا الیہ۔

یزید بن ہارون المتوفی ۲۰۶ھ کہتے ہیں کہ عکرمہ بصرہ آیا تو ایوب سختیانی المتوفی ۱۳۱ھ، سلیمان تیمی المتوفی ۱۴۳ھ اور یونس

اس سے ملنے گئے۔ کہیں سے گانے کی آواز آئی۔ عکرمہ ان سے بولا۔ خاموش ہو جاؤ۔ پھر بولا کہ اللہ اس گانے والے کو مارے کتنا عمدہ گاتا ہے۔ اس کے بعد یونس اور سلیمان اس کے پاس نہیں گئے۔

وقال خلاد بن سلیمان الحضرمی عن خالد بن ابی عمران قال کنا بالمغرب وعندنا عکرمۃ فی وقت الموسم فقال وددت ان بیدی حربۃ فاعترض بھا من شھد الموسم یمینا وشمالا

خلاد بن سلیمان الحضرمی نے خالد بن ابی عمران سے نقل کیا ہے کہ ہم مغرب (افریقہ) میں تھے اور حج کا زمانہ تھا اور عکرمہ ہمارے پاس موجود تھا۔ کہنے لگا۔ یہ دل چاہتا ہے کہ میرے ہاتھ میں ایک نیزہ ہو اور جو لوگ حج کو جا رہے ہیں ان کو دائیں بائیں ہر طرف قتل کرتا چلا جاؤں۔

وقال یعقوب الحضرمی عن جدہ قال وقف عکرمۃ علی باب المسجد فقال ما فیہ الا کافر قال وکان یری رای الاباضیۃ - میزان ج-۳ صن۹

یعقوب الحضرمی نے اپنے دادا سے نقل کیا ہے کہ ایک بار عکرمہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہنے لگا۔ اس مسجد میں جتنے لوگ ہیں سب کافر ہیں اور وہ اباضیہ کے ہم خیال تھا۔ (یہ خارجیوں کا ایک فرقہ ہے)

وقال یحیی بن بکیر قدم عکرمۃ مصر وھو یرید المغرب قال فالخوارج الذی ھم بالمغرب عنہ اخذوا۔

یحیٰی بن بکیر المتوفی ۲۲۶ھ (امام مالک کے شاگرد) فرماتے ہیں

کہ عکرمہ افریقہ جانے کے لیے مصر آیا اور اس سے افریقہ کے خارجیوں نے علم حاصل کیا۔

وقال سلیمان بن معبد السنجی قال مات عکرمۃ وکثیر عزۃ فی یوم فشھد الناس جنازۃ کثیر وترکوا جنازۃ عکرمۃ۔

سلیمان بن معبد السنجی کا بیان ہے کہ عکرمہ اور کثیر عزہ کا انتقال ایک ہی روز ہوا (یعنی ۱۰۵ھ یا ۱۰۸ھ میں) لوگ کثیر کے جنازے میں حاضر ہوئے اور عکرمہ کا جنازہ ایسے ہی چھوڑ دیا۔

وعن ابن المسیب انہ قال لمولاہ برد لا تکذب علی کما کذب عکرمۃ علی ابن عباس۔

امام سعید بن المسیب المتوفی ۹۴ھ نے اپنے غلام برد سے فرمایا۔ تو مجھ پر اس طرح جھوٹ نہ بولنا جیسے عکرمہ نے عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ پر جھوٹ بولا ہے۔

یہ ہے اس محقق اعظم کا حال جس کے قول کو صوفیاء اور ہمارے دور کے علماء نے اپنا ماخذ بنا رکھا ہے۔

اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس کا یہ دعویٰ کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب برات ہے۔ یہ بھی واقعتاً صحیح ہے۔ ان علماء کو چاہیئے کہ اولاً عکرمہ کی صداقت ثابت کریں۔ پھر اس پر بحث کریں کہ اس کا قول عقلی اور نقلی نقطۂ نگاہ سے درست ہے یا نہیں؟ اور حیرت اس پر ہے کہ وہ تو امت مسلمہ کو واجب القتل تصور کرتا ہے اور ہم اسے محقق قرار دیتے ہیں۔

شبِ برأت

سے متعلّقہ روایات

مرویات ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ

تحریف فی القرآن کا نمونہ تو قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں اب اختراع علی الرسول کے نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی اور سب سے بہترین روایت حضرت عائشہ رضؓ المتوفیہ ۵۸ھ کی حدیث ہے۔ اس لئے ہم سب سے قبل اس پر کلام کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ اور روایات اس قابل بھی نہیں ہیں کہ ان پر کلام بھی کیا جاتے۔ لیکن ہم تب بھی ہر ہر روایت پر جداگانہ تبصرہ کریں گے۔

حدیث عائشہ رضؓ کو ہم نے سب سے پہلے اس لئے منتخب کیا ہے کہ یہ روایت جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں پائی جاتی ہے اور ان دونوں کتابوں کا شمار صحاح ستہ میں ہوتا ہے۔ جہاں تک ابن ماجہ کے صحاح ستہ میں داخل ہونے کا تعلق ہے اس پر ہم آگے بحث کریں گے اور جہاں تک ترمذی کا تعلق ہے تو انہوں نے تو اس روایت کا اچھا خاصا پوسٹ مارٹم کر دیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہمارے علماء اس پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کو چھپا جائیں۔ خیر یہ ان کا ذاتی فعل ہے۔ ہم تو اس روایت کو نقل کر کے ترمذی نے جو اس پر جرح کی ہے اسے نہ صرف پیش کریں گے بلکہ اس کی حتی الامکان تفصیل بھی بیان کریں گے اور یہ تفصیل جہاں محدثانہ ہوگی وہاں فقیہانہ بھی ہوگی۔

روایت ترمذی

ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے اِس روایت کو حجاج بن ارطات، یحیٰی بن ابی کثیر اور عروہ کے ذریعے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں۔

فقدت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیلۃ فخرجت
فاذا ھو بالبقیع فقال أکنت ! تخافین ان یحیف
اللّٰہ علیک ورسولہ قلت یارسول اللّٰہ ظننت
انک أتیت بعض نساءک فقال ان اللّٰہ تبارک
وتعالی ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء
الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب۔
ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

"میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔ میں نکلی تو آپؐ بقیع میں تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کرے گا۔ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ، میں نے گمان کیا تھا کہ آپؐ اپنی دیگر ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرماتا ہے اور بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد سے زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔"

یہ وہ روایت ہے جس پر اس تمام قصّہ کی بنیاد رکھی گئی ہے اور بعد کے آنے والوں نے اسے ایک پوری (رام لیک) کی کہانی بنا دیا ہے۔ یہی وہ روایت ہے جس کے سبب ہمارے اہلِ سنت والجماعت بھی اِس رات قبرستان کے چکر کاٹتے یا مسجدوں میں شب بیداری کرتے نظر آتے ہیں اور لے سے

ایک ایسا ضروری عمل تصور کرتے ہیں جس کا ترک انھیں کسی حال گوارا نہیں۔

لیکن محدثین کی نگاہ میں اس روایت کی کوئی حیثیت نہیں۔ خود امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے اسے روایت کر کے اس پر شدید جرح کی ہے۔ وہ جرح خود ان کی زبانی سن لیجیے۔

حدیث عائشۃ لا نعرفہ الا من ھذا الوجہ من حدیث الحجاج وسمعت محمدا یقول یضعف ھذا الحدیث ویحیی بن ابی کثیر لم یسمع من عروۃ قال محمد والحجاج لم یسمع من یحیی بن ابی کثیر۔

ترمذی ج۱ ص۱۲۲

ہم عائشہؓ کی حدیث کو اس سند کے علاوہ کسی اور سند سے نہیں جانتے۔ یعنی حجاج کی سند اور میں نے محمد یعنی بخاری المتوفی ۲۵۶ھ سے سنا وہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے کوئی حدیث نہیں سنی اور محمد کہتے تھے کہ حجاج نے یحییٰ بن ابی کثیر سے کوئی روایت نہیں سُنی۔

تعجب علمائے کرام پر ہے کہ جو ترمذی کی اس روایت کو تو بیان کرتے ہیں، لیکن امام ترمذی نے جو اس پر بحث کی ہے اسے شیرِ مادر سمجھ کر پی جاتے ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت میں جو عیوب بیان کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ یہ حدیث اس سند کے علاوہ اور کسی سند سے مروی نہیں جس سے اس کی تائید ہو سکے۔ گویا امام ترمذی کے زمانہ تک حضرت عائشہؓ کی ان روایات کا کوئی وجود نہ تھا جو بیہقی اور غنیہ کے حوالے سے آگے آ رہی ہیں۔ اور جب ان کا تیسری صدی میں کوئی وجود نہیں تو چھٹی صدی میں وہ حشرات الارض کی طرح کیسے پیدا ہو گئیں۔

۲۔ امام بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۔ امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ حجاج بن ارطاۃ نے یحییٰ بن ابی کثیر سے کوئی روایت نہیں سنی۔ اس طرح یہ روایت منقطع ہوئی۔

۴۔ امام ترمذی کا دعویٰ ہے کہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے بھی کوئی روایت نہیں سنی۔ اس طرح یہ دوسرا انقطاع ہوا۔ اور درمیان سے اگر ایک راوی بھی چھوٹ جائے تو وہ روایت ناقابلِ قبول ہوتی ہے کجا کہ دو مقامات سے دو راویوں کا چھوٹ جانا۔ اس قسم کی روایت شدید ضعیف ہوتی ہے۔

بالفرض والمحال اگر یہ روایت درمیان سے منقطع بھی نہ ہوتی تب بھی قابلِ قبول نہ ہوتی۔ کیونکہ حجاج کے علاوہ اسے اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ یہ حجاج صاحب کون ہیں؟ اور محدثین کے نزدیک ان کی کیا حیثیت ہے؟ ان کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ یہ امام ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کی زبانی سن لیجئے اور پھر سوچئے کہ روایت کا کیا مقام ہے۔

حجاج بن ارطاۃ

قال العجلی کان فقیہا مفتیا وکان فیہ تیہ وکان یقول ھلکنی حب الشرف وکان یرسل عن یحیی بن ابی کثیر فانہ لم یسمع منہ وعیب علیہ التدلیس۔

حافظ ابوالحسن احمد بن عبداللہ العجلی المتوفی ۲۶۱ھ کا بیان ہے کہ حجاج اپنے زمانہ کا فقیہہ اور مفتی تھا اور اس میں بڑائی کا مادہ تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ مجھے عزت و شرف کی محبت نے ہلاک کر دیا۔ وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے مرسل روایات نقل کرتا ہے اور اس نے یحییٰ سے کوئی روایت نہیں سنی اور اس پر تدلیس

کا الزام ہے۔

وقال ابن معین لیس بالقوی وھو صدوق یدلس وقال یحیی بن یعلی المحاربی امرنا زائدۃ ان نترک حدیث الحجاج بن ارطاۃ۔

امام یحیٰی بن معین المتوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں۔ وہ قوی نہیں ہے۔ اگرچہ سچا ہے لیکن دھوکہ دیتا ہے۔ یحیٰی بن یعلی المحاربی کا بیان ہے کہ ہمیں امام زائدۃ بن قدامہ المتوفی ۱۶۱ھ نے حکم دیا کہ ہم حجاج بن ارطاۃ کی حدیث چھوڑ دیں۔

وقال عبد اللہ بن احمد حدثنا ابی سمعت یحیی یذکر ان حجاجا لم یر الزھری وکان سیئ الرای فیہ جدا ما رایت اسوا رایا فی احد منہ فی حجاج

عبد اللہ بن احمد المتوفی ۲۹۰ھ نے اپنے والد امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ سے نقل کیا ہے کہ میں نے یحیٰی بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کو کہتے ہوئے سنا کہ حجاج نے زہری کو نہیں دیکھا اور امام یحیٰی اس حجاج کے بارے میں اتنی بری رائے رکھتے تھے کہ میں نے انھیں اتنی بری رائے کسی اور کے بارے میں رکھتے نہیں دیکھا۔

وقال النسائی لیس بالقوی وقال الدارقطنی وغیرہ لا یحتج وقال الشافعی حجاج بن ارطاۃ قال لا تتم مروءۃ الرجل حتی یترک الصلوۃ فی الجماعۃ

امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں حجاج قوی نہیں ہے۔ دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ وغیرہ کہتے ہیں کہ وہ حجت نہیں ہے۔ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں کہ حجاج بن ارطاۃ کہا کرتا تھا آدمی

کی بڑائی اور عزت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ جماعت سے نماز پڑھنا نہ چھوڑ دے۔

وقال الاصمعی اول من ارتشی بالبصرۃ من القضاۃ حجاج بن ارطاۃ وقال یوسف بن واقد رایت الحجاج بن ارطاۃ علیہ سواد مخضوب بسواد۔

اصمعی المتوفی ۲۱۴ھ کا بیان ہے کہ حجاج سب سے پہلا وہ شخص ہے جس نے بصرہ میں قاضیوں سے رشوت لینی شروع کی۔ یوسف بن واقد کا بیان ہے کہ میں نے حجاج بن ارطات کو دیکھا سیاہ کپڑے پہنے ہوتے تھا اور داڑھی پر سیاہ خضاب کر رکھا تھا۔ (سیاہ خضاب شرعاً حرام ہے)

وقال عبد اللہ بن ادریس کنت اری الحجاج بن ارطاۃ یفلی ثیابہ ثم خرج الی المھدی ثم قدم معہ اربعون راحلۃ علیھا احمالھا۔

امام عبد اللہ بن ادریس الاودی المتوفی ۱۹۲ھ فرماتے ہیں کہ میں حجاج بن ارطات کو دیکھا کرتا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگایا کرتا تھا۔ پھر ایک روز وہ خلیفہ مہدی کے پاس گیا اور جب واپس آیا تو اس کے ساتھ چالیس اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا۔

وقال عیسی بن یونس قال کان الحجاج بن ارطاۃ لا یحضر الجماعۃ فقیل لہ فی ذلک فقال احضر مسجدکم حتی یزاحمنی فیہ الحمالون والبقالون

میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۵۹، ص ۴۶۰

عیسیٰ بن یونس السبیعی المتوفی ۱۸۷ھ کا قول ہے کہ حجاج بن

ارطات جماعت میں حاضر نہ ہوتا تھا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا تو کہنے لگا۔ خوب! میں تمہاری مسجدوں میں آدمی تاکہ مزدور اور سقے مجھ سے ٹکرائیں۔

امام ابوالفضل المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ اپنی موضوعات میں فرماتے ہیں۔

هُوَ مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ — موضوعات ص۱۱

هُوَ حدیث میں متروک ہے۔

امام ہیثمی مجمع الزوائد میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں۔

مجمع علی ضعفه وقد تركوه

اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے اور محدثین نے اُسے ترک کر دیا ہے۔

الغرض حجاج بن ارطاۃ متروک وضعیف ہے۔ اس کی روایت قابل قبول نہیں۔ پھر حجاج مدلس بھی ہے اور مدلس کی روایت عن قابل قبول نہیں ہوتی اور اتفاق سے یہ روایت لفظ عن کے ذریعہ مروی ہے اور تدلیس خود حرام ہے۔ امام شمنی فرماتے ہیں۔

ان التدلیس حرام عند الائمة روی عن وکیع انه قال لا یحل تدلیس الثوب فکیف بتدلیس الحدیث وبالغ شعبة فی ذمه — مقدمہ مشکوٰۃ ص۲

تدلیس تمام ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔ امام وکیع بن الجراح المتوفی ۱۹۶ھ سے مروی ہے کہ جب کپڑے کا عیب چھپانا حلال نہیں ہے تو حدیث کا عیب چھپانا کیسے حلال ہوگا (لیکن آج کل علماء نے اسے حلال کر لیا ہے) اور امام شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ تو تدلیس کی مذمت میں از حد مبالغہ سے کام لیتے ہیں

محدثین کرام کے ان اقوال کو ایک بار پھر غور سے پڑھیئے اور سوچیئے کہ اس ایک روایت میں کتنے عیوب پنہاں ہیں اور کیا یہ روایت اس قابل ہے کہ اس پہ دین و مذہب کی عمارت قائم کی جا سکے۔ اگر ہم دین کی جانب سے موجودہ علمار وصوفیار کی طرح نگاہیں بند کر لیں تو محدثین کرام کی وہ تمام کوششیں جو انھوں نے اسمار الرجال، فن جرح و تعدیل، اصول حدیث اور درایت بالحدیث سے متعلق کی ہیں وہ سب بے کار تھیں۔ گویا امتِ مسلمہ کی پانچ سو سالہ کوششیں مہمل قرار پائیں گی اور دین ایک بازاری تماشہ بن جائیگا۔

یہ سندات کا وجود اور ان پر بحث دین کا ایک اہم جزو ہے۔ اس کے بغیر صحیح و غلط کام میں کوئی تمیز نہیں ہو سکتی۔ امام محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ فرماتے ہیں۔

ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم

صحیح مسلم ج۔ا ص ۱۱

یہ علم حدیث دین ہے۔ تم اس پر غور کر لیا کرو کہ تم اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو؟

جب سند کو دیکھنا اور اس پر جرح و تعدیل کرنا دین میں داخل ہے تو کیوں نہ اس روایت اور اس قسم کی دیگر روایات کو اس کسوٹی پر پرکھا جائے۔ تاکہ کھرا اور کھوٹا الگ ہو جاتے اور صحیح و سقیم میں تمیز ہو سکے۔ ہم جب اس اصول کے تحت اس روایت پر غور کرتے ہیں تو یہ روایت مختلف عیوب کا مجموعہ نظر آتی ہے۔

۱۔ حجاج کے علاوہ اُسے کوئی اور روایت نہیں کرتا۔

۲۔ حجاج خود ضعیف اور متروک ہے اور متروک راوی کی روایت قطعاً ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔

۳۔ حجاج مدلس ہے اور مدلس کی وہ روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی جس میں

اس نے تدلیس سے کام لیا ہو۔

۴۔ حجاج نے اسے لفظ عن کے ذریعہ روایت کیا ہے اور مدلس کی معنعن قابل قبول نہیں ہوتی۔

۵۔ حجاج نے یحییٰ بن ابی کثیر سے کوئی روایت نہیں سنی۔ اس طرح اس روایت میں تدلیس ہوئی اور درمیان سے راوی چھوٹ گیا۔ معلوم نہیں وہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ عام طور پر وہ لوگ جن میں تدلیس کا عیب پایا جاتا ہے وہ غیر ثقہ راوی کو حذف کرتے ہیں اور ثقہ کو کوئی حذف نہیں کرتا۔ اس طرح درمیان سے جو راوی چھوٹا ہے وہ غیر ثقہ ہے اور پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ صرف ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا متعدد چھوٹ گئے ہیں۔ یہ احتمال لامتناہی ہے۔

حدیث میں چار پانچ رواۃ تک کی مثالیں ملتی ہیں۔ یعنی چار تابعین، یا تبع تابعین ایک روایت میں جمع ہو جائیں۔ جب ہم اس قسم کی مثالیں تلاش کرتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ سات تک کی تعداد نظر آتی ہے یعنی ایک ہی سند میں سات ہم عصر جمع ہو جائیں بایں صورت کہ وہ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہوں۔ اس سے یہ ظاہر ہو گا کہ ممکن ہے وہ رواۃ جو حجاج نے چھوڑ دیئے ہیں ان کی تعداد سات یا اس کے قریب ہو اور پھر ہر ایک میں ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کا احتمال ہے۔

۶۔ یحییٰ نے بھی عروہ سے کوئی روایت نہیں سنی اس طرح اس نے بھی تدلیس سے کام لیا اور درمیان سے راوی چھوڑ دیا۔ یہاں پر بھی وہی احتمالات پیدا ہوں گے جو حجاج کے بارے میں ہوتے تھے۔ اس طرح چھوٹنے والے رواۃ کی تعداد چودہ ہو جاتی ہے گی۔ اگرچہ وہ عقلاً لامحدود بھی ہو سکتے ہیں۔ اس طرح دو مقامات سے چودہ راوی غائب ہو جائیں گے۔ یہ ایک احتمال ہے جو محدثین ایسے مواقع پر بیان کرتے ہیں۔ ورنہ دو راوی تو یقیناً چھوٹے ہیں۔ علامہ محمد طاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں فرماتے ہیں۔

وقد ضعف ابن العربي حديث عائشة فی الصلوۃ النصف مطلقا وعتقاء النار بعدد شعر غنم کلب ۔ تذکرۃ الموضوعات ص۴۶

ابن عربی المعافری المتوفی ۵۴۳ھ نے حضرت عائشہؓ کی اس حدیث کو جو شب برات میں مطلق نماز کے بارے میں ہے، اور جس میں یہ الفاظ ہیں کہ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگ جہنم سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ یہ روایت ضعیف ہے۔"

علامہ عبدالحی لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ فرماتے ہیں۔

ومن هذه البدعات صلوٰة ليلة السابع والعشرين ومنها صلوة ليلة النصف من شعبان۔ الآثار المرفوعہ ص۱۰۸

ان بدعات میں رجب کی ستائیسویں شب اور شعبان کی پندرہویں شب میں نماز پڑھنا بھی داخل ہے۔"

امام عینی حنفی شارح بخاری المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

واما الاحاديث التي فی صلوة النصف من شعبان فذكر ابو الخطاب بن دحية انها موضوعة و فيها عند الترمذي حديث مقطوعة اه منقطعة فی موضعين ۔ فتح الملہم شرح مسلم ج ۳ ص۱۷۲

اور وہ تمام احادیث جو پندرہ شعبان کی نمازوں کے بارے میں مروی ہیں تو ابوالخطاب بن دحیہ فرماتے ہیں کہ وہ سب موضوع ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ترمذی میں پائی جاتی ہے جو دو جگہ سے منقطع ہے۔

گویا یہ روایت امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ، امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، امام عینی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ، علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ، علامہ ملا علی قاری حنفی المتوفی ۱۰۱۴ھ، علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی المتوفی ۱۳۰۴ھ، علامہ ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ اور ابن دحیہ کے نزدیک باطل ہے۔

اگر بالفرض وحال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حجاج ثقہ ہے اور اس نے جس راوی کو ترک کیا ہے وہ بھی ثقہ ہے۔ اگرچہ یہ ایک خلاف واقعہ مفروضہ ہوگا۔ تب بھی یہ روایت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یحییٰ بن ابی کثیر نے عروہ سے کوئی روایت نہیں سنی اور اس صورت میں یہ روایت پھر منقطع رہی اور یحییٰ اگرچہ ثقہ ہیں، لیکن ان کی مرسلات بھی قابلِ قبول نہیں۔ یہی امام ترمذی اپنی "کتاب العلل" میں امام جرح وتعدیل علی بن المدینی المتوفی ۲۳۴ھ کا قول نقل کرتے ہیں۔

سمعت یحیی بن سعید یقول مرسلات ابی اسحٰق عندی شبہ لا شیئ والاعمش والتیمی ویحیی بن ابی کثیر ۰ ترمذی ج-۲ ص۲۶۲

میں نے یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ کو فرماتے سنا کہ میرے نزدیک ابو اسحاق کی مرسلات کچھ نہیں (یعنی بیکار ہیں) اسی طرح اعمش المتوفی ۱۴۸ھ، تیمی المتوفی ۱۲۰ھ اور یحییٰ بن ابی کثیر کی مرسلات ہیں۔

جب امام اعمش المتوفی ۱۴۸ھ اور یحییٰ بن ابی کثیر جیسی ہستیوں کی مرسل ومنقطع قابلِ قبول نہیں تو حجاج جیسے ضعیف ومتروک بلکہ ایک راشی کی روایت کیسے قابلِ قبول ہوگی؟ علماء کرام ذرا اس کا جواب دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا

اَنْ تُصِيْبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ○
(حجرات)

"اے ایمان والو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس سے قبل کہ تم قوم کو جہالت میں مبتلا کردو اس خبر کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں پھر تم اپنے کئے ہوئے پر نادم نہ ہو۔

تو کیا ان علماء کے نزدیک رشوت لینا، نماز با جماعت ترک کرنا۔ فسق و فجور میں داخل نہیں۔ یہ امور ہر صورت میں فسق و فجور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دے رہا ہے کہ ہم فاسق و فاجر کی بیان کردہ خبر کی تحقیق کیا کریں کہیں بعد میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اِس قسم کی بے سرو پا روایت بیان کرنا بھی ایک جھوٹ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔

کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع مسلم ج۱ ص۸

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کردے۔

یہ نہیں کہ جو بھی روایت نظر آئی یا کسی راہ چلتے سے سُنی اُسے بیان کرنے لگ جائیں بلکہ اس کی تحقیق کی ضرورت ہے اور تحقیق کے بعد ہی اسے قبول کیا جائے گا۔ افسوس کہ ہمارے علماء نے اس طریقۂ کار کو ترک کر دیا ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۳ھ کے سامنے جب عبداللہ بن ابی فروہ نے ایک بلا سند حدیث بیان کی تو انھوں نے عبداللہ بن ابی فروہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

قاتلک اللہ یا ابن ابی فروۃ تجیئنا باحادیث لیس لہا خطم ولا ازمۃ - ترمذی ج۲ ص۲۶۲

اے ابن ابی فروہ اللہ تعالیٰ تجھے قتل کرے تو ہمارے پاس ایسی
احادیث لے کر آتا ہے جن کی نہ لگام ہوتی ہے اور نہ مہار۔

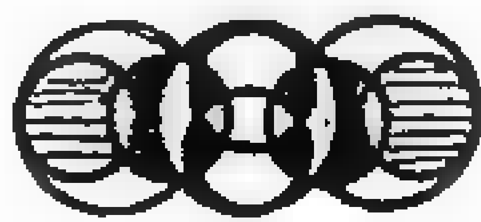
جب ابن ابی فروہ کی بلا سند روایت قابل قبول نہیں۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابن ابی فروہ کے درمیان صرف سو سال کا فرق ہے تو ان لوگوں کی روایت کیسے قابلِ قبول ہو گی جن کے اور حضورؐ کے درمیان پانچ سو سال کا فرق ہو۔ مثلاً غزالی المتوفی ۵۰۵ھ، عبدالقادر المتوفی ۵۷۱ھ، ابوطالب مکی، ابن العربی، حکیم ترمذی، ابوعبدالرحمان سلمی اور ابو علی ہجویری وغیرہ اور ایسی صورت میں جب کہ اس روایت کی بقول امام زہری کوئی لگام نہ ہو تو کیا یہ حضورؐ پر بہتان نہ ہو گا؟ اور حضورؐ پر جھوٹ بولنے والے کا انجام جہنم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار

مسلم ج۔ ا ص۸، ترمذی ج۔ ۲ ص۱۰۶، بخاری ج۔ ا ص۲۱

جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا ، اُسے اپنا ٹھکانہ دوزخ
میں تلاش کرنا چاہیئے۔

یہ حدیث متواتر ہے اور ستر سے زیادہ صحابہ سے کتب احادیث میں مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضورؐ پر جھوٹ بولنے اور اس کی ترویج و اشاعت سے محفوظ رکھے۔



حدیث ضعیف کا مقام

ان علماء کے پاس تمام دلائل کا صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل قبول ہوتی ہے۔ لہذا فضائل سے متعلقہ روایات پر جرح کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ہم آگے کچھ لکھنے سے قبل اسی موضوع کو سلجھانا چاہتے ہیں تاکہ آئندہ ہمیں یہ جواب نہ دیا جا سکے۔ یہ علماء یا تو خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ یا دوسروں کو فریب دینا چاہتے ہیں۔ پہلے تو وہ اس بات کی وضاحت فرمائیں کہ حدیث ضعیف سے ان کی کیا مراد ہے۔ محدثین کے نزدیک ہر وہ روایت ضعیف ہے جو صحیح نہ ہو اور ایسی احادیث کی جتنی اقسام ہیں سب ضعیف کی قسمیں ہیں۔ مثلاً موضوع، متروک، منکر، معلول، شاذ، مقلوب، مرسل، منقطع، معلق، معضل وغیرہ۔ ان میں سے یہ حضرات کونسی قسم کی ضعیف قابل قبول قرار دیتے ہیں؟ اگر ان کا مقصود یہ ہے کہ ہر قسم کی ضعیف قابل قبول ہے تو پھر موضوع کی کیا حیثیت ہوگی جس کے بارے میں یہ یقین ہوتا ہے کہ اسے واضع نے وضع کر کے حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا۔ بلکہ بعض اوقات واضع اس کا اقرار بھی کرتا ہے تو کیا یہ روایت ضعیف بھی ان کے نزدیک قابلِ قبول ہوگی۔ اگر ایسا ہے تو اِس دین کا پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ کیونکہ اِس صورت میں صادق و کاذب یعنی سچّا اور جھوٹا دونوں مساوی ہوں گے۔ اور دونوں کی بات یا سچ ہوگی یا جھوٹ ہوگی۔ اگر جھوٹ ہوگی تو دونوں کی

ہو گی اور اگر سچ ہو گی تو دونوں کی ہو گی۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایک کی سچ ہو اور ایک کی جھوٹ، یا ایک کی روایت قابل قبول ہو تو دوسرے کی قابلِ رَدّ ہو۔ اِس صورت میں وہ جو جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہو گا۔ ظاہر ہے کہ ایسی بات کوئی بدعقل بھی نہیں کہہ سکتا۔ لازماً حدیث ضعیف کی قبولیت کے کچھ نہ کچھ شرائط ہوں گے۔

اِس سلسلے میں گذشتہ علمار کے دو قول ہیں۔

۱۔ ایک گروہ اِس بات کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف ہرگز قابلِ قبول نہیں ہے اور جرح و تعدیل اور فن رجال کی کتابوں کو دیکھنے کے بعد بھی اندازہ ہوتا ہے کہ متقدمین کے نزدیک حدیث ضعیف کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں۔ قاضی ابن عربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ اور بہت سے دیگر علمار فرماتے ہیں۔

لا یعمل بہ مطلقا۔ القول البدیع ص۱۹۰

حدیث ضعیف پر قطعاً عمل نہ کیا جائے گا۔

اور لطف یہ ہے کہ اُس فرقے کے سرگروہ بھی جن کا اصل مذہب ہی بدعات اور احادیث ضعیفہ ہیں۔ ہمارا مقصود احمد رضا خاں بریلوی سے ہے۔ وہ بھی فرماتے ہیں۔

ان الاستنان لا یثبت بالحدیث الضعیف۔

فتاوٰی رضویہ ج ۱ ص ۱۱

حدیث ضعیف سے کسی شئے کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ دوسرا گروہ اِس بات کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف چند شرائط کے ساتھ قابلِ عمل ہے۔ اگر وہ روایت ان شرائط پہ پوری اُترتی ہو تو اس پر عمل جائز ہے ورنہ نہیں۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی فرماتے ہیں۔

اما العمل با لضعيف فى فضائل الاعمال فدعوى بالاتفاق نية باطلة۔ نعم هو مذهب الجمهور لكنه مشروط بان لا يكون الحديث ضعيفا شديد الضعف فان كان كذلك لم تقبل فى الفضائل ايضا۔ الآثار المرفوعہ ص ۶۳

فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کرنا اور اسے جائز سمجھنا، یہ دعویٰ بالاتفاق باطل ہے۔ ہاں یہ جمہور کا مذہب ہے، لیکن وہ مشروط ہے کہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو اور اگر شدید ضعیف ہو تو فضائل میں بھی قبول نہ کی جائے گی۔

امام ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ رقم طراز ہیں۔

العمل بالحديث الضعيف مقيد بشروط۔ الامام ج ۲ ص ۱۷۱

حدیث ضعیف پر عمل کرنا چند شرائط کے ساتھ مقید ہے۔

امام سخاوی المتوفی ۹۰۲ھ نے اپنے استاد حافظ ابن حجر المتوفی ۸۹۲ھ شارح بخاری سے ان شرائط کی تفصیل ان الفاظ میں نقل کی ہے۔

أن شرائط الاعمال با لضعيف ثلاثة الاولى متفق عليه ان يكون الضعيف غير شديد فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب وفحش غلطه، الثانى ان يكون مندرجا تحت اصل عام فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له اصل اصلا۔ الثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبى صلى الله عليه وسلم مالم يقل۔ القول البديع ص ۱۹۵

ضعیف پر عمل کرنے کے لیے تین شرائط ہیں اول یہ شرط متفق علیہ

ہے کہ روایت شدید ضعیف نہ ہو تاکہ اس شرط سے ان راویوں کی روایات خارج ہو جائیں جو کذاب ہیں یا متہم بالکذب ہیں یا فحش غلطیاں کرتے ہیں اور وہ اپنی روایات میں منفرد ہیں۔ ثانیاً وہ روایت اصل عام کے تحت داخل ہو تاکہ اس سے وہ گھڑی ہوئی روایات نکل جائیں جن کی کوئی اصل نہ ہو۔ تیسرے اس پر عمل کرتے ہوئے اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وہ بات منسوب نہ ہو جو آپؐ نے نہ فرمائی ہو۔

اتفاق سے مولوی سرفراز صاحب نے "راہِ سنت" میں ان شرائط کو بریلویوں کے ردّ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ شب برات کے زمانہ میں یہ شرائط کیا ختم ہو جاتی ہیں یا حلوے کی نذر ہو جاتی ہیں۔

ان شرائط پر غور فرمایئے اور سوچیے کہ کیا اس روایت پر یہ تینوں شرائط یا ان میں سے کوئی شرط صادق آتی ہے یا نہیں؟ یا یہ روایت ان شرائط کے تحت داخل نہیں؟ کیا یہ روایت شدید ضعیف نہیں ہے؟ کیا حجاج متروک نہیں ہے؟ کیا وہ مدلس نہیں ہے؟ اگر یہ تمام امور غلط ہیں تو متقدمین نے جن کے نام ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اس روایت کو کیوں موضوع وضعیف قرار دیا؟

کیا کوئی ایسی صحیح حدیث موجود ہے جس سے اس شب کی کوئی اصلیت ثابت ہو سکے اور جس سے اس روایت کی تائید ہوتی ہو اور جس کے باعث ہم شب برات کے وجود کو تسلیم کرلیں اور یہ سمجھ لیں کہ یہ روایت اس صحیح حدیث کی شاہد ہے۔ لہٰذا اس کے ضعف سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

اور تیسری شرط تو خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ کیا ہمارے علماء اس رات کی عبادت اور اس دن کے روزے کو ثواب تصوّر نہیں کرتے؟ اور کیا اس شب و روز کی فضیلت میں مضامین تحریر کرتے اور لوگوں کے سامنے تقاریر نہیں کرتے

اور کیا ان تمام منکرہ و مردود روایات کو حضورؐ کی جانب منسوب نہیں کرتے؟ حالانکہ شدید ضعیف روایت کو حضورؐ کی جانب منسوب کرنا بھی حلال نہیں۔ کیونکہ جو شئے حضورؐ سے صحت کے ساتھ ثابت نہ ہو اسے حضورؐ کی جانب منسوب کرنا اختراع علی الرسول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار

مسلم ج۔۱ ص۸ ، ترمذی ج۔۲ ص۱۰۱ ، بخاری ج۔۱ ص۲۱

جو شخص مجھ پر جان کر جھوٹ بولے اسے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرنا چاہیئے۔

نیز ارشاد عالی ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع ، مسلم ج۔۱ ص۸

انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کر دے۔

امام نووی رحمہ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ صحیح مسلم کی شرح میں اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فیہ الزجر عن التحدیث بکل ما سمع الانسان فانہ یسمع فی العادۃ الصدق والکذب فاذا حدث بکل ما سمع فقد کذب لاخبارہ بما لم یکن۔ مسلم ج۔۱ ص۹

اس حدیث میں ہر سنی سنائی بات بیان کرنے پر تنبیہ مقصود ہے۔ کیونکہ انسان عادتاً ہر قسم کی بات سنتا ہے خواہ سچ ہو یا جھوٹ۔ تو جب وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے گا تو وہ جھوٹ بھی ضرور بولے گا اس لیے کہ وہ ایسی بات بھی ضرور بیان کرے گا جو وقوع میں نہیں آئی۔

حضرت عمر بن الخطابؓ المتوفی ۲۳ھ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما

المتوفی ۳۲ھ کا قول ہے۔

بحسب المرء من الکذب ان یحدث بکل ما سمع

مسلم ج۔ ۱ ص ۹

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی سُنائی بات بیان کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ المتوفی ۱۷۹ھ اپنے شاگرد رشید امام ابن وہب المتوفی ۱۹۷ھ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لیس یسلم رجل حدث بکل ما سمع ولا یکون اماماً ابداً وھو یحدث بکل ما سمع مسلم ج ۱ ص ۹

جان لو کہ جو شخص ہر سنی ہوئی بات بیان کرتا ہے وہ جھوٹ سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور نہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کرنے والا کبھی امام و مقتدا بن سکتا ہے۔

امام نووی نے امام مالک کے اس قول کی تفسیر ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

فمعناہ انہ اذا حدث بکل ما سمع کثر الخطا فی روایتہ وترک الاعتماد علیہ والاخذ عنہ۔ مسلم ج۔ ا ص ۹

اس کا مقصود یہ ہے کہ جب ہر سنی سُنائی بات بیان کرے گا تو ان باتوں کے نقل کرنے میں اس سے غلطیاں بھی ہوں گی۔ اور لوگ اس پر اعتماد کرنا اور اس سے حدیث حاصل کرنا چھوڑ دیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین نے صحت حدیث کے لیے سند کو شرط قرار دیا ہے اور جب تک صحت سند کے ساتھ کوئی حدیث ثابت نہ ہو نہ تو اسے حدیث تسلیم کیا جاتا ہے اور نہ اس کا روایت کرنا جائز ہے ہاں

اگر تنفیذ مقصود ہو تو پھر کوئی حرج نہیں جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک المتوفی ۱۸۱ھ جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور صوفیاء بھی انھیں تبع تابعین کے دور میں صوفیاء کا امام مانتے ہیں تفصیل کے لیے دیکھیے تذکرۃ الاولیاء اور کشف المحجوب، وہ فرماتے ہیں۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔ مسلم ج ۱ ص ۱۲

سند بھی دین میں داخل ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو ہر شخص جو چاہتا وہ منہ سے نکال دیتا۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب انسان کو کسی شئے کے ثبوت کا اعتقاد نہ ہوگا تو وہ اس پر ہرگز بھی عمل پیرا نہ ہوگا اور نہ کسی کو اس کی ترغیب دے گا۔ حافظ ابن حجر نے عمل بالضعیف کے ساتھ عدم ثبوت اعتقاد کی شرط لگا کر ہر بدعت کی جڑ کاٹ دی ہے۔

ہم روزمرہ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے علماء اور عوام ان روایات پر نہایت شدومد سے عمل پیرا ہیں۔ بلکہ شب وروز ان کی تبلیغ میں منہمک ہیں۔ ان کا یہ عمل اس امر کا بین ثبوت ہے کہ وہ ان روایات پر نہ صرف یقین رکھتے ہیں بلکہ انھیں دین کا ایک رکن تصور کرتے ہیں اور اس روایت کے ثبوت پر یقین رکھنا یا اس پر اعتقاد قائم کرنا جو شدید ضعیف ہو ایک غلط اور باطل شے کو صحیح تصور کرنا ہے اور اس سے دین میں ایک نیا شعار اور بدعت پیدا ہوتی ہے اور اصل دین الٰہی ہٹ کر ایک نیا دین وجود میں آتا ہے۔ پہلے تمام مذاہب سابقہ کے ساتھ یہی صورت پیش آتی رہی ہے اور نتیجتہً ان کی اصل صورت مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔

ضعیف روایت پر عمل صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو اور نہ اسے حضورؐ کا فرمان یا دین تصور کیا جائے اور دین و مذہب

میں اس کی کوئی نہ کوئی اصل موجود ہو اور جب ان میں سے کوئی عیب اس روایت میں پایا جاتا ہو تو اس کے ثبوت کا یقین کرنا یا اس پر ثابت شدہ شئے کی طرح عمل کرنا حرام ہے۔ یہ ایک ایسا جرم ہے جو ہرگز قابلِ معافی نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں علم الرجال۔ فنِ جرح و تعدیل اور اصولِ حدیث سب باطل ہو جاتے ہیں۔ گویا ایسا شخص یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ دورِ صحابہؓ سے لے کر آج تک اس امت کے علماء نے تحقیق صحت کے لیے جتنی کوششیں فرمائی تھیں وہ سب ایک فعلِ عبث تھیں اور جو شئے بھی حضورؐ کی جانب منسوب کر دی جائے خواہ اس کا جھوٹا ہونا صراحتاً ثابت ہو تب بھی اسے قبول کر لیا جائے جیسا کہ اکثر صوفیاء اور تبلیغی جماعت والے یہی تاویل پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ تاویل خلافِ عقل ہے۔ اس لیے کہ اگر کوئی دشمن رسول حضورؐ کی جانب کوئی غلط بات منسوب کر دے اور اس سے حضورؐ کی توہین مقصود ہو تو کیا اسے حق تصور کر لیا جائے گا۔ اسی طرح رافضیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المتوفی سنہ ۴۰ھ کی جانب علم باطن کو منسوب کیا ہے تو کیا اسے صرف اسی مفروضہ نسبت کے باعث صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ ایسا دعویٰ کرنے والا اول درجہ کا جاہل و احمق ہے۔ اس بات کو کوئی بھی صاحبِ عقل تسلیم نہیں کر سکتا۔ حتیٰ کہ غیر مذہب کے لوگ بھی اپنے مذہب کے بارے میں یہ بات گوارا نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام، فقہاء اور سلف صالحین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے ان تمام صورتوں پر تفصیلی بحث فرما کر ہر ہر صورت کو واضح فرما دیا ہے۔

حافظ ابن دقیق العید المتوفی سنہ ۷۰۲ھ فرماتے ہیں۔

وان کان ضعیفا لا یدخل فی حیز الموضوع فان احدث شعاراً فی الدین منع منہ وان لم یحدث فھو محل نظر۔

اگر حدیث ضعیف موضوع کے درجہ میں بھی نہ ہو تب بھی اس
سے اگر دین میں کوئی نیا شعار پیدا ہو رہا ہے تو اس پر عمل کرنے
سے روکا جائے گا اور اگر کوئی نیا شعار پیدا نہیں ہوتا تب بھی
یہ مسئلہ غور طلب ہے۔ احکام الاحکام ج۔ ۱ ص ۵۱

حافظ ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ کے ارشاد سے یہ بات واضح ہوئی کہ ضعیف پر عمل صرف اس صورت میں جائز ہے جب کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو اور اسے دین کا شعار نہ بنا لیا گیا ہو۔ لیکن اگر ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت اس میں پائی جائے گی تو اس پر عمل کرنے سے منع کیا جائے گا۔

اس لیے کہ جائز وہ شے ہوتی ہے کہ جس کے کرنے اور نہ کرنے کا انسان کو کلی اختیار ہو اور اس میں نہ کسی ثواب کی توقع ہو اور نہ عذاب کا اندیشہ، کیونکہ اگر عذاب کا اندیشہ ہو گا تو وہ شے جائز ہرگز نہ ہو گی بلکہ یا ناجائز ہو گی یا مکروہ اور اگر ثواب کی امید ہو گی تو وہ کام مستحب ہو گا نہ کہ جائز اور جو حدیث شدید ضعیف ہو یا شدید ضعیف تو نہ ہو لیکن اسے دین کا شعار بنا لیا گیا ہو تو اس سے ہر صورت میں منع کیا جائے گا۔ کیونکہ شدید ضعیف کے ثبوت کا تو اعتقاد بھی حرام ہے اور اگر وہ معمولی ضعیف ہے تو ضعیف سے دین کا شعار ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو صحیح خبر واحد سے بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر روایت میں معمولی ضعف ہو اور اسے دین کا شعار بھی نہ بنایا گیا ہو تب بھی اس پر عمل جائز نہیں۔ بلکہ محل بحث ہے یعنی اصل بحث تو اسی میں ہے کہ اس پر عمل جائز ہے یا نہیں۔

حافظ ابن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ کے قول کو پیش نظر رکھ کر جب ہم غور کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اول تو یہ روایت شدید ضعیف ہے اور اگر یہ شدید ضعیف بھی نہ ہو تو اب تو یہ روایت پوری امت کا شعار بن گئی ہے اور حافظ صاحب کے قول کے مطابق اس سے منع کیا جائے گا اور اس پر ہرگز عمل جائز نہ ہو گا۔

مستحب پر اصرار

ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ جب متعدد ضعیف روایتیں جمع ہو جائیں یا ایک روایت کی متعدد ضعیف سندات جمع ہو جائیں تو وہ روایت حسن لغیرہ کہلاتی ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے، لیکن ان علماء نے اپنے اس قول میں دو دھوکے کھائے ہیں۔

۱۔ یہ اس وقت ہے کہ جبکہ یہ روایت متقدمین نے متعدد سندات سے نقل کی ہو، لیکن اگر متقدمین نے اسے روایت نہیں کیا بلکہ متاخرین اسے روایت کر رہے ہیں، تو خواہ ان کی تعداد لاکھ سے بھی متجاوز کیوں نہ ہو اسے حدیث تسلیم نہ کیا جائے گا۔ اس کی تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

۲۔ اگر ضعیف روایت متعدد سندات ضعیفہ سے مروی ہو یا متعدد ضعیف روایات مروی ہوں۔ بشرطیکہ متقدمین نے اسے روایت کیا ہو تو اس سے ضرور استحباب ثابت ہوتا ہے، لیکن اس پر اصرار کرنے سے وُہ بھی حرام ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مستحب کا مقصود یہ ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو ثواب ہوگا۔ اور اگر اسے ترک کر دیا جائے تو کوئی گناہ نہ ہوگا تو جب کوئی شخص مستحب پر اصرار کرتا ہے تو گویا وہ تین امور کا دعویٰ کر رہا ہے۔

۱۔ اس فعل و عمل کے ترک میں گناہ ہے۔

۲۔ جب اس کے ترک میں گناہ واقع ہوا تو اس کے نزدیک وہ شئے مستحب نہیں رہی بلکہ واجب بن گئی اور غیر واجب شئے کو واجب سمجھنا یا

اسے واجب قرار دینا یہ خود حرام ہے۔ کیونکہ یہ دینِ الٰہی میں اضافہ ہے۔

۳:۔ کسی شئے کے وجوب کا حق صرف شارع علیہ السلام کو پہنچتا ہے تو جب کوئی شخص کسی غیر واجب کے وجوب کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ شخص اپنے شارع ہونے کا مدعی بنتا ہے جو صریح کفر ہے۔ اسی لئے فقہاء کرام نے ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔

مشہور محقق علامہ محمد طاہر حنفی المتوفی ۹۸۶ھ فرماتے ہیں۔

من اصر علی امر مندوب وجعل عزماً ولم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان من الاضلال فکیف من اصر علی بدعۃ   مجمع البحار ص ۲۴۴

جس شخص نے کسی مستحب کام پر اصرار کیا۔ اور اسے ضروری سمجھنے لگا اور رخصت پر عمل نہیں کیا تو شیطان نے اسے گمراہ کر دیا ہے تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جو بدعت پر اصرار کرے۔

ملّا علی قاری حنفی نے بھی اپنی کتاب مرقات شرح مشکوٰۃ میں علامہ محمد طاہر کا یہ قول نقل کر کے ان کی تائید کی ہے۔ دیکھئے مرقاۃ۔ ج ۲ ص ۱۴

جو علمائے حدیث و فقہ حدیث ضعیف کو قبول کرتے ہیں وہ بھی اس پر عمل کرنے کے لیے متعدد شرائط لگاتے ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تین شرطیں بیان کی ہیں اور ابن دقیق العید نے ایک نئی شرط کا اضافہ کیا ہے اور اگر محمد طاہر کے قول پر غور کیا جائے تو ایک پانچویں شرط بھی خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ پانچ شرائط ہوں گی۔ لیکن ان شرائط کے پائے جانے کے بعد بھی زیادہ سے زیادہ حدیث ضعیف سے کسی شئے کا جواز ثابت ہو سکے گا۔ نہ کہ استحباب و وجوب، اور جواز پر عمل اتفاقیہ اور انفرادی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بیٹھ کر نوافل ادا کرے یہ جائز ہے اور اس پر عمل بھی انفرادی اور اتفاقیہ ہے۔ اگرچہ اس میں بھی ایک غلو ہونے لگا اور جائز کام میں کسی ثواب کی توقع نہیں

ہوتی۔ اور جب بھی ثواب کی توقع پیدا ہو گی تو وہ مستحب ہو گا اور مستحب پر اصرار تمام علماء کے نزدیک حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیرنے کے بعد اکثر داہنی طرف مڑتے اور ہر شئے میں آپ داہنی طرف کو پسند فرماتے اسی وجہ سے یہ عمل مستحب ہے۔ لیکن اس پر اصرار یا اس پر دوام یہ بھی حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۳۲ھ فرماتے ہیں۔

لا یجعل احدکم للشیطان شیئاً من صلاتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ۔ مسلم ج۱ ص۲۴۷، نسائی ج۱ ص۱۳۸، ابوداؤد ج۱ ص۱۵۶

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ متعین نہ کرے کہ وہ داہنی طرف سے مڑنا اس پر ضروری ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار ہا بائیں جانب سے مڑتے دیکھا ہے

عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کا یہ فرمان اس بات کی دلیل ہے کہ بدعت ومنکرہ اور غیر ثابت شدہ شے پر اصرار تو کجا اگر کوئی شخص امر مندوب یا مستحب پر بھی اصرار کرتا ہے اور اس پر ہمیشہ عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ شیطان کا پیروکار ہے اور اس کے اس فعل میں شیطان کا دخل ہے۔

افسوس اس دور میں تمام ائمہ مساجد بھی اس مرض میں مبتلا ہیں اور اس طرح شیطان کی پیروی کر رہے ہیں۔

دیکھئے کہ تسبیح وتہلیل، تحمید وتکبیر اور درود ایک نیک کام ہے اور کتاب وسنت سے یہ سب کے نزدیک ثابت ہے اور تمام صحابہ اس پر عمل کرتے رہے ہیں لیکن یہ ایک انفرادی فعل ہے اسے اجتماعی صورت میں انجام دینا حرام ہے اسی قسم کی ایک جماعت کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے مسجد

سے نکلوا دیا اور انھیں گمراہ اور بدعتی قرار دیا۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

ایک اختلافی صورت

یہ بھی ذہن نشین رکھیے کہ جب کسی شے کے بدعت اور سنت ہونے میں اختلاف ہو۔ یعنی ایک جماعت تو اسے بدعت کہتی ہو اور دوسری جماعت اس شے کو سنت قرار دیتی ہو جیسا کہ شب برات کے مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو رہا ہے تو اس کا ترک کرنا علمائے احناف کے نزدیک واجب ہے۔

علامہ برکلی حنفی المتوفی ۹۸۱ھ بدعت و سنت کا مقابلہ کرتے ہوتے فرماتے ہیں۔

ثم اعلم ان فعل البدعة اشد ضررًا من ترك السنة بدليل ان الفقهاء قالوا اذا تردد الحكم فى شئ بين كونه سنة وبدعة فتركه لازم۔

خوب جان لو کہ بدعت پر عمل کرنا سنت چھوڑ دینے سے زیادہ مضر ہے۔ کیونکہ فقہاء کا قول ہے کہ جب کسی شے کے بدعت اور سنت ہونے میں تردد ہو تو اس کا ترک لازم ہے۔

(طریقہ محمدیہ)

فتاوی عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بين البدعة والسنة يترك عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۹

اور جب بدعت و سنت میں تردد پیدا ہو جائے تو اس کام کو چھوڑ دیا جائے گا۔

علامہ ابن نجیم جو ابوحنیفہ ثانی کے لقب سے ملقب ہیں وہ تو ان تمام علماء سے آگے بڑھ کر یہاں تک فرماتے ہیں۔

ویلزم ان ماتردد بین بدعة وواجب اصطلاحی

فانہ کان یترک السنة ۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۱۶۵

جب بدعت اور واجب اصطلاحی میں تردد پیدا ہو جائے تو لازم ہے کہ اس سنت کو ترک کر دیا جائے۔

اتفاق سے بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب کسی شئے کے سنت و مکروہ ہونے میں تعارض ہو تو کیا کرنا چاہیے وہ جواب میں فرماتے ہیں اس کا ترک اولیٰ ہے۔ دیکھیے ملفوظات ج ۳ ص ۱۸ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں۔

ان الاستنان لا یثبت بالحدیث الضعیف

فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۱۱

ضعیف حدیث سے کسی شئے کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

معلوم نہیں کہ حدیث ضعیف سے ان کی کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ ان کے تمام مذہب کی بنیاد ہی احادیث ضعیفہ بلکہ کہانیاں ہیں۔ خیر ہمیں اس سے یہاں کوئی غرض و غایت نہیں۔ ہمارا مقصود تو صرف اتنا ہے کہ جب کسی شئے کے سنت و بدعت ہونے میں اختلاف ہو تو اس کا ترک کرنا لازم ہے۔ کجا کہ وہ فعل جس کا جواز و استحباب ثابت کرنا بھی دشوار ہو اور اگر شب برات کا جواز و استحباب بھی ثابت ہو جائے تو اس پر اصرار اور دوام تب بھی حرام ہوگا۔

علی الخصوص جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمام علماء اور عوام اس مرض میں مبتلا ہیں۔ کوئی قبرستان بھاگ رہا ہے تو کوئی مسجد میں شب بیداری کر رہا ہے مساجد میں چراغاں ہو رہے ہیں۔ حلوے تیار ہو رہے ہیں۔ نیازیں دی جا رہی ہیں کیا یہ تمام استحبابی صورت میں ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے سُنے گئے ہیں کہ یہی رات شب قدر ہے اور ہمارے علماء میں سے شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ، علامہ شبیر احمد عثمانی، شاہ عبد القادر اور مولوی احتشام الحق وغیرہ یہ بھی تحریر

فرماتے ہیں کہ اسی شب میں قرآن کا نزول شروع ہوا ہے۔ اِن امور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسے تو دین کا ایک رکنِ اعظم تصور کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا وجود ہی زیرِ بحث ہے بلکہ دَورِ صحابہ و تابعین میں اس کا کوئی وجود نہ تھا۔ علامہ محمد محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ نے اپنی تذکرۃ الموضوعات میں زید بن اسلم تابعی کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ما ادرکنا احدا من مشائخنا وفقھائنا یلتفتون الی لیلۃ البراءۃ وفضلھا علی غیرھا۔ تذکرۃ الموضوعات ص۴۵

ہم نے اپنے زمانہ کے مشائخ اور فقہاء (یعنی کبار تابعین) میں سے کسی کو لیلۃ البراءت کی جانب توجہ کرتے نہیں دیکھا اور نہ وہ اس رات کو اور راتوں پر کوئی فضیلت دیتے دیکھا ہے۔

یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ بہت سے محدثین نے اِن تمام روایات کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے اور یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ شروع دَور کے فقہاء اور ائمہ نے اپنی کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا اور فقہ کی اکثر کتابوں میں اس کا کوئی وجود کیوں نظر نہیں آتا۔ اگرچہ ان کے ذکر کرنے سے یہ شئے ثابت نہ ہوتی، لیکن کم از کم یہ اندازہ تو ہوتا کہ اس دَور میں اس کا کوئی وجود تھا یا نہیں۔

آمدیم بر سرِ مطلب، یہ تمام امور ذہن نشین کر لینے کے بعد حدیث عائشہؓ پر غور فرمایئے کہ اس روایت میں کتنے بدترین قسم کے نقائص پائے جاتے ہیں۔ ایسی روایت سے شب براءت کا ثبوت پیش کرنا اور پھر اسے ایک شعار بنا لینا اور اس پر اصرار کرنا شریعت کے ساتھ تمسخر نہیں تو اور کیا ہے؟

حالانکہ حدیثِ ضعیف پر عمل کے لیے شرائط تھیں۔ پہلے تو ان شرائط کو نظرانداز کیا گیا۔ پھر جواز کے بعد اسے درجۂ استحباب دیا گیا اور اس کے بعد اسے دین کا ایک شعار اور لازمی رکن بنا لیا گیا۔ یعنی ہر حرام کام کے ارتکاب کے لیے ایک دوسرے حرام کو اختیار کیا گیا اور پھر اس کے لیے قرآن میں معنوی تحریف بھی کی گئی اور

انکارِ قرآن بھی کیا گیا۔ بریں عقل و دانش بباید گریست

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ کسی حدیث کی صحت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دَورِ صحابہ اور دَورِ تابعین و تبع تابعین میں اِس پر عمل بھی رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین صحابہ اور تابعین کے اقوال حدیث کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ اگر کسی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن دورِ صحابہؓ و تابعین میں اس پر عمل نہ رہا ہو۔ تو یہ اس روایت کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ صحابہؓ و تابعین کسی حدیث کے ترک پر متفق ہو جائیں۔ تاوقتیکہ وہ اسے جھوٹ تصور نہ کریں یا ان کے دَور میں اِس روایت کا کوئی وجود نہ ہو اور جو حدیث اُن کے دَور میں موجود ہی نہ ہو وہ حدیث کیسے بن جاتی گی۔ کیا ہمارے علماء یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ صحابہؓ و تابعین، تبع تابعین، ائمہ فقہاء اور محدثین کرام اس رات قبرستان کے چکر لگایا کرتے تھے؟ ہم ایسے ثبوت کے منتظر ہیں۔ ہے کوئی محقق جو صحت سند کے ساتھ یہ ثبوت فراہم کر سکے؟

روایتِ عائشہ المتوفی ۵۸ھ کی معنوی حیثیت،

یہ اَمر بھی غور طلب ہے کہ جب اِس رات کو اتنی بڑی فضیلت حاصل تھی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قبرستان جانے پر کیوں اکتفا فرمایا اور کوئی دوسرا عمل انجام نہیں دیا۔ اگر آپؐ کوئی عمل انجام دیتے تو حضرت عائشہؓ اسے ضرور بیان فرماتیں۔ یہ قبرستان جانا تو بالذات کوئی عمل نہیں۔ کیا صرف قبرستان آتے جانے سے وہ تمام فضیلتیں حاصل ہو گئی تھیں جو بیان کی جاتی ہیں۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر اس رات کی شب بیداری ایک مہمل

فعل ہوا۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو یہ حدیث اس سے کیوں خاموش ہے۔

نیز یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ جب اس رات کو اتنی اہم فضیلت حاصل تھی تو آپ کو چاہیئے تھا کہ پہلے سے صحابہ کو بھی بتاتے اور ازواج مطہرات سے بھی بیان فرماتے تاکہ حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المؤمنین بھی اس فضیلت کو حاصل کر سکتیں اور کم از کم حضرت عائشہؓ پریشان نہ ہوتیں جو انھیں آپ کا پیچھا کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

یہ بھی غور و فکر کا مقام ہے کہ اگر حضرت عائشہؓ آپ کا پیچھا نہ کرتیں تو گویا آپ نے انھیں اس رات کی فضیلت سے محروم کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا کیونکہ آپ نے خود بالذات تو ان سے یہ بات بیان نہیں فرمائی تیا للعجب چلو حضرت عائشہؓ نے تو پیچھا کر کے معلوم کر لیا۔ لیکن صحابہ کرام اور دیگر ازواج مطہرات نے تو پیچھا بھی نہیں کیا تھا اور نہ قبرستان میں کوئی اور موجود تھا جس کا مقصد یہ ہوا کہ حضورؐ نے دین میں اخفار سے کام لیا۔ کیونکہ یہ امر دو حال سے خالی نہیں یا تو اسے دین کا کوئی امر تصور کیا جائے گا تو اس صورت میں حضورؐ پر اخفار دین کا الزام لازم آئے گا۔ یا اسے دین سے خارج سمجھا جائے گا ایسی صورت میں علماء اور عوام کا موجودہ طرزِ عمل باطل ہو گا۔ ہمارے لئے یہ تو آسان ہے کہ علماء کے اس عمل کو باطل قرار دے دیں لیکن ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام عائد کر کے ہرگز اپنی آخرت تباہ کرنے کے لئے تیار نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں اخفار سے کام لیا اور رسالت میں خیانت کی۔ انہی حضرت عائشہؓ نے مسروق تابعی المتوفی ۶۳ھ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

من زعم ان محمد اکتم شیئاً بما انزل اللہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ واللہ یقول یَاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ۝ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ ۝

مسلم ج ۱ صـ ۹۸، ترمذی ج ۲ صـ ۱۵۵، بخاری ج ۲ صـ ۶۶۴

جس شخص نے یہ خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے کسی شئے کا اخفا کیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے رسول تمہارے پروردگار کی جانب سے جو احکام تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں انھیں دوسروں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔"

ایسی صورت میں کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہ سے اس بات کا اخفا فرما سکتے تھے۔ حاشا و کلا

ایک یہ امر بھی سوچنے کے قابل ہے کہ سورۂ دخان کی وہ آیت جس میں لیلۃ مبارکہ کا ذکر ہے اور جس میں لیلۃ مبارکہ سے مراد لوگوں کے نزدیک شب براءت ہے وہ تو مکی سورت ہے اور ہجرت سے کئی سال قبل نازل ہوئی۔ تقریباً چار سال پیشتر۔ اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ واقعہ بقیع حضرت عائشہؓ سے شادی کے فوراً بعد پیش آیا تب بھی یہ ہجرت کے سولہ ماہ بعد کا واقعہ ہوگا۔ کیوں کہ حضورؐ نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی اور پہلے شعبان میں حضرت عائشہؓ کی رخصت عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ آپ کی رخصتی ماہ شوال میں ہوئی اور اس کے بعد شعبان تک کا وقت گذرا۔ اس طرح سورۂ دخان کے نزول اور اس واقعہ میں پانچ سال کا تقریباً فرق ہوگا۔ تو کیا یہ علماء اس بات کو ماننے کے لیے تیار ہیں کہ ام المومنین کو پانچ سال تک بھی اتنے اہم مسئلہ کا علم نہ ہوسکا اور اگر حضرت عائشہؓ کو علم نہیں ہوسکا تھا تو مہاجرین اولین اور حضرت سودہؓ جو حضرت عائشہؓ سے پہلے نکاح میں آئیں کیا ان کو بھی اس بات کا علم نہ تھا۔ پھر یہ صحابہ کرام قبرستان کیوں تشریف نہیں لے گئے۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ ان حضرات کے نزدیک قبرستان کے چکر کاٹنے کا شریعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ سب ایک مہمل قصہ

ہے۔ یہ ایک ناممکن سی بات ہے کہ سورۂ دخان ہجرت سے چار سال قبل مکہ میں نازل ہوئی ہو اور اس کی فضیلت پانچ سال بعد مدینہ میں بقیع کے موقعہ پر ظاہر کی گئی ہو اور اس درمیانی عرصہ میں لوگوں کو لاعلم رکھا گیا ہو۔

پھر حضرت عائشہؓ یہ فرمار ہی ہیں کہ میرا گمان تھا کہ آپ اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے۔ یہ الفاظ خود اس بات کو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب کہ آپؐ کے نکاح میں متعدد ازواج تھیں کیونکہ لفظ نِسَاءٌ جمع ہے۔ واحد نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوگا کہ یہ واقعہ ہجرت کے کئی سال بعد پیش آیا۔ تو کیا تمام صحابہ سورۂ دخان کی آیت کو بھول گئے تھے اور کئی سال تک بھی حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہو سکا؟ یہ دو متضاد امور کیسے ہیں۔ ذرا کچھ تو سوچیئے۔

اِس واقعہ سے ایک قصہ اور بھی پیدا ہوگا اور وہ یہ کہ یہ واقعہ عمرہ جعرانہ ۸ھ سے قبل کا ہے یا بعد کا۔ اگر کہتے ہیں کہ اِس سے قبل کا ہے تو اس وقت تک قبروں کی زیارت ممنوع تھی۔ واقعہ جعرانہ کے وقت آپؐ نے اس کی اجازت دی تو جو شے ممنوع ہو تو کیا نبی خود اس پر عمل کرے گا۔ اگر کہتے ہو کہ یہ حضورؐ کی تخصیص تھی تو اول تو اس کا ثبوت نہیں اور تخصیص کی صورت میں امت کے لئے اِس پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں اور اگر دعویٰ یہ ہے کہ یہ قصہ واقعہ جعرانہ کے بعد پیش آیا تو ہم عرض کریں گے کہ کیا حضرت عائشہؓ حضورؐ کے نکاح میں آنے کے باوجود آٹھ سال تک اِس سے غافل رہیں۔ اگر کہتے ہیں کہ اس سے قبل اِس قسم کا نہ تو کوئی واقعہ پیش آیا تھا۔ اور نہ حضورؐ نے کسی کو اِس قسم کا حکم دیا تھا تو پھر یہ دعویٰ خود بخود باطل ہو جائے گا کہ سورۂ دخان میں اسی شب براءت کا ذکر ہے اور اس سے بھی ہمارا مدعا حل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ اس کے باوجود صحابہ قبرستان تشریف نہیں لے گئے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ نے انھیں قبرستان جانے کا کوئی حکم نہ دیا تھا اور نہ اطلاع دی تھی۔

ہمارے نزدیک یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ پر ایک صریح بہتان ہے اس کا مزید ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ترمذی میں یہ روایت مختصر ہے اور پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اس پر حاشیے چڑھتے گئے حتی کہ یہ ایک طویل داستان بن گئی اور پھر ان داستانوں میں اتنا تضاد پیدا ہوا کہ اس کا دور کرنا مغرب سے سورج نکالنے کے مترادف ہو گیا۔ جیسا کہ آپ حضرات آگے ملاحظہ فرمائیں گے اور جب اتنے مختصر سے واقعہ پر محدثین کے اتنے اعتراضات ہیں تو جب اس کی مکمل داستان سامنے آئے گی تو عقل بھی انگشت بدنداں رہ جائے گی۔

ابن ماجہ کی روایت

ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ اور شیخ عبدالقادر المتوفی ۵۶۱ھ نے اس روایت کو اسی سند سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

فقدت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فخرجت اطلبہ فاذا ھو بالبقیع رافع راسہ الی السماء فقال یا عائشۃ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ قالت ! قلت وما بی ذلک ولکن ظننت انک اتیت بعض نساءک فقال ان اللہ تعالی ینزل لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب۔ ابن ماجہ مصری ج ۱ ص ۴۲۲ ، غنیہ ج ۱ ص ۷۶

میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہیں پایا۔ میں آپ کو تلاش کرنے نکلی تو آپ بقیع میں آسمان کی جانب سر اٹھائے کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تو ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کرے گا۔ حضرت

عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ ایسی تو کوئی بات نہیں، لیکن میں نے یہ گمان کیا تھا کہ آپؐ اپنی دیگر ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں نزول فرماتا ہے اور بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر مغفرت فرماتا ہے۔

یہ روایت وہی ترمذی والی روایت ہے۔ اس کے رواۃ بھی وہی حجاج یحییٰ بن ابی کثیر اور عروہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ابن ماجہ کی روایت میں متعدد الفاظ زیادہ ہیں جن پر خط کھینچ دیا گیا ہے اور خاص طور پر یہ جملہ رافع رأسہ الی السماء قابل غور ہے اس جملے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور بقیع پہنچ کر اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے بجائے صرف آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ کیا آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر کھڑے ہونا اس شب مخصوصہ کی کوئی عبادت ہے؟ کیونکہ بقول راوی حضرت عائشہؓ نے صرف اسی امر کو خاص طور پر بیان فرمایا۔

پھر دونوں روایتوں میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ حضورؐ نے قبرستان جانے کے بعد اہل قبور کے لیے کوئی دعائے مغفرت فرمائی ہو۔ تو کیا خالی قبرستان تک جانا اور آنا بھی کوئی عبادت ہے؟ اب جو لوگ قبرستان پہنچ کر اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں تو وہ کیسے ثابت ہو گی؟

یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس رات جو مغفرت ہوتی ہے وہ زندوں کے لیے ہوتی ہے یا مُردوں کے لئے یا دونوں کے لئے۔ اگر صرف مُردوں کے لئے یا دونوں کے لئے ہوتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں یہ مغفرت بلا عمل ہو گی۔ کیونکہ مُردے تو کوئی عمل انجام نہیں دے سکتے اور جب زندہ ان کے ساتھ شریک ہوئے تو عدم عمل میں دونوں مساوی ہوتے۔ پھر زندوں کے لئے عمل کس دلیل سے شرط ہو گا۔ اس طرح ہم کسی عمل کے بغیر ہی وہ فضیلت حاصل

کر لیں گے۔ اور اگر یہ مغفرت زندوں کے ساتھ مخصوص ہے تو نہ تو حضورؐ نے اس رات خود کوئی عمل فرمایا اور نہ حضرت عائشہؓ کو اس کا حکم دیا۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ اس مغفرت کے لیئے کوئی عمل شرط نہیں۔ تو پھر یہ شب بیداری ایک مہمل فعل ہوا اور حقیقتاً بھی خلاف سنّت ہونے کے باعث یہ ایک مہمل فعل ہے۔

اور اس کی دلیل وہ واقعہ ہے جو حضرت علیؓ سے ثابت ہے کہ آپؓ نے ایک شخص کو نماز عید سے قبل دیکھا کہ وہ نفل پڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ آپؓ نے اسے منع فرمایا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں اور نماز بالذات ایک عبادت ہے اور عبادت پر کوئی گناہ نہیں ملتا۔ حضرتِ علیؓ نے فرمایا۔

وانی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فتکون صلاتک عبثا والعبث حرام فلعلہ تعالیٰ یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

نظم البیان ص۴۷ - لجنہ ص۱۶۵

اور میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر اس وقت تک ثواب نہیں دیتا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس فعل کو انجام نہ دیا ہو یا اس کی ترغیب نہ دی ہو۔ اِس صورت میں تیری یہ نماز عبث ہو گی اور عبث کام حرام ہے تو شاید اللہ تعالیٰ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے باعث عذاب دے۔

تو اس صورت میں اس رات نماز پڑھنا بھی حرام ہو گا۔

غنیہ کی ایک اور روایت

"ابن ماجہ" اور "غنیہ" کی گذشتہ روایت میں تو صرف چند الفاظ کا اضافہ تھا۔ اور یہ اضافہ یا تو خود حجاج کا وضع کردہ تھا یا بعد کے کسی راوی کا۔ لیکن حجاج کی اس روایت میں بعد کے راویوں نے کتنے کتنے اضافات کئے اس کا اندازہ "غنیہ" کی اگلی روایت سے ہو سکتا ہے جو اسی سند سے مروی ہے۔ لیکن اس میں سے حجاج کے نام کو حذف کر دیا گیا ہے اور یحییٰ بن ابی کثیر کے نام میں تحریف کر کے یحییٰ بن سعید کر دیا گیا ہے اور آخری راوی وہی عروہ اور حضرت عائشہؓ ہیں۔

غنیہ کی روایت

اخبرنا ابونصر عن والدہ باسنادہ عن یحیی بن سعید عن عروۃ عن عائشۃ قالت لما کانت لیلۃ النصف من شعبان انسل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من مرطی ثم قالت واللہ ما کان مرطی من حریر ولا قز ولا کتان ولا خز ولا صوف قالت قلت لہا سبحان اللہ فمن ای شیئ کان قالت اکان سداہ من شعر وکانت لحمتہ من وبر وحسبت نفسی ان یکون صلی اللہ علیہ وسلم قد اتی بعض نسائہ فقمت فاستمتہ فی البیت فوقعت یدیہ علی قدمیہ وھو ساجد فحفظت من دعائہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول سجد لک سوادی وخیالی وامن بک فوادی ابوء لک بالنعم واعترف لک بالذنب ظلمت نفسی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب

الا انت اعوذ بعفوك من عقوبتك واعوذ برحمتك
من نعمتك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك
منك لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی
نفسك قالت فمازال صلی اللہ علیه وسلم قائمًا
وقاعدا حتی اصبح وقد اصمدت قدماه وانا
اغمزهما واقول بابی انت وامی الیس قد غفر اللہ
لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر الیس قد فعل اللہ
بك الیس الیس قال صلی اللہ علیه وسلم افلا
اکون عبدا شکورا هل تدرین ما فی هذه اللیلة
قالت قلت وما فیها قال فیها یکتب کل مولود فی
هذه السنة وفیها یکتب کل میتة وفیها تنزل
ارزاقهم وفیها ترفع اعمالهم وافعالهم قلت
یارسول اللہ ما احد یدخل الجنة الا برحمة اللہ
قلت ولا انت قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ولا
انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمة منه فمسح یده علی هامته
ووجهه ۔ غنیۃ الطالبین ۵۔۱ ص ۶۹۲ مترجمہ

"ہم سے ابونصر نے بیان کیا وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے
وہ اپنی سند کے ذریعہ یحییٰ بن سعید سے وہ عروہ سے اور عروہ
حضرت عائشہؓ سے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جب نصف شعبان کی شب
ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے بستر سے خاموشی سے نکل
گئے پھر فرمانے لگیں۔ خدا کی قسم میرا بستر نہ ریشم کا تھا نہ قز کا نہ
کتان کا اور نہ صوف کا۔ (یہ تو بہت ہی افسوس کی بات ہے)
میں نے عرض کیا سبحان اللہ پھر وہ کس شئے سے بنا ہوا تھا۔

(عروہ کو یہ بات پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو حضرت عائشہ رض کے بھانجے تھے خود ہزار ہا مرتبہ حضرت عائشہ کا بستر آنکھوں سے دیکھا ہوگا۔ کیا صوفیا یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا انہی کی طرح احمق ہے) حضرت عائشہ رض نے فرمایا اس کا تانا بالوں کا اور بانا اونٹ کے بالوں کا تھا۔ میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ میں کھڑی ہوئی اور میں نے آپ کو گھر میں تلاش کیا۔ (کوئی مغلیہ دور کا محل ہوگا) میں نے آپ کے ہاتھ آپ کے قدموں پر بلند کر دیئے (کھڑے ہوئے انسان کے ہاتھ قدموں پر نہیں پڑتے۔ بلکہ بیٹھے ہوئے انسان کے ہاتھ قدموں پر پڑتے ہیں) اور آپ سجدے میں تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد کرلی۔ آپ فرمارہے تھے۔ میرے دل اور میرے خیال نے آپ کو سجدہ کیا اور میرا دل آپ پر ایمان لایا۔ میں نعمتوں کے ساتھ آپ کی جانب متوجہ ہوتا اور آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں میری مغفرت فرما دیجئے۔ کیونکہ آپ کے علاوہ کوئی گناہوں کی مغفرت نہیں کر سکتا۔ میں آپ کے عفو کے ذریعہ سے آپ کے عقاب سے اور آپ کی رحمت کے ذریعہ آپ کی سزا سے آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کے ذریعہ آپ کی ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ آپ کی ذات ویسی ہی ہے جیسی آپ نے اپنی خود صفت بیان فرمائی ہو حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے۔ حتیٰ کہ آپ کے قدم چڑھ آتے (قدموں

پر درہم ایک رات کے قیام سے نہیں آتا بلکہ تواتر سے آتا ہے
شاید اس قصہ گو کو اس کی کبھی توفیق نہیں ہوئی تھی) میں آپ کے
چہرے کو مارتی تھی اور کہتی تھی۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان
کیا اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف نہیں فرماتے کیا
اللہ نے آپ کے ساتھ ایسا اور ویسا نہیں کیا۔ آپؐ نے ارشاد
فرمایا۔ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اے عائشہؓ کیا تو جانتی ہے
کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے ؟ میں نے عرض کیا۔ کیا ہوتا ہے؟
آپؐ نے فرمایا اس شب میں اس سال پیدا ہونے والوں اور
مرنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اسی شب میں رزق نازل
ہوتا اور اعمال و افعال اٹھائے جاتے ہیں۔ میں نے عرض کیا
یارسول اللہ کوئی شخص اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل
نہ ہوگا۔ میں نے کہا اور آپؐ نے فرمایا نہ میں، جب تک اللہ
مجھے اپنی رحمت میں نہ ڈھانپ لے۔ پھر آپؐ نے اپنے سر اور اپنی
چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ (دعا کے بعد دونوں ہاتھ پھیرے جاتے ہیں
ایک ہاتھ نہیں)

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ واقعہ کی حقیقت کیا تھی اور اسے کیا سے
کیا بنایا گیا۔ یہ روایت بھی حضرت عائشہؓ ہی کی جانب منسوب ہے اور اس
کے راوی بھی وہی عروہ ہیں۔

اس روایت میں کتنے عیوب جمع ہیں ذرا ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

۱۔ ابو نصر کون ذات شریف ہیں ان کا نام و نسب کیا ہے۔ ان کی علمی
حیثیت کیا ہے ہاس کا تاریخ میں کہیں ذکر نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ
ایک فرضی نام ہے۔

۲۔ ابو نصر کے والدِ محترم اپنے صاحبزادے کی طرح ایک معدوم ہستی تھے۔
تاریخ میں اس کا ذکر ملنا عنقا ہے۔

۳۔ "غنیۃ" اور "ابن ماجہ" کے حوالہ سے ہم نے جو پہلے روایت پیش کی تھی اس روایت اور اس روایت میں بہت بڑا تضاد ہے حالانکہ ان ہر دو روایات کا راوی یہی ابو نصر اور اس کا باپ ہے۔

۴:۔ ابو نصر شیخ عبدالقادر جیلانی کا استاد ہوا۔ اور شیخ صاحب ۴۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے بغداد کی جانب کوچ کیا۔ یعنی ۴۸۶ھ میں جس کا مقصد یہ ہوا کہ ابو نصر کم از کم ۴۸۶ھ تک زندہ تھا۔ حالانکہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ شیخ صاحب نے بغداد پہنچتے ہی اس سے احادیث سن لی ہوں اور اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ ابو نصر کا باپ اپنے بیٹے کی موت سے پچاس سال قبل مرا تھا تو اس کا انتقال ۴۳۶ھ میں ہونا چاہیئے تھا جب کہ یحیٰی بن سعید الانصاری کا انتقال ۱۴۳ھ ہے۔ گویا ان دونوں کے درمیان تین سو سال کا فاصلہ ہے۔ لطف یہ ہے کہ ابو نصر کے باپ نے یہ تمام فاصلہ بغیر کسی سواری کے طے کر لیا ہے۔ حالانکہ اس کے اور یحیٰی کے درمیان کم از کم سات آٹھ راوی ہونے چاہئیں تھے وہ کدھر گئے اور اس کی سند کہاں ہے

حالانکہ درمیان سے ایک راوی بھی چھوٹ جاتے تو وہ روایت ناقابلِ قبول ہوتی ہے۔ کجا کہ سات آٹھ راوی چھوٹ جائیں، اور وہ سب مجہول ہوں، ایسی روایت کو عام زبان میں بے پَر کی اڑانا کہتے ہیں۔

۵۔ ابو نصر نے اس کی کوئی تشریح نہیں کی کہ یحیٰی بن سعید سے اُس کی مراد کون سے یحیٰی ہیں۔ یحیٰی بن سعید تو متعدد ہیں۔ لیکن اتفاق سے کوئی بھی یحیٰی بن سعید عروہ کا شاگرد نہیں۔ ہذا انک عظیم

۶۔ ابو نصر نے پہلی روایت میں یحیٰی بن ابی کثیر کا نام لیا تھا اور اس روایت میں یحیٰی بن سعید کا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ اپنی جہالت سے ابو کثیر کا نام سعید سمجھ بیٹھا۔ کیونکہ ابو کثیر کنیت ہے نام نہیں۔ اس طرح اس نے دو شخصوں کو ایک کر دیا ہے یہ فعل یا تو جہالت کے سبب پیدا ہوا ہے یا

عمداً ایسا کیا گیا ہے یہ سوچتے ہوئے کہ یحییٰ بن سعید الانصاری مدنی ہیں ۔ بشرطیکہ انصاری ہی مراد لئے جائیں اور عروہ بھی مدنی ہیں ۔ ان دونوں کی ملاقات ممکن ہو سکتی ہے ۔ کیوں نہ اس جھوٹ کو ان کے سر تھوپا جاتے پہلی صورت میں حدیث معلق ہونے کے ساتھ ساتھ مقلوب ہوگی اور دوسری صورت میں ابونصر اور اس کے باپ کا جھوٹ ثابت ہوگا اور حدیث موضوع ہوگی ۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یحییٰ بن سعید الانصاری کی وفات ۱۴۳ھ میں ہے جب کہ عروہ کی وفات ۹۴ھ میں ہے اور اگر کوئی اور یحییٰ بن سعید مراد ہیں مثلاً یحییٰ بن سعید القطان تو وہ بیچارے عروہ کو تو کہاں دیکھتے انھوں نے تو پہلے یحییٰ کو بھی نہیں دیکھا ۔ کیونکہ ان کی وفات ۱۹۸ھ میں ہے اور ان دونوں کے علاوہ اور جتنے یحییٰ بن سعید ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور عروہ کی وفات کے بعد پیدا ہوتے ہیں ۔

۷ ۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ یحییٰ بن سعید الانصاری مراد ہیں تو حجاج نے ان سے کوئی روایت نہیں سنی اور اگر یحییٰ بن سعید القطان مراد ہیں تو وہ فن رجال کے ماہر ہیں ۔ اور اتفاق سے حجاج کے وہ سخت مخالف ہیں ۔

۸ ۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی روایت میں تناقض اور تضاد پیدا ہو جائے تو وہ روایت مضطرب کہلاتی ہے اور وہ ناقابلِ اعتبار ہوتی ہے ۔ اس روایت کی سند اور الفاظ میں بھی اضطراب ہے اور معنوی لحاظ سے بھی یہ باطل ہے ۔

یہ خامیاں تو وہ ہیں جو اس کی سند میں پائی جاتی ہیں معنوی لحاظ سے اس میں کیا کیا خامیاں ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں ۔

۹ ۔ "ترمذی" "ابن ماجہ" اور "غنیہ" کی پہلی روایت میں بقیع جانے کا ذکر تھا ۔ یہاں سرے سے بقیع کا ذکر ہی اڑا دیا گیا ہے ۔ اس طرح یہ ہر دو روایات باہم متضاد ہوئیں پہلی روایت تو بالسند تھی لیکن یہ روایت بلا سند ہے جس کا عدم وجود مساوی ہے ۔ اسے حضور کا فرمان تصور کرنے والا بھی زندیق ہے

لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ ذرا یہ بیان فرما دیا جاتے کہ یہ دو واقعات ہیں یا ایک واقعہ، اگر دو واقعات ہیں تو کیا حضرت عائشہؓ اتنی کم فہم تھیں کہ بار بار اس قسم کے واقعات پیش آنے کے باوجود وہ ہمیشہ بھول جاتیں؟ اور بار بار تکرار کے باوجود اس رات کی کوئی فضیلت ان کے حلق سے نہ اترتی تھی؟ اور کیا حضرت عائشہؓ کا صرف یہی کام تھا کہ وہ آپ کو راتوں کو تلاش کرتی پھریں کیونکہ انھوں نے یہ فضائل سننے کے باوجود بھی اس پر کوئی عمل نہیں کیا؟

۱۰۔ پہلی روایت میں اس بات کا کوئی ذکر نہ تھا کہ اس رات میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور نہ اس میں رزق اتارنے اور اعمال اٹھائے جانے کا ذکر تھا۔ اب اس روایت میں یہ ذکر کہاں سے آیا۔ یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دو واقعات ہیں اور اس صورت میں حضرت عائشہؓ کی کم فہمی اور دین سے بے توجہی ثابت ہو گی جو ایک ناممکن امر اور خلافِ تاریخ ہے۔ یا یہ ماننا پڑے گا کہ یہ حضرت عائشہؓ پر ابو نصر وغیرہ کا جھوٹ ہے اور اسے جھوٹا تسلیم کر لینا تو ہمیں عائشہؓ سے زیادہ آسان ہے یا تیسری صورت یہ ہے کہ یہ واقعہ اور یہ فرمان کسی اور سے مروی ہو اور اسے حضرت عائشہ سے منسوب کر دیا گیا ہو تب بھی نسبت کرنے والا یا تو جھوٹا قرار پائے گا یا پھر اول درجہ کا جاہل و احمق۔

۱۱۔ پہلی روایت میں نماز و دعا کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بلکہ حضورؐ صرف بقیع تشریف لے گئے تھے اور اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ بقیع قطعاً تشریف نہیں لے گئے بلکہ آپ نے گھر پر نماز پڑھی اور دعا فرمائی۔

۱۲۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہایت ماہر زبان اور زبردست خطیب و نفت تھیں۔ وہ ایسی مہمل زبان ہرگز استعمال نہ فرما سکتی تھیں جس قسم کی زبان بستر کی کیفیت میں پیش کی گئی ہے جو مہمل لفاظی کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ صرف صوف کا لباس ثابت کرنے کے لیے لفاظی کی گئی ہے۔

۱۳۔ آئندہ حضرت عائشہ کے حوالہ سے اور روایات میں دعا کا تذکرہ آرہا ہے۔ لیکن ان میں دعا مختصر ہے اس روایت میں طویل ہے پہلی روایت میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ یہ دعا حضورؐ سے متعدد احادیث صحیحہ کے ذریعہ ثابت ہے۔ لیکن یہ ایک دعا نہیں بلکہ متعدد دعائیں ہیں جنہیں راوی نے مختلف مقامات سے لے کر اول تو انھیں یکجا کیا اور پھر شب برأت سے ان کا تعلق جوڑ دیا۔ ذیل میں ہم وہ مقامات پیش کرتے ہیں جہاں جہاں سے یہ دعائیں چوری کی گئیں اس سے قارئین کو خوب اندازہ ہو جائے گا کہ یہ کس موقعہ و محل کی دعا ہے۔

امام حاکم المتوفی ۴۰۵ھ نے اپنی مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ المتوفی ۳۲ھ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے سجدہ میں یہ دعا فرماتے۔

اللھم سجد لک سوادی وخیالی وبک امن فؤادی ابوء بنعمتک علی۔ حصن حصین ص ۲۰۴

اے اللہ میرے دل اور خیال نے آپ کو سجدہ کیا اور میرا دل آپ پر ایمان لایا۔ میں آپ کی نعمتوں کے ساتھ آپ کی جانب رجوع ہوتا ہوں۔"

ابوداؤد المتوفی ۲۷۵ھ، ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، نسائی المتوفی ۳۰۳ھ اور ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ نے حضرت علیؓ المتوفی ۴۰ھ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر وں کے آخر میں یہ دعا فرماتے۔

اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک وبمعافاتک من عقوبتک واعوذبک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ نسائی ج۱ ص ۲۰۵، نسائی ج ۱ ص ۱۷۹

اے اللہ میں آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی اور آپ کے عفو

کے ذریعہ آپ کی سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ ہی کے واسطہ سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات ویسی ہی ہے جیسی آپ نے اپنی ثنا خود فرمائی ہے۔

اس حدیث سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ یہ دعا کسی شب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ یہ حضور کا اکثر معمول تھی اور خاص طور پر وتروں کے بعد۔ یہ بھی تمام محدثین و فقہاء کے نزدیک ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم ہر قسم کے سنن و نوافل اور وتر گھر پر ادا فرماتے تو حضرت عائشہؓ نے یہ دعا ضرور سنی ہوگی اور اسے نقل بھی کیا ہوگا اور واقعہ بھی یہی ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

فقدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ من الفراش فالتمستہ فوقعت یدی علی بطن قدمیہ وھو فی المسجد وھما منصوبتان وھو یقول اللھم انی اعوذ برضاک من سخطک و بمعافاتک من عقوبتک واعوذ بک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ مسلم ج ۱ ص ۱۹۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳۰ نسائی ج ۲ ص ۲۷۸

"میں نے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو بستر پر نہیں پایا۔ میں نے آپؐ کو تلاش کیا (ہاتھوں سے ٹٹولا) میرے ہاتھ آپؐ کے قدموں کے اندرونی حصّہ پر جا پڑے آپؐ سجدے میں تھے۔ آپؐ کے قدم کھڑے ہوئے تھے اور آپؐ فرما رہے تھے اے اللہ میں آپ کی رضا کے واسطہ سے آپ کی ناراضگی اور آپ کے عفو کے واسطہ سے آپ کی سزا سے پناہ مانگتا ہوں اور آپ کی ذات کے واسطہ سے آپ

سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات ویسی ہے جیسی آپ نے اپنی ثنا خود فرمائی ہے۔

اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اس دعا کا شب برات سے کوئی تعلق نہیں اور شب برات میں اُٹھنے کی جو کہانی ہے اس کا بھی اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ ایک وقتی واقعہ تھا جسے شب برات کی کہانی تیار کرنے کے لئے اس واقعہ سے متعلق کر دیا گیا۔ اس حدیث میں صبح تک نماز پڑھنے' قدم پر ورم آنے اور سوالات وجوابات کا کوئی ذکر نہیں۔

۱۴۔ قدموں پر ورم آنے کا واقعہ ایک جداگانہ روایت ہے۔ اس کی راوی حضرت عائشہؓ نہیں بلکہ حضرت مغیرۃؓ بن شعبہ اور حضرت ابوہریرہؓ المتوفی ۵۷ھ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ کے الفاظ ہیں

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقوم يصلى حتى ينتفخ قدماه فيقال له يارسول الله اتفعل هذا وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا اكون عبدًا شكورًا۔ شمائل ترمذی ص۲۲

بخاری ج۔ ا ص۱۵۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر نماز پڑھتے حتیٰ کہ آپؐ کے قدمہائے مبارک پھول جاتے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسولؐ اللہ آپ اتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

۱۵۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ جملہ "یارسول اللہ آپؐ کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف ہو چکے" حضرت عائشہؓ کا قول نہیں۔ بلکہ دیگر صحابہ

کا قول ہے۔ یہ سوال اور حضورؐ کا جواب ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے چوری کیا گیا۔ یہ جملہ ایک اور وقت میں بھی صحابہ سے مروی ہے جس کے راوی حضرت انسؓ بن مالک المتوفی سنہ ۹۱ھ ہیں (روایت کے لیے دیکھئے ص ۲۱ سے ص ۴۲ تک)

۱۶۔ حضرت انس کی حدیث سے حضورؐ کی زبانی یہ بات بھی ثابت ہو رہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات عبادت نہ فرماتے تھے اور اس کے ثبوت میں کتب احادیث میں لاتعداد احادیث موجود ہیں اور اسی پر تمام محدثین وفقہاء کا اجماع ہے اور حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ صبح تک نماز پڑھتے رہے۔ اس طرح یہ روایت احادیث صحیحہ کی معارض ہوئی۔

۱۷۔ اس روایت میں نماز پڑھنے کا ذکر حضرت عائشہؓ ان الفاظ میں ارشاد فرماتی

فما زالت صلی اللہ علیہ وسلم قائما وقاعدا حتی اصبح۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک کھڑے ہوتے اور بیٹھتے رہے۔

جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس رات حضورؐ نے بکثرت نوافل ادا فرماتے۔ حالانکہ حضورؐ کثرت تعداد کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ طول قیام کو پسند فرماتے۔ اگر ہم ان احادیث کو یہاں پیش کریں تو کئی صفحات درکار ہوں گے، لیکن انہی حضرت عائشہؓ کی ایک حدیث پڑھ لیجئے۔ فرماتی ہیں۔

لا یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ، یصلی اربعا فلا تسال عن حسنہن وطولہن ثم یصلی اربعا فلا تسال عن حسنہن وطولہن ثم یصلی ثلاثا۔ بخاری ج ۱ ص ۱۵۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان۔ گیارہ

رکعات سے زیادہ ادا نہ فرماتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے تو اُن کی خوبصورتی اور طوالت نہ پوچھ۔ پھر چار رکعت پڑھتے تو اُن کی خوبصورتی اور طوالت نہ پوچھ۔ پھر تین رکعت پڑھتے۔

۱۸۔ اس روایت میں حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ خاص طور پہ قابلِ غور ہیں۔

وقد اصعدت قدماہ وانا اغمزھما

اور آپؐ کے قدم چڑھ گئے اور میں انھیں چوکے مار رہی تھی۔

ہم لفظ اصعدت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ یہ لفظ صعود سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی پر چڑھنے کے آتے ہیں۔ اگر راوی کی اس سے مراد قدموں پر ورم آنا یا قدموں کا پھولنا یا قدموں کا پھٹنا مراد ہے تو بالترتیب یہ الفاظ ہونے چاہئیں تھے۔ وقد ورمت قدماہ یا نفخت قدماہ، قد انشقت قدماہ ان معانی میں اصعدت استعمال نہیں ہوتا، جس سے معلوم ہوا کہ روایت کا واضع کوئی عجمی ہے عرب نہیں۔

۱۹۔ کیا اس مبارک شب میں حضرت عائشہ کا یہی کام تھا کہ آپؐ کے چوکے مارتی رہیں اور اس طرح آپؐ کو نماز ختم کرنے پر مجبور کرتی رہیں۔ اور خود دو رکعت بھی ادا نہ فرمائیں۔ کہیں عجمی یہ بات تو ثابت کرنا نہیں چاہتے کہ حضرت عائشہؓ کا عبادت سے کوئی تعلق نہ تھا اور اس طرح شبِ برات کے پردے میں ان پر تبرا تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ مولوی صاحبان ذرا سوچ کر جواب دیں۔

۲۰۔ یہ لیلۃ النصف من شعبان یعنی نصف شعبان کی رات والی منطق بھی عجیب و غریب ہے۔ اگر چاند تیس کا ہو گا تو وہ پندرھویں شب ہو گی اور اگر انتیس کا ہوا تو آدھی رات تو چودھویں اور آدھی رات پندرھویں ہو گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں۔ کیونکہ اس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں ان میں نہ چودہ کا لفظ ہے نہ پندرہ کا۔

برائت کے معنی کی تحقیق

۲۱۔ ان تمام روایات میں سے کسی روایت میں لیلۃ البرات کا لفظ نہیں آیا تو اس رات کا لیلۃ البرات نام کیسے ہوا؟ اور یہ نام رکھنے والا کون تھا؟ اس رات کی فضیلت میں جتنی روایات ہیں ان میں یہ نام کہیں مذکور نہیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس شب میں شیعوں کے بارھویں امام مہدی غائب عدم سے وجود میں زبردستی لاتے گئے تھے وہیں سے اس کا نام شب برات کہا۔ اور تبرا اسی برات سے مشتق ہے۔ برات کے معنی ہیں بیزاری یعنی اظہارِ نفرت۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ۔ (توبہ)

حج اکبر کے روز اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے لئے اعلانِ بیزاری ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔ (سورۃ توبہ)

سورۃ توبہ کا دوسرا نام سورۃ براءت ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں کفار اور مشرکین سے برات کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس کے وہ معنی مُراد نہ لیں جو اُردو زبان میں مُراد لئے جاتے ہیں اور پھر علماء بتائیں کہ اس رات کس شئے سے بیزاری کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس نام کی ابتدا کب سے ہوئی۔ کیا ایسی ایک حدیث بھی پیش کر سکتے ہیں جس میں یہ نام آیا ہو۔

اِس آیت کے علاوہ قرآن میں جہاں جہاں بھی یہ لفظ یا اس کے دیگر صیغے استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ نے سب جگہ بیزاری کے معنی دیئے ہیں مثلاً

اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ○ ہود۔ ۵۴

میں تم لوگوں کے شرک سے بیزار ہوں۔

فَاِنْ عَصَوْکَ فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (الشعراء)

اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجیے میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔

وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ یونس۔ ۴۱

اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔

وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکُمْ الانفال۔ ۴۸

بری کی جمع براء اور بریئون آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو جملوں کو بھی اسی معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد ہے

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْکُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ الممتحنہ

ہم تم سے بھی، اور ان چیزوں سے بھی جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو بیزار ہیں۔

اَنْتُمْ بَرِیْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

تم میرے عمل سے بیزار ہو، اور میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ (یونس)

حضرت ابوموسیٰ اشعری کا حدیث میں مشہور واقعہ ہے کہ ان پر غشی طاری ہو گئی تو ان کی بیوی چیخنے لگی۔ جب وہ ہوش میں آئے تو انھوں نے ارشاد فرمایا۔

انی بریٔ ممن بریٔ منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من حلق ولا خرق ولا سلق۔ نسائی ج۔ ا صنہ ۱۹

میں اس شخص سے بیزار ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ وہ شخص ہم میں سے نہیں، جو گلا پھاڑے (ماتم کرے) یا کپڑے پھاڑے یا منہ پر چانٹے مارے۔
بخاری کے الفاظ ہیں۔

انا بریٔ ممن بریٔ منہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بریٔ من الصالقۃ والحالقۃ والشاقۃ۔ بخاری ج۔۱ ص۱۷۳
مسلم ج۔۱ ص۷۰، نسائی ج۔۱ ص۱۹۰، ابوداؤد ج۔۲ ص۹۲

میں اس شخص سے بیزار ہوں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیزار تھے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پر طمانچے مارنے والی، گلا پھاڑنے والی اور گریبان چاک کرنے والی سے بیزار تھے (یعنی ان پر تبرا بھیجتے تھے)

اسی لفظ برات سے تبرا بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ
اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۝ البقرہ

جن لوگوں کی اتباع کی جاتی ہے جب وہ اپنے متبعین سے بیزار ہو جائیں گے اور عذاب کو دیکھیں گے اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے تو اتباع کرنے والے کہیں گے اگر ہمارا دنیا میں دوبارہ جانا ہوا تو ہم ان سے ایسے ہی بیزار (تبرا کریں گے) ہو جائیں گے جیسے آج یہ ہم سے بیزار ہو گئے۔
ان آیاتِ کریمہ اور حدیث رسولؐ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ برات اور

تبرّاء ایک ہی معنی میں ہیں، اور تبرّار برات سے مشتق ہے اور برات کے معنی بیزاری کے ہیں۔ چونکہ اس رات میں شیعہ امام مہدی سے ان کے خروج کی درخواست کرتے اور تمام اہلِ سنّت اور صحابہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اِس لیئے اِس شب کا نام شب برارت ہے۔ بالفاظ دیگر شب تبرا، معنوی لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ جس سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدّیق کو امیرِ حج بنا کر بھیجا ہے یعنی سنہ ۹ ھجری میں تو ابوبکر نے کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور فرمایا کہ وہ لوگوں میں اِس امر کا اعلان کردیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ طواف کرے۔ ابوہریرہ کا بیان ہے کہ ان اعلان کرنے والوں میں میں بھی داخل تھا۔ بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو روانہ فرمایا۔ اور ان کو حکم دیا کہ

ان یؤذن ببراءۃ

لوگوں میں بیزاری کا اعلان کردیں۔

ابوہریرہ کا بیان ہے

فاذن معنا علی یوم النحر فی اھل منی ببراءۃ۔

بخاری ج ۲ ص ۶۷۱

علی نے ہمارے ساتھ مِل کر قربانی والے دن منٰی میں برارت کا اعلان کیا (یعنی بیزاری کا اور سورت براۃ پڑھ کر سنائی)

اگرچہ اِس حدیث میں لفظ براءت سے سورۃ براءت مراد ہے لیکن سورت برارت میں بھی یہ لفظ بیزاری کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور اسی لئے اس سورۃ کا نام سورۃ البرادت ہے اس لحاظ سے اِس حدیث میں بھی برارت سے مقصود بیزاری کا اعلان ہے۔

صحیح مسلم میں ایک مقام پر یہ باب باندھا گیا ہے۔

باب موالاۃ المؤمنین ومقاطعۃ غیرھم والبراءۃ منھم۔ مسلم ج۔۱ ص ۱۱۵

مؤمنین سے دوستی کرنا اور غیر مؤمنین سے مقاطعہ کرنا اور ان پر تبرّا بھیجنا۔

امام نووی رحمۃ اللہ لفظ بریٔ کی تشریح کرتے ہوتے فرماتے ہیں۔

قال القاضی عیاض قولہ انا بریٔ اے من فعلھن اوما یستوجبن من العقوبۃ اومن عھدۃ مالزمنی من بیانۃ واصل البرأۃ الانفصال ھذا کلام القاضی وھوالبراءۃ من فعل ھذہ الامور۔ مسلم ج۔۱ ص ۷۰

قاضی عیاض فرماتے ہیں۔ میں ان سے بیزار ہوں۔ یعنی ان کے فعل اور اس سزا سے جو اس بدعملی کے صلہ میں انھیں ملے گی یا اس اُمر سے جو ان کے بیان سے ثابت ہوتا ہے اور برارت کے معنی جدائی اختیار کرنے کے ہیں۔ یعنی میں ان امور سے جُدائی اختیار کرتا ہوں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں جو تفسیر قرطبی کے نام سے مشہور ہے فرماتے ہیں۔

والتبرء الانفصال۔ تفسیر قرطبی ج۔۱ ص ۵۸۶

تبرّا کے معنی جدائی اختیار کرنے کے ہیں۔

جلد چہارم میں لفظ برارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تقول برئت من الشئ ابراء براءۃ فانا منہ بریٔ اذا ازلتہ عن نفسک وقطعت سبب ما بینک وبینہ۔ ج۔۴ ص ۲۹۰۲

جب تو یہ کہتا ہے کہ میں فلاں شئے سے بُری ہوں۔ یہ اِس وقت کہا جاتا ہے جب کہ اس شئے کی محبت دل سے نکال دی جائے اور جو قلبی تعلق ہو وہ ختم کر دیا جائے۔

ان توضیحات سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ برات کے معنی بیزاری اور تبراء کے ہیں، اور اسی معنی میں تبرّا مستعمل ہے۔ کیونکہ لفظ تبرّاء برائۃ سے مشتق ہے۔ اسی لیے بخاری نے ایک مقام پر باب باندھا ہے۔

باب اثم من تبرأ من موالیہ بخاری ج۔۲ ص ۹۹۹

اس شخص کا گناہ جو اپنے مالکوں سے بیزار ہو۔

اس بحث سے یہ ثابت ہوا کہ دراصل لیلۃ البرات کے معنی لیلۃ التبرار ہیں یعنی شب برات نہیں بلکہ شب تبرار۔ کیونکہ اس شب میں مہدی غائب کو اسی لئے طلب کیا جاتا ہے کہ وہ باہر نکل کر "مؤمنین" یعنی رافضیوں کی اعانت کریں اور "منکرین" یعنی اہل سنت کا صفایا کریں تو اس سے بڑھ کر تبرّا ر کیا ہو گا اور لطف یہ ہے کہ "مومنین" یہ خدمت اپنی چالاکی سے منکرین سے لے رہے ہیں۔

ایک حدیث اور ملاحظہ فرمالیں۔

امام احمد نے ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من احتکر الطعام اربعین لیلۃ فقد بری من اللّٰہ و بزیٔ اللّٰہ منہ۔

جس نے چالیس دن تک کھانے کا سامان دبا کر رکھا تا کہ قیمت چڑھ جائے تو وہ اللہ سے بیزار ہے اور اللہ اس سے بیزار ہے

ایسی صورت میں ہمارے علماء کا یہ دعویٰ کہ سورۂ دخان میں لیلۃ المبارکہ سے مراد لیلۃ البرات ہے اور پھر اس کے فضائل میں موضوع، منکر اور مردود

روایات کا نقل کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ہم تو یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ یہ تمام علمار خواہ کسی طبقۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، انھیں قرآن و حدیث، تاریخ، رجال اور علم روایت و درایت کا قطعاً کچھ علم نہیں۔ انھیں صرف اپنی روٹیاں کمانے کا فن ضرور آتا ہے۔ ہم جب ان کے علم اور کردار پر غور کرتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ دراصل یہ عالم نہیں بلکہ قصّہ گو ہیں اور ان کی مجالس کی رنگینی انھی قصوں پر موقوف ہے۔ ان قصّہ گوؤں کا سلسلہ ابتدا سے چلا آرہا ہے۔ ان کے بزرگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کے لئے مواد بھی فراہم کر دیا ہے۔

اگر اصول روایت و درایت اور فن رجال کا بغور مطالعہ کیا جائے تو آپ کو صاف نظر آجائے گا کہ غزالی، ابو طالب مکی، ابو عبدالرحمٰن سلمی، عبدالوہاب شعرانی، عبدالقادر جیلانی، ابن جہضم اور حکیم ترمذی کی کتابوں میں کوئی روایت ایسی نہیں جو صحت کے ساتھ ثابت ہو اور اسے حدیثِ رسول تصور کیا جا سکے۔ یہ تمام کتابیں کذب علی الرسول سے معمور ہیں اور اسلام کو جتنا نقصان ان صوفیار نے اپنی لاعلمی سے پہنچایا ہے اتنا نقصان زنادقہ اور رافضہ نے بھی نہیں پہنچایا۔

۲۲۔ اس رات کے آخری الفاظ بھی قابلِ غور ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قلت یارسول اللہ ما احد ید خل الجنۃ الا برحمۃ اللہ قلت ولا انت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا انا الا ان یتغمد نی برحمۃ منہ۔

میں نے عرض کیا یارسول اللہ کوئی شخص جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر داخل نہ ہوگا۔ میں نے عرض کیا اور آپ؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ نہ میں۔ لیکن اگر اللہ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

علمار اس عبارت پر غور فرمائیں اور سوچ کر بتائیں کہ یہ کہ جنت میں

اللہ کی رحمت کے بغیر کوئی داخل نہ ہوگا" یہ حضورؐ کا فرمان ہے یا حضرت عائشہؓ کا قول ہے۔ ان الفاظ سے تو حضرت عائشہؓ کا قول ظاہر ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ سوال مہمل ہوگا کہ یارسول اللہ نہ آپ؟ دراصل یہ مضمون صحیح مسلم کی ایک روایت سے چوری کیا گیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ چور بھی کچا چور ہے۔ اُسے نقب زنی کا فن بھی نہیں آتا۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

ما من احد یدخله عمله الجنة قیل ولا انت
یارسول الله قال ولا انا الا ان یتغمدنی ربی برحمة

مسلم ج۔۲ ص۳۷۷

کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے اس کا عمل جنت میں داخل کردے کسی نے عرض کیا کہ نہ آپؐ یارسول اللہ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ نہیں۔ مگر یہ کہ میرا پروردگار مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔

مثل مشہور ہے کہ کرے بیٹیا پکڑا جاتے باپ۔ وہی حال ان لوگوں کا ہے۔ کسی کا بھی واقعہ ہو، کہنے والا کوئی ہو سب حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب کر دیا گیا۔

۲۳۔ دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا تو احادیث سے گاہ بگاہ ثابت ہے لیکن سر پر پھیرنا۔ اس کا کہیں وجود نہیں ملتا۔ کہیں اس راوی نے اردو کا محاورہ تو نہیں سُن لیا تھا؟ پھر چہرے پر ایک ہاتھ نہیں پھیرا جاتا بلکہ دونوں پھیرے جاتے ہیں۔

۲۴۔ اس روایت میں ایک اور جملہ قابلِ غور ہے۔ وہ روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

فالتمسته فوقعت یدہ یه علی قدمیه

میں نے آپؐ کو تلاش کیا۔ آپؐ کے ہاتھ آپ کے قدموں پر

بلند ہو گئے۔

اِس میں لفظ ید یہ کی ضمیر کس جانب راجع ہو گی۔ اگر حضورؐ کی جانب راجع کر دگے تو مقصد یہ ہو گا کہ میں نے حضورؐ کو تلاش کیا اور حضورؐ کے ہاتھ سجدہ کے دَوران اپنے قدموں پر بلند ہو گئے تھے۔ یعنی آپؐ نے اپنے ہاتھ سجدہ گاہ سے ہٹا کر اپنے قدموں پر رکھ لیے تھے۔ حالانکہ حضرت عائشہ یہ بیان کرنا چاہ رہی ہیں کہ میں نے حضورؐ کو ہاتھوں سے تلاش کیا تو میرے ہاتھ حضورؐ کے قدموں پر بلند ہو گئے۔ اس کے لیے یدیہ کی جگہ یدی ہونا چاہیئے تھا۔ تب بھی یہ مفہوم اَدا نہ ہو گا۔ کیونکہ رفع کے معنی بُلند ہونے کے آتے ہیں۔ کہنا چاہیئے تھا۔

فَوَقَعَتْ يَدَيَّ

میرے ہاتھ جا پڑے۔

تب عربی دُرست ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایت وضع کرنے والا عربی کے قواعد تک سے واقفیت نہیں رکھتا۔

جو علماء و صوفیاء ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں ان کے ذمہ لازم ہے کہ اول تو وہ روایات کا اختلاف دُور کریں۔ پھر ان کی پُوری سند بیان کر کے ان کے رواۃ کی توثیق ثابت کریں۔ کیونکہ یہ تمام سندات واہی اور نہایت مخدوش ہیں اور ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی صداقت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے۔ اسی باعث صحیح بخاری المتوفی ۲۵۶ھ، صحیح مسلم المتوفی ۲۶۱ھ صحیح ابن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ، صحیح ابن السکن، صحیح ابی عوانہ، المختارہ للضیاء المقدسی، المنتقی لابن الجارود، مسند حمیدی المتوفی ۲۱۹ھ، سنن دارمی المتوفی ۲۵۰ھ، ابو داؤد المتوفی ۲۷۵ھ، نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، مؤطا امام مالک ۱۷۹ھ اور اس دَور کی کسی کتاب میں ان روایات کا کوئی وجُود نہیں ملتا۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہ روایات اُنہی کتابوں میں پائی جاتی ہیں جو علماء کے نزدیک قابل اعتبار نہیں اور جو تیسری صدی کے آخر یا اس کے بعد وجود میں آئی ہیں۔

کتب احادیث کے مختلف طبقات

آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بتانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ کتب احادیث کے کتنے درجات ہیں کون کونسی کتابیں قابلِ اعتبار اور کون سی ناقابل اعتبار ہیں۔ اِس لیے کہ عوام کو چونکہ ان اُمور کا علم نہیں وہ خالی حدیث کا لفظ سُن کر دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ بلکہ اَب تو موجودہ علماء بھی اِس معاملہ میں عوام سے کم نہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی رح ۱۱۷۶ھ نے حجۃ اللہ البالغہ" اور شاہ عبد العزیز ۱۲۳۹ھ نے عجالہ نافعہ" میں کتب احادیث کو چار قسموں پر منقسم فرمایا ہے۔ قارئین اس کی تفصیل شاہ عبد العزیز کی زبانی سُن لیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

دریں جا نقل عبارت حضرت والد ماجد قدس سرّہٗ نمائیم تا مراتب کتب احادیث بترتیب واضح گردد۔

ایشاں می فرمایند، باید دانست کہ کتب احادیث با اعتبار صحت وشہرت وقبول ہر چند طبقہ می شوند ومراد ما از صحت آنست کہ مصنف التزام کند ایراد احادیث صحیحہ یا حسنہ وغیرآں درآنجا وارد نکند مگر مقرون بہ بیان حال آں از ضعف و غرابت وعلت وشذوذ، زیرا کہ ایراد ضعیف وغریب و معلول بہ بیان حال آں قدح نمی کند۔

"اِس جگہ میں حضرت والد ماجد قدس سرّہٗ کی عبارت نقل کرتا ہوں

تاکہ کتب احادیث کے مراتب اور ان کی ترتیب واضح ہو جائے۔
"والد ماجد فرماتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ صحت وشہرت اور قبولیت کے لحاظ سے کتب احادیث کے چند طبقے ہیں صحت سے ہماری مراد یہ ہے کہ مصنف اس بات کا التزام کرے کہ وہ احادیث صحیحہ اور حسنہ ہی نقل کرے گا اور ان کے علاوہ ضعیف وغیرہ نہیں لائے گا اور اگر لائے گا تو ان کا حال بیان کرے گا۔ کہ وہ ضعیف ہے یا غریب، معلول ہے یا شاذ، کیوں کہ ضعیف غریب اور معلول لانے کے بعد ان پر جرح کرنے سے کتاب کی صحت میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ومراد ما از شہرت آنست کہ اہل حدیث طبقۃ بعد طبقۃ بآں کتاب مشغول شوند بطریق روایت وضبط مشکل وتخریج احادیث آں تا ہیچ چیز از آں غیر مبین نہ نمایند۔
شہرت سے ہماری مراد یہ ہے کہ محدثین کا ایک گروہ ہر زمانے میں اس کتاب کو روایت کرنے، مشکل الفاظ کو ضبط کرنے اور اس کی احادیث کی سندات پیش کرنے میں مشغول رہا ہو۔ حتٰی کہ کتاب کی کوئی شے غیر واضح باقی نہ رہی ہو۔

ومراد از قبول آنست کہ نقاد حدیث آں کتاب را اثبات کنند وحکم صاحب کتاب را در بیان حال احادیث آں کتاب تصویب وتقریب نمایند وفقہاء بآں حدیث تمسک نمایند بے اختلاف وبے انکار۔
قبولیت سے ہماری مراد یہ ہے کہ ناقدین حدیث نے اس کتاب کو تسلیم کیا ہو اور اس پر اعتراضات نہ کیے ہوں اور مصنف نے اپنی کتاب میں حدیث کا جو حال بیان کیا ہو وہ

ناقدین نے اسے درست قرار دیا ہو اور فقہاء نے بلا اختلاف و انکار ان احادیث سے مسائل اخذ کیئے ہوں۔"

"پس صحیح ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ التزام صحت دارد۔ لیکن شہرت ندارد و مستدرک حاکم مثلاً التزام صحت بزعم خود دارد و شہرت ہم دارد و لکن قبول ندارد۔ زیرا کہ ذہبی و دیگر نقاد حاکم اورا بہ صحت مسلم نہ داشتہ اند۔"

پس صحیح ابن حبان میں صحت کا التزام ہے لیکن شہرت حاصل نہیں اور حاکم نے "مستدرک" میں اپنے گمان کے مطابق صحت کا اہتمام کیا اور اسے شہرت بھی حاصل ہوئی۔ لیکن ناقدین نے اسے قبول نہیں کیا، کیونکہ ذہبی اور دیگر ناقدین حاکم کے دعوائے صحت کو قبول نہیں کرتے۔

پس طبقہ اولیٰ از کتب احادیث سہ کتاب اند، مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم و قاضی عیاض کتاب مشارق الانوار برائے شرح ایں ہر سہ کتاب مخصوص نوشتہ و ایں مشارق الانوار غیر مشارق الانوار صغانی است کہ احادیث صحیحین دراں بحذف اسناد و قصور جمع نمودہ۔

پہلے طبقہ میں کتب حدیث کی صرف تین کتابیں ہیں۔ مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ نے مشارق الانوار میں انھی تین کتابوں کی شرح کی ہے۔ یہ مشارق الانوار صغانی کی "مشارق الانوار" نہیں کہ جس میں صغانی نے بخاری و مسلم کی احادیث کو سندات چھوڑ کر اور کچھ احادیث کم کر کے (اصلی احادیث) جمع کر دیا ہے (اور وہ بھی فقہی ترتیب پر نہیں)

بالجملہ برائے ضبط و شرح ایں ہر سہ کتاب مشارق الانوار قاضی

عیاض کافی و شافی است، و نسبت در این ہر سہ کتاب آنست کہ مؤطا گویا اصل و ام صحیحین است و در کمال شہرت رسیدہ، ہزار کس از علماء عصر امام مالک مؤطا را روایت کردہ اند مثل شافعی و امام محمد و یحیٰی بن یحیٰی مصمودی و یحیٰی بن یحیٰی تمیمی و یحیٰی بن بکیر و ابو مصعب و قعنبی و عدالت و ضبط رجال این کتاب مجمع علیہ است، و در مدینہ و مکہ و عراق و شام و یمن و مصر و مغرب مشہور شدہ و بنا، فقہاء امضا آنست و در زمان امام مالک و بعد از زمان ایشان نیز علماء در تخریج بر مؤطا و ذکر متابعات و شواہد احادیث آں سعی بلیغ نمودند و در شرح غریب و ضبط مشکلات و بیان فقہ و سائر وجوہ بیان آنقدر را اہتمام نمودہ اند کہ زیادہ برآں متصور نیست۔

ان تینوں کتابوں کی ضبط و شرح کے لئے قاضی عیاض کی مشارق الانوار کافی ہے۔ ان تینوں کتابوں میں باہم نسبت یہ ہے کہ مؤطا، صحیحین کی اصل و بنیاد ہے اور مؤطا کو شہرت میں بھی درجۂ کمال حاصل ہے۔ اس دور کے ایک ہزار علماء نے امام مالک سے "مؤطا" کو روایت کیا ہے۔ مثلاً امام شافعی، امام محمد، یحیٰی بن یحیٰی مصمودی، یحیٰی بن یحیٰی تمیمی، یحیٰی بن بکیر، ابو مصعب اور قعنبی اور اس کتاب کے رواۃ عدالت و ضبط میں متفق علیہ ہیں۔ اس کتاب نے مدینہ، مکہ، عراق، شام، یمن، مصر اور افریقہ میں شہرت حاصل کی اور ان شہروں کے فقہاء نے اس کتاب پر مسائل کی بنیاد رکھی۔ امام مالک اور ان کے بعد کے دور میں علماء اس کتاب کی روایات کی دیگر سندات اور شواہد پیش کرتے ہیں اور اس میں انھوں نے

بحث نہیں کی گئی ہے۔ کتاب کے مشکل اور غریب الفاظ کی
تحقیقات نہیں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کی فقہ اور ان کے رواۃ کی جرح و
تعدیل پر تبصرہ کیا گیا اور ان کی کوتاہیوں کا تدارک کیا گیا ہے کہ ان سے زیادہ کو
تعبیر تجویز نہیں کیا جا سکتا۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم ہر چند در وسعت و کثرت احادیث
دو چندان و سہ چندان کتب حدیث اند احادیث کثیرہ جمع کردہ
راہ اعتبار و استناد از موطا آموختہ اند۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم اگرچہ وسعت اور کثرت احادیث کے
لحاظ سے موطا سے دو گنا چوگنی ہیں، لیکن احادیث کی روایت
کا طریقہ، رجال کی معرفت اور مسائل کی استنباط کا طریقہ انھوں
نے موطا ہی سے سیکھا ہے۔

و معہذا این ہر دو کتاب نیز مخدوم و مولف امام و جمیع علمائے
اسلام اند فرقہ مستخرجات برائے اینہا نوشتہ اند مثل
اسماعیلی و ابو عوانہ و جماعہ متصدی شرح غریب و ضبط مشکل
و بیان فقہ و احوال رواۃ آنہا شدہ اند و در شہرت و ترقی باین
بدرجۂ علیا رسیدہ اند۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ دونوں کتابیں مخلوق اور علمائے اسلام کے
تمام طبقوں میں مخدوم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علماء نے ان کی
روایات کی دیگر سندات تحریر کیں۔ جیسے اسمٰعیلی اور ابو عوانہ نے
ایک جماعت نے ان کے غریب اور مشکل الفاظ کی چھان
بین کی ہے۔ ان کے فقہ اور ان کی کتابوں کے رواۃ کے
حالات تحریر کیے اور یہ شہرت و قبولیت کے اعلیٰ درجہ
پر پہنچیں۔

صاحب جامع الاصول از فربری نقل کردہ است کہ صحیح بخاری بلا واسطہ نود ہزار کس سماعت دارند۔

"جامع الاصول" کے مصنف ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ نے فربری المتوفی ۳۲۰ھ سے نقل کیا ہے کہ صحیح بخاری کو امام بخاری سے بلا واسطہ نوے ہزار انسانوں نے سنا (یعنی پڑھا)

خلاصہ کلام احادیث ایں ہر سہ کتاب اصح الاحادیث اند اگرچہ بعضے احادیث آں ایں ہر سہ کتاب صحیح تر از بعض باشند واگر بہ نظر تفحص دیدہ شود احادیث مؤطا غالباً دراں صحیح بخاری موجود اند پس صحیح بخاری مشتمل است بر مؤطا با اعتبار احادیث مرفوعہ آرے آثار صحابہ و تابعین در مؤطا زیادہ است پس ایں ہر سہ کتاب را در طبقۂ اولیٰ باید داشت۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ تینوں کتابیں اصح الاحادیث ہیں۔ اگرچہ ان تینوں کتابوں کی بعض احادیث دیگر احادیث کے مقابلہ میں زیادہ تر صحیح ہیں اور اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو مؤطا کی اکثر احادیث "صحیح بخاری" میں موجود ہیں پس احادیث کے لحاظ سے "بخاری" "مؤطا" کی احادیث مرفوعہ پر مشتمل ہے۔ ہاں صحابہ و تابعین کے اقوال مؤطا میں زیادہ ہیں۔ ان تینوں کتابوں کو پہلے طبقہ میں سمجھنا چاہیئے۔

طبقۂ ثانیہ۔ احادیثے کہ دریں ہر سہ صفت بدرجۂ احادیث صحیحین نرسیدہ اند لیکن قریب بصحیحین اند۔ دریں صفات وآں احادیث جامع ترمذی و سنن ابی داؤد و سنن نسائی است کہ مصنفان ایں کتب مشہور و معروف اند بوثوق و عدالت و حفظ و ضبط و تبحر در فنون حدیث و دریں کتابہا تساہل و تسامح راضی نہ شدہ اند و حال حدیث

علت آں را بقدر امکاں بیان نمودہ اند و لہذا فیما بین علماء شہرت
یافتہ اند پس ایں شش کتاب را صحاح ستہ نامند و ابن الاثیر در
جامع الاصول احادیث ایں شش کتاب را جمع نمودہ و شرح
غریب و ضبط مشکلات و اسمائے رجال و دیگر متعلقات آنہا
را بیان کردہ۔ پس کتاب جامع الاصول گویا شرح ایں شش
کتاب است چنانچہ مشارق الانوار شرح آں سہ کتاب است و
صاحب جامع الاصول ابن ماجہ را در صحاح عد نہ کردہ بلکہ مؤطا را
ششم قرار دادہ والحق معہ۔

دوسرے طبقہ میں وہ کتب احادیث ہیں جو ان تینوں صفات
(صحت، شہرت، قبولیت) میں صحیحین کے رتبہ کو نہیں پہنچیں۔
لیکن صحیحین کے قریب قریب ہیں۔ ان صفات کے لحاظ
سے صحیحین کے بعد جامع ترمذی، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی
ہیں کہ ان تینوں کتابوں کے مصنف وثوق، عدالت، حفظ
حدیث، ضبط الفاظ اور فنون حدیث میں ماہر ہیں اور اپنی
کتابوں میں کسی قسم کے تسامح اور تساہل کے لیے تیار نہیں ہیں
اور ان لوگوں نے حدیث کا حال اور اس کی کمزوری بقدر امکان بیان
کر دی ہے اسی لیے ان تینوں کتابوں نے علماء کے درمیان شہرت حاصل
کی ہے انھی چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں ابن الاثیر نے جامع
الاصول میں انھی چھ کتابوں کی احادیث کو جمع کیا ہے انکی غریب
روایات کی شرح کو مشکل الفاظ کی تحقیق اور ان کے رواۃ کے
حالات اور دیگر متعلقات پر بحث کی ہے۔ گویا جامع الاصول ان
چھ کتابوں کی شرح ہے جیسا کہ مشارق الانوار پہلی تین کتابوں کی
شرح ہے جامع الاصول کے مصنف یعنی ابن اثیر المتوفی سنہ ۶۳۰ نے ابن ماجہ کو

صحاح میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے مؤطا کو چھٹی کتاب قرار دیا اور حق بھی ان کے ساتھ ہے۔

"لیکن حضرت والد قدس اللہ سرہ می فرمایند کہ مسند امام احمد نزد فقیر ازیں طبقہ ثانیہ است ودے اصل است در معرفت صحیح از سقیم۔ وبوے شناختہ می شود حدیثے کہ آنرا اصل ہست از آنچہ او را اصل نیست مگر آنکہ در مسند امام احمد احادیث ضعاف بسیار ند کہ حال آنرا بیان نکردہ۔

لیکن حضرت والد قدس سرہ فرماتے ہیں کہ مسند احمد بھی فقیر کے نزدیک اسی دوسرے طبقہ میں داخل ہے اور وہ صحیح وضعیف کی معرفت میں اصل کا کام دیتی ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ہے یا نہیں۔ مگر مسند احمد میں ضعیف احادیث بہت ہیں کہ جن کا حال مصنف نے بیان نہیں کیا ہے۔ (اس لحاظ سے تو متقدمین کی اور کتابوں کو بھی دوسرے درجہ میں داخل کرنا چاہیئے۔ اور طحاوی کو تو بقینی طور پر کہ انھوں نے روایت کا حال بھی بہت سی جگہ بیان کیا ہے۔ ایک کو اپنی راستے سے قبول کرنا اور دوسری کو ترک کرنا یہ سراسر ناانصافی ہے)۔

اماں ضعیفے کہ درو ست از آں احادیث کہ متاخرین تصحیح آنہا می کنند بہتری نماید وعلمائے حدیث وفقہ آنرا پیشوائے خود ساختہ اند وبحقیقت رکن اعظم است در فن حدیث وہمچنیں سنن ابن ماجہ را نیز دریں طبقہ می تواں شمرد ہر چند بعضے احادیث آں در غایت ضعف اند۔ عجالۂ نافعہ صنـ ۴،۳

ان تینوں کتابوں میں جتنی احادیث ہیں وہ ان احادیث سے

بہتر ہیں کہ جن کی متاخرین نے تصحیح کی ہے اور علمار حدیث وفقہ نے ان کتابوں کو پیشوا مانا ہے اور درحقیقت وہ فن حدیث میں رُکن اعظم کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح سنن ابن ماجہ کو بھی اسی طبقہ میں شمار کرنا چاہیئے۔ اگرچہ اس کی بعض (بہت سی) احادیث بے پناہ ضعیف ہیں۔

یہ دو درجات وہ ہیں جو علمار کے نزدیک مقبول ہیں۔ اگرچہ ان میں سے دوسرے طبقے کی کتابوں میں بعض ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ابوداؤد ترمذی اور نسائیؒ میں لیکن ان محدثین کرام نے عام طور پر ان کا ضعف بیان کر دیا ہے۔ ابن ماجہ اور دیگر محدثین کی طرح خاموشی اختیار نہیں کی۔ ان میں سے نسائی کا مقام ترمذی اور ابوداؤد سے بڑھ کر ہے۔

شاہ صاحب کی تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو چکی کہ ابن ماجہ، ابن الاثیر اور شاہ صاحب کے نزدیک صحاح ستہ میں داخل نہیں اور نہ اس میں وہ صفات پائی جاتی ہیں۔ جو ترمذی، نسائی اور ابوداؤد میں موجود ہیں۔

وطبقۂ ثالثہ احادیثے کہ جماعۂ از علمائے متقدمین بر زمان بخاری ومسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین بآنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند والتزام صحت ننمودہ، وکتب آنہا در شہرت وقبول در مرتبۂ اولیٰ وثانیہ نرسیدہ۔ ہر چند مصنفین آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث ووثوق وعدالت وضبط احادیث صحیح وحسن وضعیف، بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود، ورجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند، وبعضے مستور وبعضے مجہول واکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہار نہ شدہ اند۔ بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ۔

تیسرے طبقہ میں وہ کتب احادیث ہیں کہ جنہیں علمار متقدمین

نے بخاری و مسلم کے دور میں یا ان کے قریبی دور میں تصنیف کیا ہو، اور اپنی کتابوں میں صحت کا التزام نہ کیا ہو اور ان کی کتابیں شہرت و قبولیت میں درجہ اولی یا درجہ ثانیہ کو نہ پہنچی ہوں۔ اگرچہ ان کے مصنفین تبحر علمی، وثوق و عدالت، ضبط احادیث میں مشہور ہیں۔ لیکن ان کی کتابوں میں صحیح و حسن، ضعیف بلکہ موضوع اور متہم روایات پائی جاتی ہوں۔ ان کتابوں کے بعض رواۃ عدالت کے ساتھ متصف ہیں۔ بعض مستور اور بعض مجہول ہیں اور ان کتابوں کی اکثر احادیث فقہاء کے نزدیک معمول بہا نہ رہی ہوں۔ بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہو گیا ہے۔

و درین کتب، ہم تفاضل و تفاوت ہست بعضہا اقوی من بعض اسامی این کتب این است۔

ان کتابوں میں بھی فرق ہے اور ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ ان کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مسند ابی یعلی موصلی، مصنف عبدالرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند ابی داؤد طیالسی، سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان۔ مستدرک حاکم، کتب بیہقی، کتب طحاوی، تصانیف طبرانی۔ عجالہ ص ۵

مسند شافعی المتوفی ۲۰۴ھ، سنن ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ، مسند دارمی المتوفی ۲۵۵ھ، مسند ابی یعلی موصلی المتوفی ۳۰۷ھ مصنف عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ مسند عبد بن حمید المتوفی ۲۴۹ھ، مسند ابی داؤد طیالسی المتوفی ۲۰۴ھ سنن دارقطنی المتوفی ۳۸۰ھ، صحیح ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ مستدرک للحاکم المتوفی ۴۰۵ھ، بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ طحاوی المتوفی

وقد تطرق في كتابه [illegible]

وقالوا ابن خزیمۃ وابن حبان امکن واقوی من الحاکم واحسن وفی الاسانید والمتون و مثل المختارۃ للحافظ ضیاء الدین المقدسی وھو ایضاً اخرج صحاحا لیست فی الصحیحین وقالوا کتابہٗ احسن من المستدرک ومثل صحیح ابی عوانۃ وابن السکن والمنتقی لابن الجارود وھذہ الکتب کلھا مختصۃ بالصحاح ولکن جماعۃ انتقدوا علیہا تعصبا اوانصافا وفوق کل ذی علم علیم۔ مقدمہ مشکوٰۃ ص ۷

دیگر ائمہ نے بھی صحاح تصنیف کی ہیں۔ مثلاً امام ابن خزیمہ المتوفی ۳۲۱ھ کی "صحیح" جنہیں امام الائمہ کہا جاتا ہے اور یہ ابن حبان کے استاد ہیں اور ابن حبان ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ میں نے الفاظ صحیحہ کی یادداشت اور حسن الفاظ کی ادائیگی میں ابن خزیمہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا تمام سنن اور تمام احادیث ان کی نگاہوں کے سامنے نصب کردی گئی ہیں اور جیسے ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ کی "صحیح" جو ابن خزیمہ کے شاگرد ہیں۔ ثقہ ہیں ثبت ہیں۔ فاضل ہیں امام ہیں اور فہم حدیث میں مہارت رکھتے ہیں۔ حاکم کہتے ہیں کہ ابن حبان علم، لغت، حدیث اور وعظ وحدیث کا ایک بیر بیہ برتن تھے اور بڑے بڑے عقلاء میں ان کا شمار ہوتا تھا اور جیسا کہ حاکم المتوفی ۴۰۵ھ کی صحیح جس کا نام مستدرک ہے لیکن انھوں نے اپنی کتاب میں بہت تساہل سے کام لیا ہے اور ناقدین حدیث نے ان کی پکڑ کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن خزیمہ اور ابن حبان

حاکم سے زیادہ محتاط زیادہ قوی اور سندات اور الفاظ حدیث لانے میں ان سے بہتر ہیں اور جیسے حافظ ضیاالدین المقدسی کی "المختارہ" انھوں نے اپنی کتاب میں وہ صحیح احادیث جمع فرمائی ہیں جو صحیحین میں نہیں پائی جاتیں۔ ناقدین کہتے ہیں کہ ان کی کتاب مستدرک سے بہتر ہے۔ اور جیسے ابو عوانہ کی "صحیح" اور ابن السکن المتوفی ۳۵۳ھ کی "صحیح" اور "ابن جارود کی" المنتقی" یہ تمام کتابیں صحیح احادیث کے ساتھ منسوب ہیں۔ لیکن ایک جماعت نے ان پر تنقید کی ہے۔ کچھ نے تعصب کے باعث تنقید کی اور کچھ نے انصاف سے کام لیا۔ اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر دوسرا صاحب علم موجود ہے۔

شاہ صاحب چوتھے طبقے کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

طبقۂ رابعہ۔ احادیثے کہ نام ونشاں آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود و متاخراں را روایت کردہ اند۔ پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند و آنہا را اصل نیافتند تا مشغول بروایت آنہا می شدند یا یافتند و دراں قدحے و علتے دیدکہ باعث شد ہمہ آنہا را بر ترک روایت آنہا۔

وعلی کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود ولنعم ما قال لبعض الشیوخ فی امثال ہذا۔

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ

وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

چوتھے طبقہ میں وہ احادیث ہیں کہ ابتدائی ادوار میں ان کا نام و

نشان تک موجود نہ تھا۔ لیکن متاخرین نے انھیں روایت کیا۔ یہ تمام احادیث دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو اسلاف نے ان کی چھان بین کی اور ان کی کوئی اصل نہیں پائی جو انھیں روایت نہیں کرتے یا ان کی اصل تو ملی لیکن اس میں کمزوری اور خرابی پائی جس کے باعث ان احادیث کی روایت ترک کی۔

ہر دو صورت میں یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ کجا کہ ان سے عقیدہ ثابت کرنا یا ان سے عمل ثابت کرنا۔ بعض اساتذہ نے ان احادیث کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

اگر تو ان احادیث کو نہیں جانتا تو یہ بھی مصیبت ہے (یعنی گمراہی میں مبتلا ہو گا) اور اگر تو جانتا ہے تو یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے (کہاں تک رد کرے گا)

"واین قسم احادیث راہ بسیارے از محدثین زدہ است و بجہت کثرت طرق ایں احادیث کہ دریں قسم کتب موجودہ اند مغرور شدہ، حکم بر تواتر آنہا نمودہ، و در مقام قطع و یقین بداں تمسک جستہ، برخلاف احادیث طبقات اولی و ثانیہ و ثالثہ مذہبے برآوردہ اند و دریں قسم احادیث کتب بسیار مصنف شدہ اند، برسخے را بر شماریم۔

کتاب الضعفاء لابن حبان و تصانیف الحاکم کتاب الضعفاء للعقیلی، کتاب الکامل لابن عدی

اِس قسم کی احادیث نے متاخرین محدثین کے یہاں بہت جگہ حاصل کی اور اس قسم کی موجودہ کتابوں میں اس قسم کی احادیث

کی کثرت دیکھ کر علماء دھوکہ میں مبتلا ہو گئے اور ان پر تواتر کا حکم جاری کر دیا اور قطعیت و یقین کے مقام پر بھی ان احادیث کو دلیل میں پیش کرنے لگے اور پہلے، دوسرے اور تیسرے درجہ کی احادیث کے برعکس ایک نیا مذہب پیدا کر لیا۔ اس قسم کی کتب احادیث بکثرت ہیں۔ جن میں سے ہم بعض کے نام بیان کرتے ہیں۔

ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ کی "کتاب الضعفاء" حاکم المتوفی ۴۰۵ھ کی تصانیف، عقیلی کی "کتاب الضعفاء" اور ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ کی "کامل"۔

اس مقام پر مجھے شاہ صاحب سے اختلاف ہے۔ اس لئے کہ "کتاب الضعفاء" لابن حبان "کتاب الضعفاء للعقیلی اور "کامل" لابن عدی حدیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ رجال کی کتابیں ہیں۔ ان کے مصنفین نے تمام ضعیف اور مجروح رواۃ کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے۔ اور ہر راوی پر جرح کرنے کے بعد اس کی چند روایات بھی نقل کی ہیں۔ تاکہ یہ علم ہو جائے کہ اس کی کون کون سی روایات مجروح ہیں کیونکہ جب راوی مجروح ہوگا تو ظاہر ہے کہ اس کی روایت بھی مجروح ہوگی۔ اس طرز پر اور بھی کتابیں ہیں۔ مثلاً "کتاب العلل" لابن ابی حاتم المتوفی ۳۲۲ھ "کتاب الضعفاء" للنسائی "کتاب الوہم والایہام" لابن القطان اور علامہ ذہبی کی "میزان الاعتدال" کا بھی یہی رنگ ہے یعنی ان حضرات کا مقصود اس روایت پر جرح کرنا ہوتا ہے۔ جو علماء ان کتابوں سے یہ روایات نقل کر کے اس کا حوالہ دیتے ہیں وہ علمی خیانت کے مرتکب ہیں۔ کیونکہ انھیں ساتھ میں یہ بھی بتانا چاہیئے تھا کہ ان مصنفین نے اس کے کس راوی پر جرح کی ہے اور بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک

روایت کے متعدد رواۃ مجروح ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب پر اس جگہ جرح نہیں کی جاتی۔ بلکہ اس مقام پر کی جاتی ہے جہاں اس راوی کا نام آتا ہے۔ کیونکہ ان کتابوں میں رواۃ کا ذکر حروف تہجی کے لحاظ سے کیا جاتا ہے، یعنی پہلے وہ نام ذکر کئے جائیں گے جو الف سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد جو ب سے شروع ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اس سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرات اپنی کتابوں میں ضعیف روایات نقل کرتے ہیں ایک جہالت ہے۔ غالباً شاہ صاحب کا کبھی اسمار الرجال کی قدیم کتابوں سے واسطہ پیش نہیں آیا۔ ورنہ ایسی بات نہ فرماتے۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

تصانیف ابن مردویہ و تصانیف خطیب، تصانیف ابن شاہین، تفسیر ابن جریر، فردوس دیلمی بلکہ سائر تصانیف ابی نعیم، تصانیف جوزقانی۔ تصانیف ابن عساکر، تصانیف ابوالشیخ، تصانیف ابن بخار (تصانیف محب طبری بھی اسی طبقہ میں داخل ہیں) و بیشتر مسائل در وضع احادیث درباب مناقب و مثالب و در تفسیر و بیان اسباب نزول و درباب تاریخ و ذکر احوال بنی اسرائیل و قصص انبیائے سابقین و ذکر بلدان و اطعمہ و اشربہ و حیوانات واقع شدہ و در طب و رقی و عزائم و دعوات و ثواب نوافل این حادثہ رو دادہ۔

"ابن مردویہ کی تصانیف، خطیب المتوفی ۴۶۳ھ کی تصانیف، ابن شاہین کی تصانیف، ابن جریر المتوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر دیلمی کی فردوس بلکہ اس کی تمام تصانیف، ابونعیم المتوفی ۴۳۰ھ کی حلیۃ الاولیاء،

جوزقانی کی تصانیف، ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کی تصانیف ابوالشیخ کی تصانیف، ابن بخار کی تصانیف، ان لوگوں نے اکثر تساہل سے کام لیا۔ اور ان کی کتابوں میں مناقب، تفسیر، اسباب نزول، تاریخ، بنی اسرائیل کے حالات، انبیائے کرام کے واقعات، مختلف شہروں کا ذکر، کھانے اور پینے کی اشیاء کا ذکر، اور مختلف حیوانات کے بارے میں موضوع روایات سے بھر گئیں، طب نبوی، جھاڑ پھونک، عزیمتیں اور مختلف اسماء کی دعوت اور مختلف نمازوں کے ثواب کے بارے میں موضوع احادیث نے ان کتابوں میں جگہ پائی۔

ابن الجوزی در موضوعات خود غالب ایں احادیث مجروح و مطعون ساختہ، دلائل و وضع آنہا اظہر ہن ساختہ کتاب تنزیہہ الشریعۃ در رفع غائلہ ایں احادیث کافی است و اکثر مسائل نادرہ مثل اسلام ابوین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و روایات مسح الرجلین از ابن عباس و امثال ایں نوادر از ہمیں کتب می برآید و مایۂ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی در رسائل و نوادر خود ہمیں کتابہا است، و اشتغال باحادیث ایں کتب و استنباط احکام از آنہا لاطائل می نمایند و مع ہذا اگر کسے را رغبت تحقیق ایں می باشد میزان الضعفاء ذہبی و لسان المیزان ابن حجر عسقلانی برائے احوال رجال ایں کتب بکارش می آید۔

ابن جوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اپنی "موضوعات" میں اکثر احادیث کو مجروح اور مطعون قرار دیا اور ان کے موضوع

ہونے کے دلائل وضاحت کے ساتھ بیان کیے۔ "تنزیہ الشریعۃ" نامی کتاب ان احادیث پر سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہے۔ اکثر نادر مسائل مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کا اسلام لانا اور ابن عباس (المتوفی ۶۳ھ) سے پاؤں پر مسح کرنے کی روایتیں (جو شیعوں کا مذہب ہے) انھی کتابوں سے ظاہر ہوتی ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی تمام تصانیف و رسائل کا دارو مدار یہی کتابیں ہیں وہ ان کتابوں کی احادیث پیش کرنے اور ان سے مسائل اخذ کرنے کی لاحاصل کوشش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر کسی کو تحقیق کا شوق ہو تو ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ کی "میزان الضعفاء" (میزان الاعتدال) اور ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ کی "لسان المیزان" ان کتابوں کے راویوں کا حال معلوم کرنے کے لیے کام آسکتی ہیں۔ (ہم نے میزان الاعتدال سے اس کتاب میں بہت کام لیا ہے)۔

انھی وجوہات کے باعث امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے فرمایا تھا۔

من جاء الیوم بحدیث لا یوجد عند الجمیع لا یقبل۔ فتح المغیث ص ۹۶، توجیہ النظر ص ۲۱۹، مقدمہ ابن صلاح ص ۱۰۰

جو شخص آج ایک ایسی حدیث پیش کرے جو تمام محدثین کے نزدیک نہ پائی جاتی ہو وہ قبول نہ کی جائے۔

شاہ صاحب کی یہ طویل تقریر پڑھنے کے بعد آپ اس امر پر غور فرمائیں کہ شب برأت کی روایات کا تعلق کون سے طبقہ سے ہے۔ تو ہمیں طبقۂ اولیٰ کی کتابوں میں ایک بھی روایت نہیں ملتی۔ جہاں تک دوسرے

طبقہ کا تعلق ہے اس میں سے صرف ترمذی نے بقیع والی روایت بیان کر کے اس پر جرح کی ہے۔ اس کی تفصیل پہلی روایت میں گذر چکی ہے۔ اس مضمون کی جتنی بھی روایات ہیں وہ تیسرے اور چوتھے طبقے سے ماخوذ ہیں تیسرے طبقے میں بھی صرف ان کتابوں میں یہ روایات پائی جاتی ہیں جن کے مصنفین نے احتیاط سے کام نہیں لیا اور اپنی کتابوں میں ہمہ قسم کی روایات نقل کر دیں۔ مثلاً ابن ماجہ المتوفی ۲۷۳ھ طبرانی اور بیہقی وغیرہ۔ لیکن اس طبقہ کی وہ کتابیں جو موضوعات سے پاک ہیں۔ ان میں ان روایات کا کوئی وجود نہیں۔ مثلاً "صحیح ابن خزیمہ"، صحیح ابن السکن "صحیح ابو عوانہ" "المنتقیٰ لابن جارود" "مسند حمیدی" "کتاب الام" "مسند شافعی" اور کتب طحاوی وغیرہ۔ باشب براءت سے متعلق جو روایات ملتی ہیں ان کا بیشتر حصہ کتب تصوف اور کتب تفاسیر سے ملتا ہے۔ اس لئے کتب تصوف اور کتب تفاسیر پر بھی کچھ تبصرہ کرنا ضروری ہے۔

کتب تصوّف کی حیثیّت

حارث بن اسد محاسبی سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے تصوف پر کتابیں تحریر فرمائیں۔ یہ اس دور کی مشہور و معروف ہستی ہیں جب کہ تبع تابعین حیات پذیر تھے۔ بڑے بڑے مصنفین و ائمہ حدیث انھی کے دور میں گذرے ہیں۔ کیونکہ ان کا انتقال ۲۴۳ھ میں ہوا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب کہ امام احمد بن حنبل ۲۴۰ھ، اسحٰق بن راہویہ المتوفی ۲۳۷ھ بخاری ۲۵۶ھ، مسلم ۲۶۱ھ، ابوزرعہ رازی ۲۶۴ھ، ابوحاتم رازی ۲۷۷ھ ترمذی ۲۷۹ھ، ابن ماجہ ۲۷۳ھ، نسائی ۳۰۳ھ، ابوداؤد سجستانی ۲۷۰ھ ابوثور ۲۴۰ھ، یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ، یحییٰ بن بکیر المتوفی ۲۲۰ھ اور امام مالک کے دیگر شاگرد بھی حیات تھے۔ جب معارف کی یہ کتابیں سامنے

آئیں اور لوگوں نے ان میں وہ امور پائے جو تبع تابعین اور تابعین نے ذکر بھی نہ فرماتے تھے تو لوگوں نے مختلف ائمۂ حدیث سے اس سلسلہ میں مختلف سوالات کیے۔ اسی قسم کا سوال حافظ الحدیث، امام الرجال و الجرح والتعدیل ابوزرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ سے بھی کیا گیا۔ حافظ سعید بن عمرو البرذعی کا بیان ہے کہ میں ابوزرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ کی خدمت میں حاضر ہوا ان سے کسی نے حارث محاسبی اور ان کی کتابوں کے بارے میں سوال کیا، انھوں نے فرمایا۔

ایاک وھذہ الکتب ھذہ کتب بدع وضلالات علیک بالاثر فانک تجد فیہ ما یغنیک

اِن کتابوں سے بچو۔ یہ تو بدعت و گمراہی کی کتابیں ہیں تو حدیث کو لازم پکڑ۔ تو اس میں ہر وہ شے پائے گا جو تجھے اور چیزوں سے بے نیاز کر دے گی۔

ان سے عرض کیا گیا کہ ان کتابوں سے عبرت و نصیحت حاصل ہوتی ہے۔ انھوں نے جواب دیا۔

من لم یکن لہ فی کتاب اللہ عبرۃ فلیس لہٗ فی ھذہ الکتب عبرۃ۔ بلغکم ان سفیان ومالکا والاوزاعی صنفوا ھذہ الکتب فی الخطرات والوساوس ما اسرع الناس الی البدع۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۳

جس کے لیے کتاب اللہ میں عبرت نہ ہو اس کو ان کتابوں سے کیسے عبرت حاصل ہو جائے گی۔ کیا تم نے کبھی سُنا ہے کہ سفیان ثوری المتوفی ۱۶۰ھ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ اور اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ نے بھی ان خطرات و وساوس میں کوئی کتاب لکھی تھی۔ افسوس کہ لوگ بدعات کی جانب کتنی جلدی

دوڑتے ہیں۔

اس کے بعد حافظ ذہبی ۷۴۸ھ اپنی رائے پیش فرماتے ہیں۔

این مثل الحارث فکیف لورای ابو زرعۃ تصانیف المتاخرین کالقوت لابی طالب واین مثل القوت کیف رای بھجۃ الاسرار لابن جھضم وحقائق التفسیر للسلمی لطار لبہ کیف لورای تصانیف ابی حامد الطوسی فی ذلک علی کثرۃ مافی الاحیاء من الموضوعات کیف لورای الغنیۃ للشیخ عبدالقادر کیف لورای فصوص الحکم و الفتوحات المکیۃ بلی لما کان الحارث لسان القوم فی ذلک العصر کان معاصرہ الف امام فی الحدیث مثل احمد بن حنبل وابن راھویہ ولما صار ائمۃ الحدیث مثل ابن الدخیمسی وابن شحانۃ کان قطب العارفین کصاحب الفصوص وابن سفیان۔ نسأل اللہ العفو والمسامحۃ آمین۔ میزان الاعتدال ج۔ ا ص۴۳۱

حارث کی کیا مثال (یعنی وہ تو بہت بہتر ہیں) اگر امام ابوزرعہ رازی متاخرین کی تصانیف دیکھ لیتے مثلاً ابوطالب مکی کی "قوت القلوب" اور وہ تو تب بھی بسا غنیمت ہے اگر ابوزرعہ ابن جہضم جیسے دجال کی "بھجۃ الاسرار" کا مطالعہ کر لیتے یا ابوعبدالرحمان سلمی کی "حقائق التفسیر" دیکھ لیتے تو ان کی عقل ہی جواب دے جاتی۔ یہ کتابیں تب بھی اتنے گرے ہوتے درجہ کی نہیں ہیں۔

اگر ابوزرعہ بالفرض ابوحامد غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی تصانیف دیکھ لیتے کہ کس کثرت کے ساتھ انھوں نے احیاء العلوم میں

موضوعات پیش کی ہیں (کیمیائے سعادت، منہاج العابدین اور مشکوٰۃ الانوار کا بھی یہی حال ہے) اگر وہ شیخ عبدالقادر کی غنیہ دیکھ لیتے یا ابن عربی کی کتاب "فصوص الحکم" اور "فتوحات مکیہ" کا مطالعہ کر لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا جب کہ حارث محاسبی اپنے ہم خیال لوگوں کے اس وقت ترجمان بنے جب کہ ان کے زمانہ میں حدیث کے ایک ہزار امام ان کے معاصر تھے، مثلاً احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ المتوفی ۲۳۸ھ لیکن جب ابن الدخمیسی اور ابن شخانہ جیسے (بد احتیاط) محدث بن گئے، تو "فصوص" کا مصنف (ابن عربی) اور ابن سفیان جیسے قطب العارفین بن کر سامنے آئے ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر کا سوال کرتے ہیں۔

ملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ء حنفی چند موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے امام جزری کا قول نقل فرماتے ہیں۔

لا تغتر بذكرها فى قوت القلوب واحياء العلوم ولا بذكر الثعلبى فى تفسيره وكذا فى شرح الاوراد۔

موضوعات کبیر مترجمہ ملا علی قاری ص۲۷۶

اس قسم کی روایات جو "قوت القلوب" یا "احیاء العلوم" میں ملتی ہیں یا ثعلبی نے اپنی "تفسیر" میں ذکر کی ہیں یا "شرح الاوراد" میں پائی جاتی ہیں ان سے ہرگز دھوکہ نہ کھانا۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "کتاب الرد علی البکری" میں فرماتے ہیں۔

ومن يجمع الموضوعات الكثيرة والاكاذيب العظيمة مثل كتاب وسيلة المتعبدين صنفها الشيخ عمر الموصلى ومثل تنقل الانوار للبكرى الذى

فیہ من الکذب مالا یخفی علی فطن اللبیب و
مثل القاضی عیاض بن موسی الیحصبی مع
علمہ وفضلہ ودینہ انکر العلماء علیہ کثیرا
مما ذکرہ فی شفائہ من الاحادیث۔

وہ لوگ جو بکثرت موضوعات اور بڑے بڑے جھوٹ اپنی اپنی کتابوں میں جمع کرتے ہیں جیسے شیخ عمر الموصلی نے اپنی کتاب "وسیلۃ المتعبدین" اور رکبری نے اپنی تنقل الانوار میں جو کچھ جمع کیا ہے وہ کسی سمجھدار اور صاحب علم سے مخفی نہیں اور جس طرح قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی المتوفی ۵۴۴ھ نے باوجودیکہ وہ بہت بڑے عالم وفاضل اور دیندار شخص ہیں۔ لیکن علماء نے ان پر بہت اعتراضات کیے ہیں۔ کیونکہ انھوں نے "شفاء" میں بکثرت منکر و موضوع روایات ذکر کی ہیں (اسی طرح امام بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ ہیں، باوجودیکہ وہ حدیث کے بہت بڑے امام اور رجال کے ماہر ہیں۔ لیکن اپنی کتاب "دلائل النبوت" میں موضوعات کا انبار جمع کر دیا ہے)

فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ ص ۹۵

ملا علی قاری حنفی نے "اپنی موضوعات" میں امام جزری کا ایک تفصیلی مضمون احادیث موضوعہ پر نقل کیا ہے جس کا کچھ حصہ ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

ومن القواعد الکلیۃ ان نقل الاحادیث النبویۃ
والمسائل الفقھیۃ والتفاسیر القرآنیۃ لایجوز
الا من کتب المتداولۃ لعدم الاعتماد علی غیرھا
من وضع الزنادقۃ والحاق الملاحدۃ بخلاف کتب

المحفوظة فان نسخها یکون صحیحا متعددة و قد حکی السیوطی عن ابن الجوزی ان من وقع فی حدیثه الموضوع والکذب والقلب انواع منهم من غلب علیهم الزهد فغفل عن الحفظ او ضاعت کتبه فحدث عن حفظه فغلط فی نقله ومنهم قوم ثقات لکن اختلط عقولهم او اخر اعمارهم ومنهم من روی الخطا سهوا فلما رای الصواب و الیقن لم یرجع انفة ان ینسبوه الی الغلط و منهم زنادقة وضعوه الی افساد الشریعة وایقاع الشك والتلاعب بالدین وقد کان بعض الزنادقة یتغفل الشیخ فیدرس فی کتابه مالیس عن حدیثه ومنهم من یضع لنصرة مذهبه ومنهم من یضع حسبة ترغیبا وترهیبا ومنهم من اجاز وضع الاسانید لکلام حسن ومنهم من قصد التقرب الی السلطان ومنهم القصاص لانهم یریدون احادیث ترقق و تنفق۔ موضوعات کبیر مترجمہ ملا علی ص ۲۶۹

یہ بات قواعد کلیہ میں داخل ہے کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفسیر قرآنیہ متداول کتابوں کے علاوہ اور کتابوں سے نقل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ متداول کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ وہ کتابیں زنادقہ کی وضع کردہ ہوں یا ملحدوں نے ان میں الحاق کر دیا ہو۔ برخلاف محفوظ کتابوں کے کیونکہ

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
حیات ... لوگ ... [illegible] ... سے
ایک حدیث ... اگرچہ نہ تھی۔ لیکن آخر عمر میں ان کی تحقیق میں
خراب ہو گئی۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بغیر کسی علم
روایت بیان کرتے ہیں لیکن جب ان کے سامنے صحیح اور
لکھی بات آتی ہے تب بھی وہ اس سے رجوع نہیں
کرتے تھے۔ لوگ ان پر غلط گوئی کا الزام لگاتے۔ ان میں سے
بعض زندیق ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کو برباد کرنے
اس میں شک پیدا کرنے اور اسلام کا مذاق اڑانے کے لئے
احادیث وضع کیں۔ بعض زنادقہ ان بزرگوں کے پاس جاکر
ان سے وہ احادیث بیان کرتے جو ان بزرگوں نے اپنے
اساتذہ سے اپنی یادداشتوں میں نہیں لکھی تھیں اور وہ ان
روایات کو تحریر کر لیتے اور اس طرح ان کی روایات میں زنادقہ
کی روایات شامل ہو جاتیں۔ ان بزرگوں میں سے ایک گروہ
مذہب کی تبلیغ کے لئے احادیث وضع کرتا۔ ایک گروہ
ترغیب و ترہیب میں احادیث وضع کرتا۔ ایک گروہ
ایسا بھی تھا جو ہر اچھی بات کو حضورؐ کی جانب منسوب کر کے

اس کے لئے سند وضع کر لیتا۔ ایک گروہ نے بادشاہوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے احادیث وضع کیں اور ان میں سے ایک گروہ قصہ گو واعظوں کا تھا جو لوگوں کو مائل کرنے کے لئے ایسی احادیث تلاش کرتا جس سے لوگوں کے دل پسیجیں یا وہ تعجب میں مبتلا ہوں۔"

یہ زہاد واتقیاء اور صوفیاء کا حال ہے۔ اسی سے آپ ان کی کتابوں کی حیثیت کا اندازہ کرلیں اور اس پر بھی غور فرمالیں کہ ایسی صورتوں میں ان کے قول وفعل کی کیا حیثیت ہوگی۔ اسی باعث اس برصغیر ہندوستان کے ایک مشہور صوفی اور عالم یعنی مجدد الف ثانی کو یہ اقرار کرنا پڑا۔

عمل صوفیاء در حل وحرمت سند نیست، ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم، و مر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابی حنیفہ وامام ابو یوسف وامام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی وابوالحسن نوری

مکتوبات دفتر اول ص ۳۳۵، مکتوب ۲۶۶

حلت وحرمت میں صوفیاء کا کوئی عمل سند نہیں ہے ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم انھیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں (حالانکہ جو فعل ملامت کے قابل ہوتا ہے اس پر ملامت ضرور کی جاتی ہے) اور انھیں خدا تعالیٰ کے سپرد کردیں۔ اس جگہ امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۵۰ھ، ابویوسف المتوفی ۱۸۲ھ اور امام محمد المتوفی ۱۸۵ھ کا قول معتبر ہے۔ نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوالحسن نوری کا عمل۔

امام مسلم رحمہ اللہ المتوفی ۲۶۱ھ نے اپنی صحیح مسلم میں امام یحییٰ بن سعید القطان المتوفی ۱۹۸ھ سے جو فن رجال کے سب سے بڑے امام

اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف کے شاگرد تھے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

لم تر الصالحین فی شیئ اکذب منھم فی الحدیث

مسلم ج۔ ۱ ص ۱۴

ہم نے صالحین سے زیادہ حدیث میں کسی کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔

ابن ابی عتاب نے انھی یحییٰ بن سعید کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لم ترا ھل الخیر فی شیئ اکذب منھم فی الحدیث

مسلم ج۔ ۱ ص ۱۴

تو نیک لوگوں کو دیکھے گا کہ ان سے زیادہ حدیث میں جھوٹ بولنے والا کوئی دوسرا نہیں۔

اس کے بعد امام مسلم اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار فرماتے ہیں۔

یجری الکذب علی لسانھم ولا یتعمدون الکذب

مسلم ج۔ ۱ ص ۱۴

ان کی زبانوں پر بلا ارادہ جھوٹ جاری رہتا ہے (گویا ایک قینچی ہے جو چلتی رہتی ہے۔)

"تابعین و تبع تابعین کے دور میں بلکہ پانچویں صدی سے قبل صوفیاء کو "صالحین" "اہل خیر" "زاہد" اور "متقی" کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ صوفی کا لقب پانچویں صدی میں وضع کیا گیا اور یہ عجمیوں کی ایجاد ہے۔ عربی زبان میں صوفی کا لفظ تک موجود نہیں اور معنوی لحاظ سے بھی یہ درست نہیں۔ کیونکہ اگر یہ "صوف" سے بنا ہے تو صوف پہننے والے کو "لابس الصوف" اور "صاحب الصوف" کہا جائے گا۔ اس کا اسم فاعل کوئی نہیں آتا اور نہ عربی زبان میں یائے نسبتیہ سے اسم فاعل بنتا ہے اور اگر یہ

"صفہ" سے مشتق ہے تو اسے "صاحب الصفہ" کہا جائے گا اور اگر صفہ میں یائے نسبتیہ کا اضافہ بھی کیا جائے تو وہ "صُفّی" بنے گا نہ کہ "صوفی" اور اگر اس کی نسبت "صفا" کی جانب ہے تو اس کا اسم فاعل "صافی" آئے گا نہ کہ "صوفی"۔

جہاں تک امام مسلم کے اس فرمان کا تعلق ہے کہ یہ لوگ عمداً جھوٹ نہ بولتے بلکہ یا تو جھوٹ کے اتنے عادی ہو گئے تھے کہ انھیں جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوتی، یا حدیث سے جہالت کے باعث انھیں حدیث کے جھوٹے ہونے کا علم ہی نہ ہوتا۔ ہمارے نزدیک یہ صوفیاء ان دونوں صفات سے متصف ہیں۔ بلکہ امام مسلم کے بعد اور ان کے دور میں ایسے بھی صوفیاء گزرے ہیں جو حدیث میں جھوٹ بولنا کارِ خیر سمجھتے۔

صوفی غلام خلیل جس نے دنیا کی کوئی شے بھی اپنے لئے اختیار نہیں کی اور جس نے تمام زندگی باقلا (لوبھیا) کھا کر گزاری اس نے خود احادیث وضع کرنے کا اقرار کیا۔

صوفی ابو داؤد النخعی تمام رات نماز پڑھتا اور ہمیشہ روزے رکھتا۔ لیکن احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس کا حال امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے۔

صوفی ابو بشر المروزی جو اپنے دور میں سب سے زیادہ سنت کا پابند اور بدعات کا دشمن تھا۔ لیکن اس نے شہر قزوین کی فضیلت میں چالیس احادیث وضع کیں۔ جن میں سے بعض ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔

صوفی نوح بن ابی مریم نے عکرمہ کے واسطہ سے ابن عباس کے نام سے ہر ہر صورت کی فضیلت میں احادیث وضع کیں اور جب اس سے اس کا استفسار کیا گیا تو کہنے لگا۔

انی رایت الناس اعرضوا عن القرآن واشتغلوا بفقہ

ابی حنیفة ومغازی ابن اسحاق فوضعت هذہ الاحادیث حسبة۔

جب میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن سے اعراض کرنے لگے، اور ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی میں مشغول ہو گئے تو میں نے ثواب کی غرض سے یہ احادیث وضع کیں۔

وہب بن حفص کا خوفِ الٰہی سے یہ حال تھا کہ بیس سال تک اس نے کسی سے کلام نہیں کیا۔ لیکن ابوعروبہ کا بیان ہے۔

یکذب کذبا فاحشا

علانیہ جھوٹ بولتا تھا۔

ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کسی کی کوئی عمدہ بات سنتا یا دیکھتا اس کے لیے فوراً سند وضع کر کے حضور کی جانب منسوب کر دیتا صوفی محمد بن سعید جو اسی جرم میں پھانسی پر چڑھایا گیا اس کا قول ہے۔

لاباس اذا کان کلام حسن ان تضع لہ اسناداً

موضوعات ابن الجوزی از ص۴۱ تا ص۴۲

جب تم کسی اچھے کلام کو دیکھو تو اس کے لیے سند وضع کر لو۔

موجودہ کتب تصوف ان تمام اقسام کے جھوٹ سے معمور ہیں۔ بلکہ بعض کتابیں تو اتنے گرے درجہ کی ہیں کہ ان کتابوں میں کوئی روایت ایسی نہیں جس کے بارے میں صداقت کا کوئی شائبہ بھی پیدا ہو سکے۔ بلکہ حلفیہ طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کتابوں میں جتنی احادیث اور صحابہ کے اقوال بیان کئے گئے ہیں وہ سب سپید جھوٹ ہیں۔ غزالی کی احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، منہاج النبوت اور مشکوٰۃ الانوار، ابن جہضم کی بہجۃ الاسرار، عبدالرحمان سلمی کی حقائق التفسیر، عبدالقادر کی غنیہ اور فتوح الغیب، ابن العربی کی فصوص الحکم اور رومی کی مثنوی وغیرہ میں جتنی روایات پیش کی گئی ہیں وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام پر صریح اتہام ہیں۔

اسی طرح ابو علی ہجویری کی کشف المحجوب کا حال ہے۔ یہ لوگ جہاں حدیث سے ناواقف محض ہیں وہاں تاریخ سے بھی بالکل کورے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان کتابوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

کتب تفاسیر کا حال

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ اپنی کتاب "لسان المیزان" میں رقم فرماتے ہیں۔

قال الامام احمد ثلاثة کتب لیس لها اصول وهی المغازی والتفسیر والملاحم

امام احمد فرماتے ہیں تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں جن کا کوئی اصول نہیں۔ مغازی، تفسیر اور ملاحم (یعنی آئندہ فتنوں کی پیشین گوئیاں)

اس کے بعد حافظ صاحب اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں

ینبغی ان یضاف الیها الفضائل فهذه اودیة الاحادیث الضعیفة والموضوعة اذا کانت العمدة فی المغازی علی مثل الواقدی وفی التفسیر علی مثل مقاتل والکلبی وفی الملاحم علی الاسرائیلیات واما الفضائل فلا تحصی۔

لسان المیزان ج ۱ ص ۱۳ فوائد جامعہ ص ۹۳

ان تینوں کے ساتھ فضائل کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ضعیف اور موضوع احادیث کی وادیاں ہیں۔ اس لیے کہ مغازی کا زیادہ تر دارومدار واقدی المتوفی ۲۰۷ھ پر، تفسیر کا مقاتل و

کلبی المتوفی ۱۵۰ھ پر اور ملاحم کا اسرائیلیات پر ہے۔ لیکن فضائل کا تو کوئی شمار ہی نہیں (یعنی ان کے واضعین بھی حد و شمار سے باہر ہیں۔ اور صوفیاء اس فن کے امام ہیں

امام ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ کتاب الرد علی البکری میں رقم طراز ہیں۔

والتفاسیر اللتی اعلمو ناانہا من الموضوعات و المناکیر اذا کان تفسیر الثعلبی و صاحبہ الواحدی ونحوھما فیہما من الغریب الموضوع فی الفضائل و التفسیر ما لا یجوز الاعتماد علی مجرد عزوہ الیہما فکیف بغیرھا کتفسیر ابی القاسم القشیری و ابی اللیث السمرقندی وتفسیر ابی عبد الرحمن السلمی فوائد جامعہ ص۹۵

اور وہ تفاسیر جنھیں ہم جانتے ہیں ان میں بھی موضوعات اور منکرات جمع ہیں۔ جیسے ثعلبی اور اس کے شاگرد واحدی کی تفسیر اور اسی قسم کی دیگر تفاسیر کہ ان میں فضائل و تفسیر کے بارے میں غریب اور موضوعات جمع ہیں۔ خالی ان کی روایت کرنے سے ان پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔ تو ان تفاسیر کا کیا حال ہو گیا جو ان کے رتبہ کو بھی نہیں پہنچتیں۔ مثلاً ابوالقاسم قشیری اور ابو اللیث سمرقندی کی تفاسیر اور صوفی ابو عبدالرحمان سلمی کی تفسیر

شیخ محمد طاہر پٹنی حنفی المتوفی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں فرماتے ہیں۔

ومن المفسرین طوائف مبتدعۃ صنفوا التفاسیر علی مذھبہم مثل عبد الرحمان

بن کیسان الاصم و الجبائی والرمانی والزمخشری ومنهم من یدس البدع کلامہ واکثر الناس لا یعلمون کذلک۔ کصاحب الکشاف حتی انہ یروج علی خلق کثیر من تفاسیرهم الباطلة۔

مفسرین میں بھی بدعتیوں کے ٹولے ہیں۔ جنھوں نے اپنے اپنے مسلک کے مطابق تفاسیر لکھی ہیں جیسے عبدالرحمٰن بن کیسان الاصم الصوفی، جبائی، رمانی زمخشری۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی بدعات کو اس طرح لپیٹ کر بیان کرتے ہیں جن کو اکثر لوگ سمجھ نہیں پاتے۔ جیسے "تفسیر کشاف" کا مصنف (یعنی زمخشری معتزلی۔ افسوس کہ بیضاوی نے بھی اپنی کتاب میں زمخشری کا خلاصہ پیش کر دیا ہے) حتی کہ اس طرح مخلوق کی زبان پر باطل تفاسیر جاری ہو گئیں۔

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

ورایت فی بعض الرسائل لابن تیمیة قدس سرہ کما ان للحدیث ادلة تقطع فلہ ادلة تقطع بکذبہ مثل ما رواہ الوضاعون من اهل البدع والغلو فی الفضائل کحدیث یوم عاشوراء وصلاتہ وفی التفسیر من هذہ الموضوعات کثیر کما یرویہ الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضل السور والثعلبی فی نفسہ کان ذاخیر ودین لکن کان حاطب لیل ینقل ما وجد فی کتب التفسیر من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبہ کان ابصر منہ بالعربیة لکن هو ابعد عن اتباع

السلف والبغوی تفسیرہ مختصر من الثعلبی لکن
صان تفسیرہ من الموضوع والبدع فوائد جامعہ ۹۶

"میں نے ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ قدس سرہ کے بعض رسائل میں دیکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حدیث کی صحت کے لیے قطعی دلائل ہوتے ہیں۔ اسی طرح حدیث کے جھوٹ ہونے کے بھی قطعی دلائل ہوتے ہیں۔ مثلاً انھیں بدعتی وضاعین نے وضع کیا ہو اور فضائل میں غلو سے کام لیا گیا ہو۔ جیسے عاشوراء کے روز کی فضیلت اور اس میں نماز پڑھنے کا ذکر، تفاسیر میں اس قسم کی موضوعات بھری ہوئی ہیں۔ جیسا کہ مختلف سورتوں کی فضیلت میں ثعلبی، واحدی اور زمخشری مختلف احادیث نقل کرتے ہیں (لیکن وہ سب موضوع یا ضعیف ہوتی ہیں) ثعلبی اگرچہ بالذات دیندار اور صاحبِ علم ہیں۔ لیکن ان کی مثال رات کے لکڑہارے کی طرح ہے کہ جو کچھ بھی پہلی تفاسیر میں مل گیا اسے اپنی تفسیر میں بلا سوچے سمجھے نقل کر دیا۔ خواہ وہ صحیح ہو یا ضعیف یا موضوع۔ واحدی جو ثعلبی کا شاگرد ہے وہ عربی زبان کا اپنے استاد سے زیادہ ماہر ہے۔ لیکن اتباع سلف سے وہ بھی دور ہے۔ بغوی المتوفی ۵۱۶ھ کی تفسیر اگرچہ ثعلبی کی تفسیر سے مختصر ہے لیکن موضوعات اور بدعات سے پاک ہے۔

یہ ہر دو مضامین خود انتہائی طویل مضامین ہیں۔ اس پر ہم مزید بحث کرنا نہیں چاہتے۔ ہماری غرض و غایت صرف یہ ہے کہ کتب تصوف اور کتب تفاسیر سے کسی حدیث کا ثبوت ممکن نہیں بلکہ ان کتابوں میں پائے جانے سے اس کے موضوع یا شدید ضعیف ہونے کا احتمال قوی ہو جاتا ہے ہماری اس تمام تقریر کا مقصود یہ ہے کہ تیسرے درجہ کی کتب

احادیث یا "غنیہ" وغیرہ میں کسی روایت کا پایا جانا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں اور جب کہ وہ بھی بلا سند ہوں۔ یا سند منقطع وغیرہ ہو یا اس کے رواۃ کذاب ہوں۔ ایسی صورت میں تو کتب حدیث کی روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

ہماری سمجھ میں قطعاً یہ نہیں آتا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ شب برات سے متعلقہ تمام روایات یا تو حدیث کے تیسرے اور چوتھے طبقے کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ جب کہ پہلے یا دوسرے طبقہ میں اس کا کہیں وجود نہیں یا کتب تصوف اور کتب تفاسیر میں ملتی ہیں۔ کہیں یہ ان صوفیاء کی وضع کردہ تو نہیں جو اپنی جہالت سے یہ کام سرانجام دیتے رہے ہیں جیسا کہ آپ اوپر ملا علی قاری اور جزری وغیرہ کے بیانات پڑھ چکے ہیں۔ ورنہ پھر یہ روایات مقاتل وکلبی جیسے مفسرین کی وضع کردہ ہیں۔

یہ بھی ہماری سمجھ سے بالاتر امر ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی نے علم حدیث ابو غالب بن الباقلانی، جعفر السراج، ابوبکر بن سوسن، ابن بیان، ابن خشیش ابو طالب بن یوسف اور ابو الزینبی سے حاصل کیا۔ لیکن ان حضرات کی ایک روایت بھی شیخ صاحب کی کتابوں میں نہیں ملتی۔ بلکہ جتنی روایات ملتی ہیں وہ سب ابو نصر یا ہبتہ اللہ السقطی سے ملتی ہیں اور کوئی مؤرخ یہ بیان نہیں کرتا کہ شیخ صاحب کے استاذوں میں ابو نصر اور ہبتہ اللہ بھی ہیں جب کہ ہبتہ اللہ کذاب ہے اور ابو نصر مجہول الحال اور مجہول العدالت ہے اور اس کی بیان کردہ روایات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو وہ اول درجہ کا جاہلِ مطلق ہے ورنہ پھر زندیق ہے۔ شب برات سے متعلقہ جتنی روایات بھی "غنیہ" میں پائی جاتی ہیں سب اسی سے مروی ہیں اور ان کا تضاد بھی اظہر من الشمس ہے جس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ شیخ صاحب کی تصنیف نہ ہو اور کسی نے ان کی "غنیہ" میں تحریف کر کے ان کی جانب منسوب کر دی ہو۔ یہ بھی ایک صورت

ہے جس سے شیخ صاحب کی ذات کو ہدف بننے سے بچایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ احتمال زیادہ جان نہیں رکھتا اس لیے کہ "فتوح الغیب" میں بھی احادیث کا یہی حال ہے اور مجبوراً وہی بات کہنی پڑتی ہے جو مجدد الف ثانی نے صوفیاء کے بارے میں فرمائی تھی۔

ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و مر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم۔

ہمارے لیے یہ بھی بہت ہے کہ ہم انھیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیں (لیکن پھر غوثیت کا کیا بنے گا)

ورنہ ایک محدث کا فیصلہ تو یہی ہو گا کہ جو شخص منکر روایات بیان کرتا ہو وہ خود منکر الحدیث ہوتا ہے اور اس کی روایت مردود ہوتی ہے۔

واللہ اعلم

غنیہ کی ایک اور کہانی

حدثنا ابو نصر عن والدہ عن محمد بن احمد الحافظ عن محمد عن عبد اللہ بن محمد عن ابی العباس الھراتی وعن محمد بن حسن عن ابی عامر الدمشقی عن ولید بن مسلم عن ھشام بن الغاز وسلیمان بن مسلم عن مکحول عن عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لھا یا عائشۃ ایۃ لیلۃ ھی قالت اللہ ورسولہ اعلم فقال لیلۃ النصف من شعبان فیھا ترفع

اعمال الدنیا واعمال العباد ﷲ فیہا عتقاء من النار بعدد شعر غنم کلب فہل انت اذنت اللیل قالت قلت نعم فصلی فخفف القیام! وقرا الحمد وسورۃ خفیفۃ ثم سجد الی شطر اللیل ثم قام فی الرکعۃ الثانیۃ فقرا نحوا من قراءۃ الاولیٰ فکان سجودہ الی الفجر قالت عائشۃ وکنت انظرہٗ حتی ظننت ان اللہ تعالیٰ قد قبض رسولہ! فلما طال علی دنوت منہ حتی مسست اخمص قدمیہ فتحرک فسمعتہ یقول فی سجودہ اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذبک منک جل وجھک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک قلت یارسول اللہ قد سمعتک تذکر فی سجودک اللیلۃ شیئاً ما سمعتک تذکرہ قط قال صلی اللہ علیہ وسلم اوعلمت ذلک قلت نعم قال صلی اللہ علیہ وسلم تعلمیہن فان جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام امرنی ان اذکرھن فی السجود۔ غنیہ ج ۱ ص ۶۸۸

ہم سے ابو نصر نے حدیث بیان کی وہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے وہ محمد بن احمد الحافظ سے وہ محمد سے وہ عبداللہ بن محمد سے وہ ابو العباس الہراتی سے وہ محمد بن حسن سے وہ ابو عامر دمشقی سے وہ ولید بن مسلم سے وہ ھشام بن الغاز اور سلیمان بن مسلم سے وہ مکحول سے مکحول حضرت عائشہ رض سے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

فرمایا اے عائشہ جانتی ہے یہ کون سی رات ہے انھوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے۔ اس رات میں دنیا اور بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں۔ اس رات میں بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگ اللہ کی طرف سے دوزخ سے آزاد کئے جاتے ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا کہ اے عائشہ کیا تو اس رات مجھے اجازت دیگی۔ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے نماز پڑھی اور بہت ہلکا قیام کیا۔ سورت فاتحہ پڑھی اور ایک چھوٹی سی سورۃ پڑھی۔ پھر آدھی رات تک سجدہ کیا۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے اور پہلی رکعت کی طرح قراءت کی اور آپ کا یہ سجدہ صبح صادق تک رہا حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں دیکھ رہی تھی (کیا کوئی تماشا تھا) حتی کہ مجھے یہ گمان گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی روح قبض فرمالی ہے۔ جب یہ فکر مجھے طویل ہوگئی تو میں آپ کے قریب ہوئی اور آپ کی ایڑیوں کو چھوا تو میں نے آپ کو سجدے میں یہ فرماتے سنا میں آپ کے عفو کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ کے واسطہ سے آپ کی ذات سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ کی ذات باعظمت ہے۔ میں آپ کی ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا بیان فرمائی ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے آج کی رات آپ کو سجدے میں وہ کلمات پڑھتے سنا ہے جو کبھی نہیں سنے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے وہ کلمات معلوم کر لئے ہیں

نے عرض کیا جی ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انھیں سیکھ لے۔ کیونکہ جبرئیل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان کلمات کا سجدے میں ذکر کیا کروں۔

معنوی حیثیت

یہ روایت قطعاً موضوع ہے اور اس کے موضوع ہونے کی متعدد وجوہات ہیں۔

۱۔ آپ اوپر صحیح مسلم کی ایک صحیح حدیث میں یہ مطالعہ کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ایک رات سجدہ میں مانگی۔ اس میں نہ کسی مخصوص رات کا ذکر ہے نہ سوالات وجوابات کا اور نہ نماز کی تعداد اور کیفیت کا۔ یہ روایت اُس کے خلاف ہے۔

۲۔ راوی کہتا ہے کہ اس رات دنیا اور بندوں کے اعمال اٹھاتے جاتے ہیں اگر دنیا سے مراد اہلِ دنیا ہیں تو بندوں کے اعمال کا جداگانہ ذکر بے کار ہے اور اگر دنیا سے مراد فی الحقیقت دنیا ہے تو دنیا کوئی مجسّم شئے نہیں بلکہ دُنیا قریبی زمانہ کو کہا جاتا ہے اور زمانہ کے اعمال اُٹھاتے جانے کا کوئی قائل نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ بندوں اور انسانوں کے علاوہ اہلِ دنیا سے اور مخلوقات مراد ہیں تو ان کا اٹھایا جانا بھی ایک مہمل بات ہے۔ یہ دوسری شئے ہے کہ اس کا تعلق علم باطن سے ہو۔ اس عبارت میں سے ایک جملہ یقیناً مہمل ہے۔

۳۔ "غنیہ" کی پہلی روایت میں یہ دعا بہت طویل تھی اور اس روایت میں مختصر ہے اور پہلے "ترمذی" "ابنِ ماجہ" اور "غنیہ" کے حوالہ سے حجاج بن ارطاۃ کی جو روایت گزر چکی ہے اس میں نہ دُعا کا ذکر تھا نہ نماز کا۔ اس طرح یہ تینوں روایات ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ اگر یہ ایک ہی واقعہ ہے تو ان کا تضاد دُور کیجئے اور اگر یہ متعدد واقعات ہیں تو کیا حضرت عائشہ اتنی کم فہم تھیں کہ ہر سال اس قسم کا واقعہ پیش آنے کے بعد انھیں کچھ بھی یاد نہ

رہتا اور ہر سال پھر کہانی دہرانی پڑتی۔

۴۔ ان تینوں واقعات کو اگر جداگانہ تسلیم کیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ ایک سال آپ صرف بقیع گئے اور کوئی عمل انجام نہیں دیا۔ دوسرے سال نماز کے نام سے اُٹھتے بیٹھتے رہے اور تیسرے سال صرف دو سجدوں ہی میں رات گزار دی۔ کیا ان کہانیوں کو قبول کرنے والے اسی طریقۂ کار پر عمل کرتے ہیں۔

۵۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ خاموشی سے بقیع تشریف لے گئے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاموشی سے بستر سے نکل کر نماز میں مشغول ہو گئے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بقیع تو قطعاً نہیں گئے اور نماز بھی حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے یہ کام خاموشی سے انجام نہیں دیا۔ اس صورت میں یا تو یہ روایت جھوٹ ہے یا پہلی دونوں روایتیں جھوٹی ہیں۔ یا یہ تمام روایات ہی جھوٹ ہیں۔ ان کی صداقت اسی وقت ہی قبول کی جا سکتی ہے جب اُن کا تضاد دُور کر دیا جائے جو قیامت تک بھی ممکن نہیں۔ ہاں اگر آپ چاہیں تو پیرانِ پیر کی قبر پہ جا کر بذریعہ کشف قبر اُن سے یہ ضرور معلوم کر سکتے ہیں کہ اس قسم کی متضاد کہانیاں بیان کرنے سے آپ کا کیا مقصد تھا؟

۶۔ پہلی روایت میں نزولِ الٰہی کا بھی ذکر تھا لیکن اس روایت میں راوی اُسے ذکر کرنا بھول گیا۔

۷۔ حضرت عائشہؓ کی سابقہ روایت میں بیان کیا گیا تھا کہ اس شب میں پیدا ہونے والوں اور مرنے والوں کے نام تحریر کئے جاتے ہیں اور بندوں کا رزق لکھا جاتا ہے اور اس روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ اس رات کی تمام تگ و دو صرف اس لئے ہے کہ ان ملاؤں اور صوفیوں کا نام مُردوں کی فہرست میں نہ لکھ لیا جائے۔ حالانکہ اس کے باوجود بھی ایک نہ

ایک وقت یہ سب ملک الموت کے منہ میں چلے جاتے ہیں یا دوسرا مقصد روزی ہو سکتا تھا وہ بھی اس روایت میں ختم کر دیا گیا اور اگر یہ مقصد باقی بھی ہو تو ہم بہت سے شب براتیوں کو اس تگ و دو کے باوجود فاقے کرتے بھی دیکھتے ہیں۔ حالانکہ نبی کا فرمان غلط نہیں ہو سکتا اور جو لوگ ایک سال کے لیے موت سے چھٹکارا بھی پا جاتے ہیں اور ان کا رزق بھی کشادہ ہو جاتا ہے تب بھی ان کی غرض اس عبادت سے دنیا ہوئی نہ کہ آخرت اور رضائے الٰہی۔ حالانکہ عبادت کا اصل مقصود رضائے الٰہی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ بقرہ

اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لیے اپنی جان کو بھی فروخت کر دیتے ہیں۔

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ۔ البینہ

انھیں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اور دوسروں سے بے پروا ہو کر اس کی عبادت کریں۔

۸۔ اس روایت میں جس دُعا کا ذکر ہے وہ احادیث صحیحہ سے اور مواقع پر ثابت ہے لیکن کسی صحیح یا موضوع روایت میں جَلَّ وَجْهُكَ کے الفاظ موجود نہیں، یہ لفظ صرف اسی روایت میں پایا جاتا ہے۔

۹۔ گذشتہ روایات سے معلوم ہوتا تھا کہ حضور نے اس شب کی فضیلت عبادت و عمل سے فراغت کے بعد بیان فرمائی تھی۔ اس طرح حضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو اس نعمتِ عظمیٰ سے محروم رکھا۔ لیکن اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس شب کی فضیلت شروع رات میں عبادت شروع کرنے سے قبل بیان فرما دی تھی۔

۱۰۔ اس روایت میں حضرت عائشہؓ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام رات حضورؐ کو سجدہ کرتے دیکھتی رہیں، حتیٰ کہ ان کے دل میں حضورؐ کی زندگی کی جانب سے بدگمانی بھی پیدا ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہؓ نے کوئی عبادت نہیں کی اور عمداً اس فضیلت کو ترک فرمایا۔ کہیں یہ حضرت عائشہؓ پر تبرا تو نہیں کہ انھوں نے حضورؐ کا فرمان سننے کے باوجود اس پر عمل نہیں کیا۔

۱۱۔ چونکہ حضرت عائشہؓ تمام رات حضورؐ کو دیکھتی رہیں اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ پوری رات جاگتی رہیں اور جب انھوں نے کوئی عبادت نہیں فرمائی تو علماء اور صوفیاء ہمیں بتائیں کہ اس رت جگے کا مقصد کیا تھا۔

۱۲۔ پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ تمام رات اٹھتے بیٹھتے رہے یعنی بکثرت اور لاتعداد نوافل پڑھتے رہے اور اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے تمام رات صرف دو سجدوں میں گزار دی۔ حالانکہ ہر دو روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔ اس طرح یہ دونوں متضاد ہوئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حضرت عائشہ کی ایک صحیح حدیث بھی پیش نظر رکھیے جس میں حضورؐ کی رات کی نماز کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور جس سے ان ہر دو روایات کا رد ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ یصلی اربعا فلا تسال عن حسنھن و طولھن ثم یصلی اربعا فلا تسال عن حسنھن وطولھن ثم یصلی ثلاثا۔ بخاری ج۔۱ ص۱۵۴، مسلم ج۔۱ ص۲۵۴، نسائی ج۔۱ ص۱۷۵، ابوداؤد ج۔۱ ص۱۹۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان ہو یا غیر رمضان گیارہ

رکعت سے زیادہ ادا نہ فرماتے۔ پہلے چار رکعت پڑھتے تو ان کی خوبصورتی اور ان کی طوالت کا حال نہ پوچھ، پھر چار رکعت پڑھتے تو پھر ان کی خوبصورتی اور طوالت کا حال نہ پوچھ، پھر تین رکعت پڑھتے۔

حضور کی نماز طویل ہوتی صرف سجدے طویل نہ ہوتے اور نہ صرف دو سجدوں پر اکتفا کی جاتی بلکہ آپ مع وتروں کے گیارہ رکعت ادا فرماتے اور نہ رکعات کی تعداد فضول زیادہ ہوتی جس سے نماز کی طوالت اور حسن میں فرق آتا تھا، آپ کا قیام، رکوع اور سجود سب مساوی ہوتے لیکن بقول راوی اس افضل شب میں صرف دو رکعت پر اکتفا فرمائی حالانکہ یہ آپ کے معمول کے خلاف ہے اور پھر اس رات میں تو زیادہ عبادت ہونی چاہیئے تھی۔

۱۲۔ اس روایت کو ایک بار پھر غور سے پڑھیئے تو آپ کو یہ محسوس ہو گا کہ ان دو رکعتوں میں صرف دو سجدے کیئے گئے ہیں اور رکوع قطعاً نہیں کیا گیا ہے یہ کس قسم کی نماز تھی اس کا جواب علم باطن کے جاننے والوں سے حاصل کیجئے۔

۱۴۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضورؐ کو حضرت جبرئیل نے یہ دُعا سجدہ میں پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آیا یہ حکم اسی رات کے ساتھ مخصوص ہے یا ہمیشہ کے لیے ہے۔ اگر ہمیشہ کے لیے ہے تو تمام اُمت کا عمل اس کے خلاف ہے اور احادیث صحیحہ کے ذریعہ حضورؐ سے سجدہ میں مختلف تسبیحات اور دعائیں پڑھنے کا ذکر ثابت ہے اور اگر یہ دُعا اسی رات کے ساتھ مخصوص ہے تو پہلی حدیث پر بحث کے دوران حضرت عائشہؓ سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضورؐ نے ایک اور شب میں بھی یہ دُعا پڑھی تھی اور حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ آپؐ ہمیشہ یہ دُعا وتروں کے آخر میں پڑھتے تھے۔

۱۵۔ جب حضورؐ یہ دعا ہمیشہ پڑھتے تو حضرت عائشہؓ کا اس روایت میں یہ فرمانا کہ میں نے آپؐ کو ایسی دُعا کرتے سنا ہے جو پہلے کبھی نہیں سُنی یہ غلط ہوا اور جب کہ حضرت عائشہؓ اس سے پہلے بھی یہ دُعا سن چکی تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ وتر گھر میں ادا فرماتے اور حضورؐ یہ دُعا وتروں کے آخر میں پڑھتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہو۔ جب کہ حضرت عائشہ کو آپ کی رات کی نمازوں کی کیفیات اور ایک ایک جزئیہ کا علم ہے۔ گویا یہ بھی حضرت عائشہ پر ایک تبرا ہے۔

۱۶۔ ہم اپنے علماء سے ایک فتوٰی طلب کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمام رات دو رکعت نفل میں گذار دے اور وتر چھوڑ دے اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ کیونکہ اس روایت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ نے اس رات وتر ادا نہیں فرماتے۔ یا یہ بیان فرمادیں کہ ان نفلوں کا درجہ وتروں سے بڑھ کر ہے۔ تو پھر ہم یہ سوال کریں گے کہ آپ کے نزدیک وتر واجب ہیں یا نفل۔ اگر آپ وتر کے وجوب کے قائل ہیں تو واجب کو ترک نہیں کیا جا سکتا اور عمداً واجب کا ترک کرنے والا فاسق و فاجر ہے اور اگر آپ نفل فرماتے ہیں تو وتروں کے نفل ہونے کا آج تک کوئی قائل نہیں حتیٰ کہ پیران پیر کے امام امام احمد بن حنبل بھی۔ یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں۔ حتیٰ کہ آپ نے ابوالدرداءؓ اور ابوہریرہؓ کو وصیت فرمائی کہ سونے سے قبل وتر ضرور پڑھ لیا کرو تاکہ قضا نہ ہو جائیں ابوہریرہؓ کے الفاظ ہیں۔

اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوتر قبل النوم۔ بخاری ج۔ ۱ ص ۱۳۵، نسائی ج۔ ۱ ص ۱۷۳

ابوداؤد ج۔ ۱ ص ۲۱، نسائی ج۔ ۱ ص ۱۷۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے سے قبل وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔

حضرت ابوالدرداءؓ کے الفاظ ہیں۔

اوصانی خلیلی صلی اللہ علیہ وسلم لا انام الا علی وتر۔ ابوداؤد ج۔ ا صـ۲۱

مجھے میرے دوست صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ میں بغیر وتر پڑھے نہ سوؤں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے دریافت فرمایا کہ تم دونوں وتر کس وقت پڑھتے ہو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ میں شروع شب میں پڑھتا ہوں اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں آخر شب میں پڑھتا ہوں۔

فقال لابی بکر اخذ هذا بالحزم وقال لعمر اخذ هذا بالقوة۔ ابوداؤد ج۔ ا صـ۲۱

آپؐ نے ابوبکرؓ کے لئے فرمایا کہ ابوبکرؓ نے احتیاط پر عمل کیا اور عمرؓ کے لئے فرمایا کہ عمرؓ نے طاقت و قوت پر عمل کیا۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے

کل اللیل اوتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانتہی وترہ الی السحر۔ بخاری ج۔ ا صـ۱۳۶، مسلم ج۔ ا صـ۲۵۵، ابوداؤد ج۔ ا صـ۲۱۔ نسائی ج۔ ا صـ۱۷۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصہ میں وتر ادا فرمائے ہیں اور آپؐ کے وتروں کی انتہا سحر تک ہوئی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وتر کسی صورت میں ترک نہیں کئے جا سکتے اور اگر حضورؐ نے اس رات وتر ترک کئے ہوتے تو حضرت عائشہؓ ضرور سوال

رماتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے سامنے اس قسم کا کوئی ہیبت
ک حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

۱۷۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ حضورؐ ہمیشہ اس شب کی فضیلت حضرت عائشہؓ
سے تنہائی میں بیان کرتے ہیں اور کبھی بر ملا لوگوں سے کچھ بیان نہیں کرتے
یا حضورؐ اسے خود مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ اگر ایسا تھا تو ان علماء وصوفیاء
نے اسے کیوں عام کیا اور اگر حضورؐ نے اس کا عام اعلان کیا تھا تو حضرت
ائشہؓ کو کیوں علم نہیں ہوا۔

۱۸۔ گذشتہ روایت میں حضورؐ کے بستر کی جو کیفیت بیان کی گئی اس کا اس
ایت میں سرے سے وجود نہیں۔

۱۹۔ کیا نوافل پڑھنے کے لیے بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے؟ کیا علمائے
ل پر کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں؟ کیونکہ حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات
لے حضورؐ کی نماز کی جو کیفیات بیان فرمائی ہیں ان میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضورؐ
لے عبادت کے لئے کبھی بیویوں سے اجازت طلب کی ہو اور ساتھ ساتھ علماء
بھی بیان فرمادیں کہ اگر آج کل کی کوئی فلیشن ایبل بیوی یا کوئی وہابیہ اس رات
ماز پڑھنے سے منع کر دے تو کیا آپ اس رات کی عبادت چھوڑ دیں گے؟ اگر
پ کہتے ہیں کہ نہیں تو آپ نے خود اپنی بیان کردہ روایات کی مخالفت کی۔

سندی حیثیت

۱۔ اس روایت کے آخری راوی جو حضرت عائشہؓ سے اسے نقل کر رہے
ہیں وہ مکحول دمشقی المتوفی ۱۱۸ھ ہیں۔ وہ اگرچہ مشہور عالم ہیں اور بہت سوں
نے انھیں ثقہ بھی کہا ہے لیکن مؤرخ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا قول ہے۔

ضعفه جماعة

انھیں ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

هو صاحب تدليس وقد رمى بالقدر ويروى بالارسال عن ابى وعبادة بن الصامت وعائشة

میزان ج۔۴ ص۱۷۷

یہ حدیث میں تدلیس کرتے (یعنی درمیان سے ضعیف راوی ترک کر دیتے ہیں) اور ان پر انکار تقدیر کا بھی الزام ہے۔ یہ حضرت اُبیؓ، حضرت عبادہؓ بن الصامت المتوفی ۳۴ھ اور حضرت عائشہؓ سے مرسل روایات نقل کرتے ہیں۔

امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں۔

ان عامة حديث مكحول من الصحابة حوالة۔

معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۱

"مکحول کی صحابہ سے عام روایات بالواسطہ ہوتی ہیں۔"

ان تمام امور کے جمع کرنے سے چند باتیں سامنے آئیں۔ مکحول عام طور پر صحابہ سے جتنی روایات نقل کرتے ہیں وہ ان سے سنی ہوئی نہیں ہوتیں بلکہ مرسل ہوتی ہیں اور درمیان سے عمداً ضعیف راوی کو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ مدلس ہیں اور مدلس کا یہی کام ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ تقدیر کے منکر ہیں۔ اسی باعث ایک جماعت نے انہیں ضعیف کہا ہے اور بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔

۲۔ مکحول سے نقل کرنے والے ہشام بن الغاز ثقہ ہیں۔ لیکن یہ لفظ غاز ہے غار نہیں۔ افسوس کہ پیران پیر اُن کے معتقدین کے بقول ہر جگہ حاضر و ناظر رہتے ہیں لیکن ابھی ان کو غاز اور غار کی بھی خبر نہیں۔

۳۔ اس کا ایک راوی سلیمان بن مسلم الخشاب ہے ابن حبان اور ابوالفضل المقدسی کہتے ہیں۔

لاتحل الروایۃ عنہ   میزان ج ۲ ص ۲۲۳

اس سے روایت کرنا بھی حلال نہیں۔

۴۔ اس کا ایک اور راوی ابراہیم بن محمد بن الحسن الاصبہانی ہے حافظ ذہبی اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

حدث بھمدان فانکروا علیہ واتھموہ واخرج

میزان ج ۱ ص ۶۲

اس نے ہمدان میں احادیث بیان کیں۔ لوگوں نے ان پر انکار کیا (یعنی ان کو غلط بتایا) اور انھوں نے اس پر احادیث گھڑنے کا الزام لگایا اور اسی جرم میں اسے شہر بدر کر دیا گیا۔

۵۔ ابوالعباس الہروی اور ابو عامر دمشقی دونوں مجہول ہیں۔

۶۔ محمد بن احمد بہت سے ہیں۔ جن میں سے انسٹھ آدمیوں کا حال تو ذہبی نے میزان میں جمع کیا ہے۔ پہلے کشف قبور یا مشاہدۂ غیب کے ذریعہ یہ معلوم کر لیا جائے کہ یہ کونسا محمد بن احمد ہے۔ پھر اس کے بارے میں تبصرہ بعد میں کیا جائے گا۔

۷۔ عبداللہ بن محمد یہ ابن ابی سبرہ ہے جو مشہور کذاب اور وضاع الحدیث ہے۔ اس کا تفصیلی حال حضرت علیؓ کی روایت میں کیا جائے گا۔

۸۔ محمد ہزاروں کیا لاکھوں ہیں۔ اس کا کچھ اتہ پتہ بتلایئے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ محمد بن عمر المتوفی ۲۰۷ھ ہے جو واقدی کے لقب سے مشہور ہے اور معروف کذاب ہے اسی لئے اس کے باپ کا نام چھپایا گیا ہے۔

۹۔ اس کا ایک اور راوی ولید بن مسلم المتوفی ۱۹۰ھ ہے وہ بھی مدلس ہے۔ امام ابو مسہر المتوفی ۲۱۸ھ کا قول ہے۔

الولید مدلس وربما دلس عن الکذابین۔

میزان ج ۴ ص ۳۴۷

ولید مدلس ہے اور اکثر کذاب راویوں کو درمیان سے گرادیتا ہے
امام ذہبی فرماتے ہیں۔

اذا قال عن فلان وعن فلان فلیس بمعتمد لانہ
یدلس عن الکذابین ۔ میزان ج ۴ ص ۳۴۸

ولید جب یہ کہے کہ یہ روایت فلاں فلاں سے مروی ہے تو وہ قابلِ
اعتماد نہیں۔ کیونکہ وہ کذاب رواۃ سے تدلیس کرتا ہے۔

۱۰۔ ابو نصر اور ان کے ابا جان کا کوئی حال معلوم نہیں۔ غالباً یہ "غنیہ" کے فرضی
ہیرو ہیں۔

یہ ہے مصنف "غنیہ" کی علمی کرامت، انھوں نے بارہ سال کی ڈوبی نیا
پار لگائی یا نہیں لیکن دین کی نیا ضرور ڈبو دی ہے اور یہ ان کی کوئی صفتِ
خاص نہیں۔ بلکہ ہر صوفی نے یہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ اتفاق سے حضرت
عائشہؓ کی یہ طویل روایت بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے بھی نقل کی ہے۔ لیکن
بیہقی کی روایت اس کے بالکل برعکس ہے۔

مکحول کی ایک روایت پر تبصرہ

عن عائشۃ قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فوضع عنہ ثوبیہ ثم لم یستتم
ان قام فلبسہما فاخذتنی غیرۃ شدیدۃ ظننت
انہ یاتی بعض صویحباتی فخرجت اتبعہ فادرکتہ
بالبقیع یستغفر للمؤمنین والمؤمنات والشہداء
فقلت بابی وامی انت فی حاجۃ ربک وانا فی حاجۃ
الدنیا فانصرفت ودخلت فی حجرتی ولی نفس عال
ولحقنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما ھذا

النفس یا عائشۃ قلت بابی و امی اتیتنی فوضعت عنک ثوبیک ثم لم تستتم ان قمت فلبستھما فاخذتنی غیرۃ شدیدۃ ظننت انک تاتی بعض صویحباتی حتی رایتک بالبقیع تصنع ما تصنع فقال یا عائشۃ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک و رسولہ اتانی جبرئیل علیہ السلام فقال ھذہ لیلۃ النصف من شعبان وللہ فیہ عتقاء من النار کعدد شعور غنم کلب لا ینظر اللہ فیھا الی مشرک ولا الی مشاحن ولا الی قاطع رحم ولا الی مسبل ولا الی عاق لوالدیہ ولا الی مدمن قال ثم وضع ثوبیہ فقال لی یا عائشۃ تاذنین لی فی قیام ھذہ اللیلۃ قلت بابی و امی قال فسجد لیلا طویلا حتی ظننت انہ قد قبض فقمت التمستہ و وضعت یدی علی باطن قدمیہ فتحرک ففرحت و سمعتہ یقول فی سجودہ اعوذ بعفوک من عقابک و اعوذ برضاک من سخطک و اعوذ بک منک جل وجھک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک فلما اصبح ذکرتھن لہ فقال یا عائشۃ تعلمیھن و علمیھن فان جبرئیل علیہ السلام علمنیھن و امرنی ان اردد ھن فی السجود۔

ترغیب و ترھیب ج۔۳ ص ۴۶۰

حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور اپنے کپڑے اتارے (دروغ بر گردن راوی) پھر ابھی ٹھہرے بھی نہ تھے کہ آپ کھڑے ہو گئے

اور کپڑے پہنے مجھے شدید غیرت پیدا ہوئی کیونکہ مجھے یہ گمان گذرا کہ آپ میری دیگر ساتھنوں کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلی تو آپؐ کو بقیع میں پایا۔ آپ وہاں مؤمن مردوں اور مومن عورتوں اور شہداء کے لیے دُعائے مغفرت کر رہے تھے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ تو اپنے پروردگار کی حاجت میں مشغول ہیں اور میں دنیا کی حاجت میں (حاجت کا مقصد ہماری سمجھ سے باہر ہے) میں واپس لوٹی اور اپنے حجرے میں داخل ہو گئی اور میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ اتنے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ یہ تیرا سانس کیسا پھولا ہوا ہے۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، آپ میرے پاس تشریف لائے اور اپنے کپڑے اتارے اور ابھی رُکے بھی نہ تھے کہ دوبارہ کھڑے ہو گئے۔ اور دوبارہ کپڑے پہنے۔ مجھے بہت غیرت آئی۔ میں نے گمان کیا کہ آپؐ میری دیگر ساتھنوں کے پاس تشریف لے گئے ہیں حتیٰ کہ آپؐ کو میں نے بقیع میں جو کچھ آپ عمل کر رہے تھے وہ کرتے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا اے عائشہؓ کیا تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر زیادتی کرے گا۔ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے، لیکن مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم، ٹخنوں پر پاجامہ یا تہمد ڈالنے والے، ماں باپ کے نافرمان اور

شراب کے عادی کی جانب نظر نہیں ڈالتا۔ حضرت عائشہؓ
فرماتی ہیں پھر آپؐ نے اپنے کپڑے اتارے اور مجھ سے فرمایا۔
اے عائشہ کیا تو اس رات مجھے قیام کی اجازت دے گی میں نے
عرض کیا میرے ماں باپ قربان۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔
(قالت ہونا چاہیے تھا) آپؐ نے ایک طویل سجدہ فرمایا (تعجب
ہے کہ اجازت تو قیام کی لی اور قیام نام کو بھی نہ کیا۔ کیا نبی
جھوٹ بھی بول سکتا ہے یا صوفیا قیام کے معنی ہی سے نا واقف
ہیں) حتیٰ کہ میں یہ گمان کرنے لگی کہ آپؐ کی روح قبض کر لی
گئی ہے۔ میں آپ کو تلاش کرنے کھڑی ہو گئی (چہ خوب
آپ کو جب حضرت عائشہ نے سجدہ میں دیکھ لیا تھا اور
بدگمانی کرنے لگی تھیں تو اب تلاش چہ معنی دارد) میں نے
اپنے ہاتھ آپ کے تلووں پر رکھے (کھڑا ہوا انسان تلووں
پر ہاتھ نہیں رکھ سکتا یہ کام تو بیٹھے ہوئے کا ہے) آپ
کو حرکت ہوئی جس سے میں خوش ہوئی۔ میں نے آپ کو
سجدہ میں یہ کہتے سنا۔ میں آپ کے عفو کے ذریعے آپ
کی سزا سے اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے
پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی پناہ آپ ہی سے مانگتا ہوں۔
آپ کی ذات صاحب جلال ہے۔ میں آپ کی ثنا کا شمار
نہیں کر سکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا
فرمائی ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ باتیں آپ سے
ذکر کیں۔ آپؐ نے فرمایا تو یہ کلمات سیکھ لے اور دوسروں
کو سکھا۔ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے یہ کلمات سکھائے
اور حکم دیا ہے کہ میں ان کا سجدے میں تکرار کروں۔

اس روایت کے سلسلہ میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ بیہقی کی اس روایت کو حافظ منذری المتوفی ۶۵۶ھ نے ترغیب و ترہیب میں نقل کیا ہے۔ میں نے بیہقی کی "سنن الکبری" کا بارہا اس روایت کو تلاش کرنے کی غرض سے مطالعہ کیا لیکن مجھے یہ روایت کہیں نہیں ملی۔ ممکن ہے کہ بیہقی کی "شعب الایمان" میں یہ روایت پائی جاتی ہو لیکن وہ ماہنوز شائع نہیں ہوئی اور تاوقتیکہ اس کی سند پیش نظر نہ ہو ہم اس کی اسناد پر کوئی تفصیلی تبصرہ نہیں کر سکتے۔ ہاں معنوی لحاظ سے ضرور بحث کریں گے۔

۱۔ یہ روایت منقطع ہے۔ کیونکہ مکحول نے حضرت عائشہؓ سے کوئی روایت نہیں سنی اور وہ حضرت عائشہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبادہ بن الصامت اور حضرت ابو ہریرہ سے منقطع روایات نقل کرتے اور درمیان سے کذاب راویوں کو گرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

۲۔ اس روایت میں متعدد روایات کو یکجا کیا گیا ہے۔ مکحول کی پہلی روایت میں بقیع جانے کا کوئی ذکر نہ تھا۔ بقیع جانے کا واقعہ حجاج بن ارطات نے پہلی روایت میں بیان کیا تھا۔ لیکن اس نے کسی عبادت کا ذکر نہ کیا تھا۔ اس روایت میں ان دونوں کو جمع کر کے ایک نئی روایت تیار کی گئی ہے۔ اس سے کچھ مفید نتیجہ برآمد تو کیا ہوتا اتنا ضرور ہوا کہ اس روایت میں اور مکحول کی پہلی روایت میں تضاد پیدا ہو گیا اور دونوں سے ایک دوسرے کی تردید ہو گئی۔ شاید اسی باعث متقدمین نے یہ بات کہی تھی۔

اذا تخالفا تساقطا۔

جب دو امور ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو دونوں ساقط الاعتبار ہوں گے۔

۳۔ حجاج کی روایت میں اس شب کی فضیلت بقیع میں بیان کی گئی تھی۔ مکحول کی ان دونوں روایتوں میں یہ فضیلت گھر پر بیان کی گئی حجاج کی روایت سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اگر حضرت عائشہؓ آپ کا پیچھا نہ فرماتیں تو آپ اس شب کی فضیلت بیان نہ فرماتے، اس روایت سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے جب کہ مکحول نے پہلی روایت میں یہ بیان کیا تھا کہ حضورؐ نے خود ہی گھر پر اس شب کی فضیلت بیان فرمائی۔

۴۔ حجاج کی روایت سے ثابت ہوتا تھا کہ حضورؐ نے اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور اس کے علاوہ کوئی اور عمل انجام نہیں دیا۔ لیکن مکحول کی پہلی روایت سے یہ واضح ہوتا تھا کہ آپ بقیع قطعاً تشریف ہی نہیں لے گئے اور اس روایت میں مکحول یہ بیان کر رہے ہیں کہ آپ بقیع بھی گئے اور گھر پر عبادت بھی فرمائی۔

۵۔ حجاج اور مکحول کی پہلی روایت سے مغفرت عامہ ثابت ہوتی ہے۔ مغفرت سے کسی کو خارج نہیں کیا گیا تھا لیکن اس روایت میں چھ قسم کے افراد کو مغفرت سے خارج کر دیا گیا ہے۔

۶۔ پہلی روایتوں میں کپڑے اتارنے کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔ اس روایت میں اس کا بھی اضافہ ہو گیا۔

۷۔ مکحول کی پہلی روایت سے ثابت ہوتا تھا کہ آپؐ نے رات میں دو رکعت نماز پڑھی جس میں نہ رکوع تھا، نہ قعدہ، نہ سلام بلکہ صرف قیام اور ایک ایک سجدہ تھا اور اس روایت سے محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہؓ سے قیام کی اجازت طلب کی اور اکثر رات صرف سجدہ میں گذار دی۔ حالانکہ جب قیام کی اجازت طلب کی تھی تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ آپ کا قیام طویل ہوتا۔ لیکن آپ نے صرف سجدہ پر اکتفا فرمایا۔

۸۔ مکحول کی پہلی روایت میں تھا کہ حضرت عائشہؓ نے سجدہ سے فراغت کے فوراً بعد حضورؐ سے اس دُعا کا تذکرہ کیا۔ لیکن اس روایت میں مکحول کا بیان ہے کہ آپؐ نے صبح کو اس کا تذکرہ کیا۔

۹۔ اس روایت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپؐ نے صرف ایک سجدہ پر اکتفا فرمائی اور معمول کے مطابق تہجد ادا نہیں فرماتے اور نہ وتر پڑھے۔

۱۰۔ مکحول کی دونوں روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے نماز کے لئے حضرت عائشہؓ سے اجازت طلب کی۔ لیکن تعجب ہے کہ بقیع جانے کے لئے اجازت طلب نہیں کی گئی۔ حالانکہ اگر بیوی کی اجازت ضروری تھی تو وہ گھر سے باہر جانے کے لئے ہونی چاہئے تھی۔

۱۱۔ ان تمام روایات سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ بقیع پہلے کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے ورنہ حضرت عائشہؓ پیچھا نہ فرماتیں۔

۱۲۔ ان تمام روایات سے یہ بات متفقہ طور پر واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے کوئی عبادت نہیں فرمائی اور نہ حضورؐ نے انھیں عبادت کا حکم دیا۔ حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود اس کی پابندی کیجئے۔ طٰہٰ

کیا یہ حضورؐ سے ممکن ہے کہ آپؐ انھیں عبادت کا حکم نہ دیں اور کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ اتنے افضل عمل کو ترک فرما دیں؟ کہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ پر تبرا تو نہیں۔

۱۳۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کا قیام اتنا طویل تھا کہ آپؐ کے قدم مبارک وَرم کر آتے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قیام بہت ہلکا تھا۔ سجدہ طویل تھا اور بعض روایات سے معلوم

ہوتا ہے کہ نہ قیام طویل تھا نہ سجدہ بلکہ آپ تمام رات کھڑے اور بیٹھتے رہے۔

اس طرح ان روایات میں اتنا تضاد ہے کہ جو کسی صورت میں رفع نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ یہ سب روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں اور ان سے نقل کرنے والے صرف دو شخص ہیں۔ عروہ اور مکحول۔ اور مکحول نے تو حضرت عائشہؓ کو دیکھا تک نہیں۔ اور عروہ سے اسے روایت کرنے والا یحیٰی بن ابی کثیر ہے۔ اس نے عروہ سے کبھی زندگی میں ملاقات نہیں کی۔ اس طرح یہ تمام روایات منقطع ہیں اور جس طرح یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ اسی طرح عروہ، یحیٰی بن ابی کثیر اور مکحول پر بھی جھوٹ بولا گیا ہے۔

۱۴۔ اس روایت کو بیہقی نے رُوِیَ کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ اور لفظ رُوِیَ خود ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ بیہقی کے نزدیک مکحول کی جانب اس کی نسبت صحیح نہیں۔

۱۵۔ اس روایت کے بعض جملے عربی ادبیت کے لحاظ سے نہایت بھدے معلوم ہوتے ہیں۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ بہت بڑی ادیبہ اور خطیبہ تھیں یہ زبان اُن کی قطعاً نہیں ہو سکتی۔

۱۶۔ اس روایت میں یہ خاص طور پر ذکر ہے کہ آپ نے بقیع پہنچ کر شہداء کے لئے بھی دعائے مغفرت فرمائی۔ کیا کوئی مؤرخ یہ بتا سکتا ہے کہ حضورؐ کی حیات میں بقیع میں کون کون سے شہداء دفن ہوتے تھے کیونکہ عام طور پر جو صحابہ جہاں شہید ہوتے وہ اسی جگہ دفن کئے گئے ہیں حتیٰ کہ جب جنگ اُحد کے موقع پر انصار نے نضر بن انس کی لاش مدینہ لانا چاہی تو آپ نے منع فرمایا اور لاش واپس منگا کر میدانِ احد میں دفن کی۔ اس طرح یہ روایت تاریخ کے بھی قطعاً خلاف ہے۔

۱۷۔ اس کا کیا سبب ہے کہ شب برات کے سلسلے میں جتنی بھی روایات پائی جاتی ہیں وہ سب موضوع یا شدید ضعیف ہیں اور اس سلسلہ میں ایک بھی صحیح روایت نہیں ملتی۔ جب کہ لیلۃ القدر کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں؟

۱۸۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ائمہ فقہار نے شب قدر کی شب بیداری کو مستحسن قرار دیا۔ لیکن اس رات کے بارے میں ایک لفظ بھی تحریر نہیں فرمایا؟

۱۹۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ان ہر دو حضرات کے شاگردوں اور امام شافعی نے شب برات کے سلسلہ میں کوئی روایت نقل نہیں کی۔ حالانکہ حجاج نے جس روایت کو بیان کیا ہے وہ عروہ کی جانب منسوب ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالک وغیرہ الغی عروہ کے صاحبزادے ہشام کے شاگرد ہیں۔

۲۰۔ اس کا کیا سبب کہ عروہ سے یحییٰ بن ابی کثیر بصری کے علاوہ کوئی اسے روایت نہیں کرتا جب کہ ان کے صاحبزادے ہشام اور امام زہری جو عروہ کے خاص شاگرد ہیں۔ ان سے اس سلسلہ میں ایک لفظ بھی مروی نہیں۔

۲۱۔ تعجب ہے کہ اہلِ مدینہ کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کا علم نہ ہو اور وہ پَر لگا کر دمشق یا بصرہ پہنچ جائے اور مکحول یا یحییٰ بن ابی کثیر کو اس کا علم ہو جائے حالانکہ اہلِ مدینہ کے بعد سب سے پہلے اس روایت کا علم حضرت عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں کو ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ ان کے شاگردوں میں سے علقمہ مسروق اور زر بن حبیش وغیرہ حضرت عائشہؓ کے بھی شاگرد ہیں اور انھی کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ ہیں۔

اس جھوٹ کا سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا بلکہ حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت بھی ملاحظہ فرمائیے۔

علاء بن حارث کی روایت

یہ روایت بھی بیہقی کی ہے۔ اگرچہ ہمیں بیہقی کی "سنن الکبریٰ" میں کہیں نظر نہیں آئی۔ لیکن حافظ منذری المتوفی ۶۵۶ھ نے "الترغیب والترہیب" میں بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔ ممکن ہے کہ بیہقی کی کسی اور کتاب میں مروی ہو۔ لیکن منذری نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منذری سے غلطی واقع ہوئی ہو۔ اس قسم کی بھول ہر انسان سے ہو سکتی ہے بیہقی کے الفاظ ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

قام رسول الله صلی الله علیه وسلم من اللیل فصلی فاطال السجود حتی ظننت انه قد قبض فلما رایت ذلک قمت حتی حرکت ابهامه فتحرک فرجعت سمعته یقول فی؛ سجوده اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ بک منک الیک لا احصی ثناء علیک کما اثنیت علی نفسک فلما رفع راسه من السجود وفرغ من صلاته قال یا عائشة اویا حمیراء اظننت ان النبی صلی الله علیه وسلم قد خاس بک قلت لا والله یا رسول الله ولکنی ظننت انک قد قبضت لطول سجودک فقال اتدری ای لیلة هذه قلت الله ورسوله اعلم قال

هذہ لیلۃ النصف من شعبان ان اللہ عزوجل یطلع علی عبادہ فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر للمستغفرین ویرحم المسترحمین ویؤخر اھل الحقد کما ھم۔ الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۶۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو کھڑے ہوئے نماز ادا فرمائی اور اتنا طویل سجدہ فرمایا کہ میں یہ بدگمانی کرنے لگی کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی ہے۔ جب میں نے یہ صورتحال دیکھی تو کھڑی ہوئی حتیٰ کہ آپؐ کے انگوٹھے کو ہلایا (انگوٹھا سجدے کی حالت میں زمین کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے اس کو ہلانا کیسے ممکن ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہؓ زمین پر آرام فرماتے اور حجرہ مبارکہ میں صرف اتنی گنجائش تھی کہ حضورؐ اگر نماز پڑھتے تو آپؐ کے لیے سجدے کی جگہ نہ ہوتی اور جب آپؐ سجدہ فرماتے تو حضرت عائشہؓ کے چوکہ مارتے، حضرت عائشہؓ اپنے پاؤں سمیٹ لیتیں، تو سجدہ فرماتے۔ ایسی صورت میں کھڑے ہو کر تلاش کرنا یہ راوی کی حماقت و جہالت پر دلالت کرتا ہے) آپؐ نے حرکت فرمائی میں وہاں سے لوٹی اور میں نے سنا کہ آپؐ سجدے میں فرما رہے تھے۔ میں آپ کے عفو کے ذریعہ آپ کی سزا سے اور آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں اور میں آپ کے واسطہ سے آپؐ کی پناہ مانگتا ہوں۔ میں آپ کی ثناء کا شمار نہیں کر سکتا۔ آپ ویسے ہی ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا فرمائی ہے۔ جب آپؐ نے سجدے سے سر اٹھایا اور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے

عائشہؓ بالے حمیرا، کیا تو گمان کرتی ہے کہ اللہ کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کرے گا۔ میں نے عرض کیا میں نے آپ کے طویل سجدے کی باعث یہ بدگمانی کی تھی کہ آپؐ کی رُوح قبض کرلی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو جانتی ہے کہ یہ کون سی رات ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے آپؐ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی شب ہے اور اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب اپنے بندوں کی طرف طلوع فرماتا اور مغفرت اور رحمت چاہنے والوں کی مغفرت کرتا اور ان پر رحمت نازل کرتا ہے اور کینہ پروروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

اس روایت میں بقیع کا کوئی قصہ موجود نہیں۔ اس روایت میں اور دیگر روایات میں جو اختلاف ہیں وہ قارئین کرام خود ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ اس لیئے ان اختلافات کو بار بار دُہرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ امام بیہقی نے اسے نقل کر کے دو باتیں مزید فرمائی ہیں وہ ضرور غور طلب ہیں۔ فرماتے ہیں:

ویحتمل ان یکون العلاء اخذہ من مکحول

الترغیب والترہیب ج ۔ ۳ ص ۱۶۱

یہ بھی احتمال ہے کہ علاء نے یہ روایت مکحول سے سُنی ہو۔

گویا یہ کوئی نئی روایت نہیں۔ بلکہ وہی مکحول کی روایت ہے جو "غنیہ" اور "بیہقی" کے حوالے سے اُوپر گذر چکی ہے۔ مکحول کی ان تینوں روایات پر ایک بار پھر نظر ڈالیئے تو آپ کو اختلافات کا ایک سمندر موجزن نظر آئے گا۔ حالانکہ تینوں روایات کا راوی ایک ہے اور تینوں روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں۔

آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں کہ مکحول نے صحابہ سے جو عام روایات

نقل کی ہیں وہ سب منقطع ہیں اور وہ درمیان سے کذاب رواۃ کو حذف کر دیتے ہیں۔ حالانکہ مکحول نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے اور ۱۱۳ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے اور علاء بن حارث توان کا شاگرد ہے۔ جب مکحول نے حضرت عائشہؓ سے کوئی روایت نہیں سنی تو علاء کیسے سن لیتا۔ الغرض یہ روایت منقطع ہے اور اتفاق سے بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ بھی اسے مرسل منقطع قرار دیتے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

ھذا مرسل جید ان العلاء لم یسمع من عائشۃ

الترغیب والترہیب ج۔۳ ص۱۶۱

یہ عمدہ مرسل ہے۔ کیونکہ علاء نے حضرت عائشہؓ سے کوئی روایت نہیں سنی۔

اس مرسل و منقطع کے عمدہ اور اعلیٰ ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

اول:۔ امام بیہقی سے علاء تک سند کے تمام رواۃ ثقہ ہوں اور سند متصل ہو اور ہمیں بیہقی میں یہ روایت منظر نہیں آئی۔

دوئم:۔ علاء اتنے اعلیٰ درجہ کے راوی ہوں کہ ان کی مرسل بھی محدثین کے نزدیک قابلِ قبول ہو۔ حالانکہ صرف چند اشخاص ہیں ہیں جن کی مرسلات قابل قبول ہیں اور جب کہ اس روایت کا دار و مدار علاء پر نہیں بلکہ مکحول پر ہے اور مکحول مدلس ہیں اور مدلس کی مرسل تو کجا حدیث متصل بھی قابل قبول نہیں ہوتی جو لفظ عن کے ذریعہ روایت کی جاتے ایسی صورت میں علاء کے ثقہ ہونے سے بھی کام نہ چلے گا۔ پھر علاء پر خود محدثین کا کلام ہے ابنِ سعد کا قول ہے۔

کان قلیل الحدیث ولکنہ کان اعلم اصحاب مکحول واقدمھم وکان یفتی حتی خولط۔

ان سے حدیثیں کم مروی ہیں لیکن مکحول کے شاگردوں میں یہ

سب سے پہلے شاگرد ہیں اور سب سے زیادہ صاحب علم ہیں
یہ فتویٰ دیا کرتے تھے حتیٰ کہ آخر میں دماغ خراب ہوگیا۔

ابن معین فرماتے ہیں۔

ثقة یری القدر — ثقہ ہیں لیکن قدری (تقدیر کے منکر) ہیں

ابوداؤد کی رائے ہے۔

ثقة تغیر عقله — ثقہ ہیں لیکن عقل جاتی رہی تھی۔

امام بخاری کا فیصلہ ہے

منکر الحدیث — (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۹۸)

منکر الحدیث ہے۔

اسی باعث امام بخاری نے اس سے "اپنی صحیح" میں کوئی روایت نہیں لی اور جن محدثین کے نزدیک وہ ثقہ ہیں اُن کے نزدیک بھی آخر میں اس کی عقل جاتی رہی تھی اور مذہب کے لحاظ سے بھی قدری تھے اب اس کا کیا ثبوت کہ علاء سے جس نے یہ روایت نقل کی ہے اُس نے علاء سے جوانی میں سُنی تھی۔ پاگل ہونے کے بعد نہیں سُنی۔ ایسی صورت میں اُسے عُمدہ مُرسل قرار دینا ایک قسم کی زبردستی ہے۔ بلکہ اُسے مُرسل کہنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ جب بیہقی نے یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس نے یہ روایت مکحول سے لی ہو۔ اس طرح علاء اور حضرت عائشہؓ کے درمیان کم از کم دو روات ترک ہونگے اور جس روایت میں سے ایک مقام سے دو راوی ترک ہو جائیں وہ مُرسل نہیں کہلاتی بلکہ اُسے معلق کہا جاتا ہے جو بدترین قسم کی ضعیف ہوتی ہے اور جب کہ مکحول کذاب روات کو درمیان سے حذف کرتے ہیں تو اس صورت میں یہ روایت مرسل جید نہ ہوگی بلکہ موضوع و منکر ہوگی۔

یہ تمام صورتیں اس وقت ہیں جبکہ ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مکحول اور حضرت عائشہؓ کے درمیان صرف ایک راوی حذف ہوا ہے۔ حالانکہ بعض اوقات ایسا بھی

ہوتا ہے کہ ایک ہی روایت میں چار پانچ تابعی یا تبع تابعین یا ہم عصر جمع ہو جائیں۔ مثلاً ابو حنیفہ عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ بن مسعود اس سند میں چار تابعی ہیں اور بعض اوقات سات ہم عصر بھی جمع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ عقلی طور پر لاتعداد بھی جمع ہو سکتے ہیں تو یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ درمیان سے صرف ایک راوی حذف ہوا ہے پانچ یا سات حذف نہیں ہوئے اور پھر ان کا ثقہ ہونا ثابت کیا جاتے اور پھر یہ ثابت کرنا بھی ضروری ہوگا کہ مکحول صرف ثقہ راوی کو حذف کرتے ہیں ورنہ ہر صورت میں یہ روایت مردود ہوگی۔

۲۔ اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو یا حمیرا کہہ کر پکارا ہے جو حضرت عائشہؓ کا لقب ہے۔ ملا علی قاری اپنی "موضوعات کبیر" میں فرماتے ہیں۔

قال المزی کل حدیث فیہ یا حمیراء فھو موضوع

موضوعات کبیر مترجمہ ص۴۴۳

حافظ مزی کہتے ہیں جس حدیث میں بھی یا حمیرا کا لفظ ہو۔ وہ موضوع ہے۔

اس لحاظ سے بیہقی کی یہ روایت حافظ ابوالحجاج جمال الدین مزی المتوفی ۷۴۲ھ اور ملا علی قاری حنفی کے نزدیک موضوع ہوئی اس کے مرسل جید ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

یہ روایت مکحول کی گذشتہ روایات اور اسی طرح حجاج کی روایت کے خلاف ہے اور اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ جب کسی حدیث کی سند یا متن میں اس قسم کا اختلاف ہو جو رفع نہ ہو سکے تو وہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے اور حدیث مضطرب کسی صورت میں قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

ہم پہلے یہ بتا چکے ہیں کہ ان روایتوں میں جو دعا آرہی ہے وہ کہاں سے

اخذ کی گئی ہے۔ اب آئیے قصۂ بقیع بھی ملاحظہ کر لیجئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔

واقعۂ بقیع کی حقیقت

اُمّ المومنین حضرت عائشہ بقیع تشریف لے گئیں یا نہیں، اس کی وضاحت اُمّ المومنین نے خود ایک حدیث میں فرمائی ہے۔ امام مالک نے اپنی مؤطا میں اُمّ المومنین سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ فلبس ثیابہٗ ثم خرج قالت فامرت جاریتی بریرۃ تتبعہ فتبعتہ حتی جاء البقیع فوقف فی ادناہ ماشاء اللہ ان یقف ثم انصرف فسبقتہ بریرۃ فاخبرتنی فلم اذکر لہٗ شیئاً حتی اصبح ثم ذکرت ذلک لہٗ فقال انی بعثت لاھل البقیع لاصلی علیہم۔ کشف الغطا شرح المؤطا ص ۲۲۴

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، کپڑے پہنے اور گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے اپنی باندی بریرہؓ کو پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ اس نے آپ کا پیچھا کیا۔ حتیٰ کہ آپ بقیع تشریف لے گئے۔ اس کے ایک کنارے پر جب تک اللہ نے چاہا آپ کھڑے رہے۔ اس کے بعد آپؐ واپس ہوتے۔ بریرہؓ پہلے واپس آگئی۔ اس نے مجھ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ میں نے صبح تک تو حضورؐ سے کسی بات کا ذکر نہیں کیا۔ صبح کے بعد آپؐ سے واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اس لئے بھیجا گیا تھا تاکہ

میں اہلِ بقیع کی نماز پڑھوں یا اُن کے لیے دُعائے مغفرت کروں۔

گویا ام المومنین بقیع قطعاً تشریف نہیں لے گئیں، اور نہ انھوں نے آپؐ کا پیچھا کیا۔ بلکہ انھوں نے اپنی خادمہ حضرت بریرہؓ کو دریافت حال کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ ~~اس سے اس قصہ بقیع کا جھوٹ ہونا ثابت ہوا~~

نیز یہ ممکن بھی نہ تھا کہ ام المومنین قبرستان تشریف لے جائیں اس لیے کہ ازواجِ مطہرات کو یہ حکم دیا گیا تھا۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی۔ سورۃ الاحزاب

تم اپنے گھروں میں جم کر بیٹھو، اور زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنی زینت دکھاتی نہ پھرو۔

ایسی صورت میں کیا یہ ممکن تھا کہ ام المومنین بلاضرورت شرعی حکم قرآنی کی خلاف ورزی فرماتیں، اور اگر وہ غلطی سے ایسا کر بھی بیٹھتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تنبیہ فرماتے۔ اِس سے یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اُمّ المومنین نے آپؐ کا قطعاً کوئی پیچھا نہیں کیا۔ ہاں یہ امور ضرور غور طلب ہیں کہ آپؐ بقیع کس لئے تشریف لے گئے تھے اور کب تشریف لے گئے تھے؟

جہاں تک بقیع جانے کی وجہ کا سوال ہے تو اس حدیث میں خود حضورؐ ارشاد فرما رہے ہیں۔

انی بعثت لاھل البقیع لاصلی علیھم

میں اِس لیے بھیجا گیا تھا کہ میں اہلِ بقیع کی نماز پڑھوں، یا اُن کے لیے دُعائے مغفرت کروں۔

اِن الفاظ سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ آپؐ خود بخود تشریف نہیں لے گئے تھے بلکہ حکمِ الٰہی کے تحت تشریف لے گئے تھے اور غرض وغایت یہ تھی کہ ان

کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی یا ان کے لیے دُعائے مغفرت کی جاتی۔

علامہ ابن عبد البر مالکی اور والد مرحوم مفتی اشفاق الرحمان کاندھلوی لکھتے ہیں۔

یحتمل ان الصلوٰۃ ھھنا الدعاء والاستغفار وان تکون کالصلوٰۃ علی المیت خصوصیۃ لہٗ صلی اللہ علیہ وسلم لان صلوتہ علی من صلی علیہ رحمۃ فکانہ امر ان یستغفر لھم کشف الغطاء ۲۲۴

یہ بھی احتمال ہے کہ اِس حدیث سے مراد دعا و استغفار ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ نمازِ جنازہ کی طرح نماز پڑھی گئی ہو اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو گی۔ کیونکہ آپ کا نمازِ جنازہ پڑھنا مُردہ کے لئے رحمت کا سبب ہے۔ کیونکہ آپ کو اُن کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن عبد البر جو یہ فرما رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا تھا تو یہ حقیقتاً صحیح ہے۔ اِس لئے کہ ارشادِ الٰہی ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ التوبہ

اے نبی آپ ان کی نمازِ جنازہ پڑھیئے۔ یا ان کے لئے دعائے مغفرت کیجئے، کیونکہ آپ کی صلات اُن کے لئے سکون کا باعث ہو گی۔ سورۃ التوبہ

اس آیت میں بھی لفظ صلوٰۃ سے دونوں اُمور مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی نمازِ جنازہ اور دُعا و استغفار۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ لازم کر دیا گیا تھا کہ آپ صحابہ کے لیے دعاء و استغفار کریں اور نمازِ جنازہ بھی دعاء و استغفار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال بعد شہداءِ اُحد

کے لیے دعا اور استغفار کیا اور ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یومًا فصلی علی اہل احد صلاتہ علی المیت ثم انصرف الی المنبر فقال انی فرط لکم وانا شہید علیکم وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض وانی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تنافسوا فیہا۔ نسائی ج۔ ا ص ۱۹۸، بخاری ج۔ ا ص ۱۷۹

ابو داؤد ج۔ ۲ ص ۱۰۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور اہلِ اُحد پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ واپسی کے بعد آپؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا۔ میں تمہارا پیش رَو ہوں اور تم پر گواہ ہوں اور اللہ کی قسم میں اس وقت حوض (کوثر) کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں۔ ہاں مجھے یہ خوف ہے کہ تم لوگ آپس میں جھگڑنے لگو گے۔

امام بخاری اور نسائی نے اس حدیث پر "شہید کے لیئے نماز جنازہ" کی سُرخی قائم کی ہے، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری اور نسائی اس سے شہید کی نماز جنازہ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ نماز جنازہ آٹھ سال بعد پڑھی گئی ہے۔ جیساکہ آگے تشریح آئے گی۔ اسی لیے امام ابو داؤدؒ نے اس حدیث پر یہ سُرخی قائم کی ہے کہ "قبر پر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے ؟" پھر دوسری روایت پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نمازِ جنازہ آٹھ سال بعد پڑھی گئی ہے۔ حضرت عقبہؓ کا بیان ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علی قتلی احد بعد ثمانی سنین کالمودع للاحیاء والاموات

ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۴

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین اُحد کی نمازِ جنازہ آٹھ سال بعد پڑھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ زندوں اور مُردوں سے رخصت ہو رہے ہیں۔

اِن احادیث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ نمازِ جنازہ پڑھی گئی تھی اور یہ واقعہ جنگِ اُحد کے آٹھ سال بعد پیش آیا کیونکہ جس آیت میں آپ کو صحابہ کی نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا وہ آیت ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ وقوعہ ۱۱ھ میں پیش آرہا ہے اور جنگِ اُحد شوال ۳ھ میں ہوئی تھی۔ گویا یہ وقوعہ آخر عمر میں پیش آیا۔

اِبن ہشام نے اپنی سیرت میں محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ دن میں اُحد اور شب میں بقیع تشریف لے گئے، اور یہ جمعرات کا روز تھا اس کے بعد آپ کی علالت شروع ہوئی پھر اس کے بعد آپ باہر کہیں تشریف نہیں لے جا سکے۔

ابن عبد البر نے سند حسن کے ساتھ ابو موئیہبہ صحابی سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

انی قد امرت ان استغفر لاھل البقیع فاستغفرلھم

مجھے حکم دیا گیا تھا کہ میں اہلِ بقیع کے لیے دُعائے مغفرت کروں، اِس لیے میں ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنا چاہتا ہوں۔

پھر آپ بقیع تشریف لے گئے، اور اہلِ بقیع کے لیے دُعائے مغفرت کرنے کے بعد میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا۔

یا ابا مویہبۃ ان اللہ قد خیرنی فی مفاتیح خزائن الدنیا والخلد فیہا ثم الجنۃ ولقاء ربی فاخترت لقاء ربی فاخترت لقاء ربی فاصبح من تلک اللیلۃ بدأ وجعہ الذی مات منہ۔ کشف المغطا ص۲۲۴ انساب الاشراف ج ۱ ص۵۴۳

اے ابو مویہبہ اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ یا تو میں دُنیا کے خزانے اور اس کی دوامی زندگی پسند کر لوں۔ یا جنت اور پروردگار کی ملاقات اختیار کر لوں۔ میں نے اپنے پروردگار کی ملاقات کو پسند کیا۔ اسی رات کے بعد صبح سے آپ کو وہ تکلیف شروع ہوئی جس میں آپؐ کی موت واقع ہوئی۔

محلی ابن حزم میں ہے کہ یہ واقعہ وفات سے صرف پانچ روز پیشتر پیش آیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی نے قاضی عیاض مصری شارح مسلم کا قول نقل کیا ہے۔

قال عیاض فی اخر عمرہ یدل علیہ الاحادیث الاخر وانکار عائشۃ خروجہ ماخوج۔ فتح الملہم شرح مسلم

قاضی عیاض فرماتے ہیں۔ یہ وقوعہ آخر عمر میں پیش آیا۔ جیسا کہ دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ کے جانے پر انکار کیا۔

جلال الدین سیوطی زہر الربی میں فرماتے ہیں۔

اسے فی آخر عمرہ بعد حجۃ الوداع

زہر الربی حاشیہ نسائی ج ۱ ص۲۰۶

یعنی آخر عمر میں حجۃ الوداع کے بعد

مؤطا امام مالک کے حاشیہ میں ہے

قال ابن الوضاح کانت القصۃ قبل موتہ بخمسۃ

ایام۔ موطا امام مالک ص ۸۵

ابن الوضاح کہتے ہیں یہ واقعہ وفات نبی سے پانچ روز پیشتر پیش آیا۔"

گویا یہ وفات سے پانچ روز پیشتر کا واقعہ ہے، یعنی ربیع الاول کا، نہ کہ شعبان (شب برات) کا اور نہ اس سے پہلے حضورؐ کبھی رات کو بقیع تشریف لے گئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی کا انتقال ہو گیا ہو اور اس میں آپ تشریف لے گئے ہوں، لیکن عام طور پر صحابہ آپ کو رات میں اس کی بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور اگر ایسا واقعہ بار ہا پیش آتا تو حضرت عائشہؓ کو کیا ضرورت تھی۔ نہ تو خود پیچھا کرتیں اور نہ کسی سے کرائیں، بلکہ یہ ایک معمول بن جاتا اور اس پر کوئی شک و شبہہ واقع نہ ہوتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ شب برات میں یہ بقیع کی کہانی سراسر جھوٹ اور فریب ہے۔ اس رات تو کجا، ام المؤمنین کبھی بقیع تشریف نہیں لے گئیں۔

اگر شب برات میں قبرستان جانے والی روایت کو قبول بھی کیا جائے تو حدیث پر عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہر شخص کی بیگم صاحبہ، صاحب بہادر کا پیچھا کرتے ہوئے قبرستان نہ پہنچیں اور وہ بھی اس صورت کے ساتھ کہ خاوند بیوی کو کچھ نہ بتائے کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ بلکہ بیوی کے سونے کا انتظار کرے۔ ورنہ اس بے سرو پا روایت پر قطعاً عمل نہ ہوگا افسوس یہ امت خرافات میں کھو گئی۔

یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ عورتوں کے لیے قبرستان جانا حرام ہے۔ کیونکہ ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لعن اللہ الزورات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج علیہا۔

اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں، قبروں پر مساجد بنانے والوں، قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

ایسی صورت میں یہ دعویٰ کہ ام المومنین بقیع تشریف لے گئی تھیں یہ ایک کھلا تبرا ہے۔

نوٹ:۔ حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث کہ میں نے بریرہ کو بھیجا تھا خود نہیں گئی تھی سنن نسائی میں موجود ہے۔ اسی طرح ابو مویہبہ کی حدیث جس کا حوالہ والدِ مرحوم نے دیا ہے اسے ابن عبدالبر کے علاوہ مؤرخ بلاذری نے متعدد مسندات کے ذریعہ "انساب الاشراف" میں بھی نقل کیا ہے۔

نتیجتہً تمام محدثین کرام اور تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ حضورؐ رات کو بقیع وفات سے پانچ روز پیشتر تشریف لے گئے تھے یا ماہ شعبان میں ایسا کوئی خطرناک حادثہ پیش نہیں آیا تھا۔

اب اگر حضورؐ کی وفات ۹ ربیع الاول کو ہوئی جو مورخین کا فیصلہ ہے تو آپ بقیع ربیع الاول کی چوتھی شب میں تشریف لے گئے۔ اگر دو ربیع الاول کو ہوئی جیسا کہ بعض مؤرخین اور امام سلیمان تیمی کا قول ہے۔ تو ستائیس یا اٹھائیس صفر کو تشریف لے گئے اور اگر آپ کی وفات بارہ ربیع الاول کو ہوئی جو واقدی کذاب رافضی کا قول ہے تو ساتویں ربیع الاول کی شب میں بقیع تشریف لے گئے تھے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک اور روایت

خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ، ابو یعلی المتوفی ۳۰۷ھ اور شیخ عبدالقادر جیلانی المتوفی ۵۶۱ھ نے حضرت عائشہ کی ایک روایت اس سند سے نقل کی ہے۔

اخبرنا ابو نصر بن محمد عن والدہ ابی علی الحسین باسنادہ عن ہشام بن عروۃ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی نقول لا یصوم و کان احب صیامہ فی شعبان فقلت یارسول اللہ مالی اری صیامک فی شعبان فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ انہا شہر ینسخ لملک الموت فیہ رسم من یقبض روحہ فی بقیۃ العام فانا احب ان لا ینسخ اسمی الا وانا صائم۔

غنیہ ج۔ ا ص ۲۲۷

ہمیں ابو نصر بن محمد نے خبر دی وہ اپنے باپ ابو علی الحسین سے روایت کرتا ہے، وہ اپنی سند سے ہشام بن عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم روزے رکھتے۔ حتی کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار نہ فرمائیں گے۔ اور جب آپ افطار کرتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔ (یہاں تک حدیث صحیح ہے اور آگے حضور اکرمؐ اور حضرت عائشہؓ پر جھوٹ ہے) اور آپ کو شعبان میں روزے بہت محبوب تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ کیا بات ہے کہ میں آپؐ کو شعبان میں بہت روزے رکھتے دیکھتی ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے عائشہؓ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں اس سال مرنے والوں کے نام لکھ کر ملک الموت کو دیئے جاتے ہیں۔ اور میں یہ محبوب رکھتا ہوں کہ جب میرا نام لکھ کر دیا جائے تو میں روزے سے ہوں۔"

"غنیہ" کی اس روایت میں متعدد عیوب پائے جاتے ہیں۔

۱۔ ابونصر اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں۔

۲۔ ابونصر کے باپ نے ہشام تک کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان ساڑھے تین سو سال کا فرق ہے۔

۳۔ ابونصر کے ابا جان کا کہنا ہے کہ ہشام نے یہ روایت حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے۔ حالانکہ ہشام حضرت عائشہؓ کی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ ولی الدین الخطیب مصنف مشکوٰۃ اپنی "الاکمال فی اسماء الرجال" میں حضرت عائشہؓ کی وفات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ماتت بالمدینۃ سنۃ سبع وخمسین وقیل سنۃ ثمان وخمسین لیلۃ الثلثاء لسبع عشرۃ خلت من رمضان۔ مشکوٰۃ ص۶۱۲

حضرت عائشہؓ نے ۵۷ھ میں وفات پائی اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ سترہ رمضان چہارشنبہ کی شب میں ۵۸ھ میں وفات پائی۔

اور ہشام بن عروہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ولد سنۃ احدی وستین ومات بہا سنۃ ست واربعین ومائۃ ۔ مشکوٰۃ ص ۶۲۲

ہشام ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۶ھ میں وفات پائی۔

ہشام حضرت عائشہؓ کی وفات کے تین یا چار سال بعد پیدا ہوئے۔

تو کیا ہشام نے یہ روایت اپنی پیدائش سے قبل ہی عالم بالا میں سن لی تھی۔

شیخ عبدالقادر اور ابو نصر وغیرہ کو اتنی بات بھی معلوم نہیں کہ ہشام حضرت عائشہؓ کے شاگرد نہیں۔ بلکہ ہشام کے والد عروہ حضرت عائشہ کے شاگرد ہیں جو ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ کے بیٹے ہیں۔ جن کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی تھی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کے ساتھ خطیب المتوفی ۴۶۳ھ اور ابی یعلی المتوفی ۳۰۷ھ کی روایت کے الفاظ بھی نقل کر دیئے جائیں۔ کیونکہ وہ بھی ہشام سے اسے روایت کر رہے ہیں اور تقریباً مضمون بھی ایک ہے۔ ابو یعلیٰ کے الفاظ ہیں۔

عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصوم شعبان کلہ قال قلت یارسول اللہ احب الشھور الیک ان تصوم شعبان قال ان اللہ یکتب علی کل نفس منیۃ فاحب ان یاتینی اجلی وانا صائم۔ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۲

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام شعبان کے روزے رکھتے۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ کو تمام مہینوں سے زیادہ شعبان میں روزے رکھنا بہت محبوب ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کی موت

لکھا ہے اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میری موت روزے کی حالت میں ہو۔

صاحب "مواہب لدنیہ" نے اُسے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

یروی عن ہشام مرسلا

یہ ہشام سے مرسلاً روایت کی جاتی ہے۔

یعنی ہشام اسے حضرت عائشہؓ کا نام لیے بغیر روایت کرتے ہیں۔

یعنی تابعی اور صحابی دونوں کا ذکر نہیں کرتے اور جب دو راوی چھوٹ گئے تو یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہوئی۔ ویسے ہشام تک بھی اس کی سند درست نہیں۔

"مواہب لدنیہ" کے مصنف لکھتے ہیں۔

اسنادہ ضعیف　　　　اس کی سند ضعیف ہے۔

ہیثمی "مجمع الزوائد" میں فرماتے ہیں

فیہ مسلم بن خالد الزنجی وفیہ کلام

"مجمع الزوائد" ج۔۳ ص ۱۹۲

اس کی سند میں مسلم بن خالد الزنجی ہے اور اس میں کلام ہے۔

یہ مسلم بن خالد الزنجی مکہ کے فقیہہ ہیں۔ بنو مخزوم کے غلام تھے۔ ابو خالد ان کی کنیت ہے۔ اسی سال کی عمر میں ۱۸۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ابراہیم حربی المتوفی ۲۸۵ھ کہتے ہیں کہ چونکہ یہ بہت سیاہ تھے اس لیے انھیں زنجی کہا جانے لگا۔ ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ کا بیان ہے کہ نہیں یہ بہت سپید تھے۔ لوگ نظرِ بد سے بچانے کے لیے انھیں زنجی کہتے تھے۔ ازرقی المتوفی ۲۱۲ھ کا بیان ہے کہ نہایت عبادت گزار اور ہمیشہ روزے رکھتے تھے۔ گویا یہ بھی ایک صوفی تھے۔ بخاری، مسلم، نسائی اور ترمذی نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ ساجی کا قول ہے۔

کثیر الغلط کان یری القدر وقال البخاری منکر

الحدیث وقال ابو حاتم لا یحتج بہ وقال ابن المدینی لیس بشیئ وضعفہ ابو داؤد

"میزان" ج۔۴ ص۱۰۲

بہت غلطیاں کرتا اور قدر کا منکر تھا۔ بخاری کہتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم کا قول ہے یہ حجت نہیں ہے علی بن المدینی کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے اور ابوداؤد نے اسے ضعیف کہا ہے۔

یہ حدیث میں بے پناہ غلطیاں کرتے تھے اسی باعث یہ منکر الحدیث قرار دیئے گئے۔ صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد نے ان سے روایت لی ہے اور انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔

پھر ابو یعلی اور عبدالقادر کی روایت میں خود اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور عبدالقادر نے تو پوری سند بھی نقل نہیں کی۔ لہٰذا اس پر مزید بحث فضول ہے۔ وہ تو شب دیجور کی طرح تاریک ہے۔

اتفاق سے یہ روایت خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۳ھ نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے۔ لیکن اس میں بھی مسلم بن خالد الزنجی موجود ہے۔ جو منکر الحدیث ہے اور خطیب کی کتابیں چوتھے درجہ میں داخل ہیں۔ جن پر دین کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی۔ چوتھے درجہ کی کتابوں میں وہ روایات پائی جاتی ہیں جن کا تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کے دور میں کوئی وجود نہ تھا۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی "عجالہ" میں لکھتے ہیں۔

وطبقۂ رابعہ احادیثے کہ نام ونشان آنہا در قرون سابقہ معلوم نبود متاخراں را روایت کردہ اند۔ پس حال آں از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردہ اند و آنہارا اصل نیافتند تا مشغول بروایت آنہا می شوندیا یافتند و دراں؟ قدح و علتے دیدہ کہ باعث شد ہمہ آنہارا برترک روایت آنہا۔ "عجالہ"

چوتھے طبقہ میں وہ احادیث ہیں کہ جن کا قرون سابقہ میں نام و نشاں بھی نہ پایا جاتا تھا۔ لیکن متاخرین نے انھیں روایت کیا۔ یہ روایات دو حال سے خالی نہیں ہیں۔ یا تو اسلاف نے انھیں تلاش کیا اور ان کی کوئی اصل نہیں پائی جو انھیں روایت کرتے یا ان کی اصل تو پائی، لیکن اس میں کوئی خامی اور علت ایسی دیکھی جس کے باعث انھوں نے اس روایت کو ترک کر دیا اور روایت نہیں کیا۔

مسند ابی یعلیٰ موصلی تیسرے درجہ میں داخل ہے۔ یہ درجہ بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس روایت کا پہلے دو درجوں میں نہ پایا جانا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یا تو یہ روایت متقدمین کے دور میں موجود نہ تھی اور اگر موجود تھی تو انھوں نے اسے ناقابلِ اعتبار پایا اور روایت نہیں کیا۔ اور اس کا ایک بیّن ثبوت یہ بھی ہے کہ ابو یعلیٰ کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی اور خطیب بغدادی نے ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔ اس عرصہ میں بڑے بڑے محدث گزرے ہیں۔ مثلاً امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ ابو جعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی المتوفی ۳۲۱ھ حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ، حافظ ابو الحسن علی بن عمر الدار قطنی المتوفی ۳۸۵ھ، حافظ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری المتوفی ۴۰۵ھ، حافظ ابو محمد علی بن محمد المعروف بابن حزم اندلسی المتوفی ۴۵۶ھ، امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ المتوفی ۳۱۱ھ، حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر المالکی الاندلسی المتوفی ۴۶۳ھ، حافظ ابو حاتم محمد بن حبان بستی المتوفی ۳۵۴ھ، علامہ ابو السعادات مجد الدین المعروف با بن الجزری الشافعی المتوفی ۶۰۶ھ، احمد بن علی ابو بکر جصاص رازی المتوفی ۳۷۰ھ اور علامہ ابو نعیم اصبہانی شافعی المتوفی ۴۳۰ھ اور دیگر بہت سے محدثین حضرات گذرے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو روایت نہیں کیا۔ گویا یہ روایت ان حضرات کے نزدیک بھی ناقابلِ اعتبار تھی۔ ایسی صورت میں اس پر دین کی بنیاد قائم کرنا

ایک قسم کی خود فریبی ہے۔

۲۔ اس روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ پورے شعبان کے روزے رکھے جائیں۔ کیونکہ اس روایت میں کسی مخصوص دن یا تاریخ کا ذکر نہیں ہے کیا گیا۔ بلکہ آپؐ شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے اور حضرت عائشہؓ کے سوال کے جواب میں آپ نے جو کچھ فرمایا اس سے بھی پورے ماہ کی عمومیت ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اس تخیل کے تحت کہ شاید ہمارا نام مُردوں کی فہرست میں آجاتے پورے ماہ کے روزے رکھنے چاہئیں۔ حالانکہ شب براتیئے اس کے قائل نہیں۔ اس لیے اس روایت کو ثبوت میں پیش کرنا ایک حماقت ہے۔

۳۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام دن میں لکھے جاتے ہیں کیونکہ اگر رات میں تحریر کئے جاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن میں روزہ رکھنے کے بجائے پورے شعبان کی شب بیداری فرماتے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ شب براتئے اس کے قائل ہیں۔ تو رات کی شب بیداری تو مہمل ہوئی۔ مولوی احتشام وغیرہ فضول یہ روایت دلیل میں پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ یہ روایت پیش کرنے سے قبل پورے ماہ شعبان کے روزے رکھ کر دکھاتے تو کوئی بات تھی۔ حالانکہ انھوں نے تو رمضان کے روزوں کے لیے بھی طاقت کے انجکشنوں کو جائز قرار دیدیا تھا۔ چاہئے وہ انجکشن لگوا کر ہی رکھ لیتے۔

۴۔ اگر مولوی احتشام الحق وغیرہ یہ فرماتے کہ یہ نام دن اور رات میں کسی وقت بھی لکھے جا سکتے ہیں۔ لہٰذا پورے ماہ رات کی عبادت بھی کرنی چاہئیے تو اس روایت میں رات کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ خود ایک بدعت ہوگی۔ لیکن اگر وہ اس کا فتویٰ دیتے تو ہمیں چنداں فکر کی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اول تو عوام ہی ان کا پیچھا نہ چھوڑتے اور ہمارا مقصد خود بخود حل ہو جاتا۔ کیونکہ ہمارا اختلاف پندرھویں شب اور پندرہ شعبان کے سلسلہ میں ہے اور اس کی تخصیص ان کے عمل سے خود باطل ہو جاتی۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں اکثر روزے رکھتے۔ یہ بات احادیث صحیحہ سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپؐ کو ماہِ شعبان کے روزے محبوب تھے، یا اس میں مُردوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ یا اس میں رزق لکھا جاتا ہے۔ اس کی اصل وجہ انشاء اللہ ہم جلد قارئین کی خدمت میں خود حضرت عائشہؓ کی زبانی پیش کریں گے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے روزے نہیں رکھے۔ عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے۔

قلت لعائشۃ ھل کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شھرا معلوما سوی رمضان قالت لا واللہ ان صام شھرًا معلوما سوی رمضان حتی مضی بوجھہ ولا افطرہ حتی یصیب منہ

مسلم ج۔ ا ص ۳۶۴، نسائی ج۔ ا ص ۲۳۴

"میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے روزے رکھتے انھوں نے فرمایا۔ اللہ کی قسم آپؐ نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے روزے کبھی نہیں رکھے۔ حتی کہ آپؐ اپنی ذات سے گذر گئے (یعنی وفات ہو گئی) اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ آپؐ نے پورے ماہ کا افطار کیا ہو اور اس کے مطلق روزے نہ رکھے ہوں۔"

اس حدیث میں حضرت عائشہؓ حلفیہ بیان فرما رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ ماہ کے پورے روزے نہیں رکھے۔ یعنی شعبان میں اگر آپ نے روزے رکھے بھی ہیں تو وہ ایک اتفاقیہ امر ہے۔ جس کی وجہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی ہم آگے عرض کریں گے اور یہ بھی کبھی نہ ہوتا کہ حضورؐ کسی ماہ میں قطعاً روزے نہ رکھتے۔ اس حدیث مسلم سے ان روایات کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔

آخری دوشنبہ کا روزہ

اخبرنا ابو نصر عن والدہ باسنادہ عن معاویۃ بن صالح قال ان عبید اللہ بن قیس حدثہ انہ سمع عائشۃ تقول کان احب الشھور الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان لقربۃ رمضان وقال عبید اللہ بن قیس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صام اخر یوم الاثنین من شعبان غفرلہ۔ غنیۃ ج ۱ ص ۲۷۸

ہم سے ابو نصر نے بیان کیا وہ اپنے باپ کی سند سے معاویہ بن صالح سے روایت کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے عبید اللہ بن قیس نے اس سے بیان کیا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کو کہتے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مہینوں سے زیادہ شعبان کے روزے رمضان کی قربت کے باعث محبوب تھے اور عبید اللہ بن قیس کہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے شعبان کے آخری دوشنبہ کا روزہ رکھا اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔

سچ کہتے ہیں دروغ گو را حافظہ نباشد۔ اس روایت میں صرف آخری دوشنبہ کا روزہ رکھا گیا ہے۔ جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر

ہوا کہ حضورؐ کو جو شعبان سے محبت تھی وہ صرف رمضان کی قربت کے باعث تھی۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ یہ روایت بیان کر کے شیخ صاحب نے اُلٹی اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ آپ حضرات اس سے یہ تصوّر نہ کریں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ کیونکہ "غنیہ" اور صحیح حدیث یہ دو متضاد اُمور ہیں جو یکجا جمع نہیں ہو سکتے۔ شبِ دیجور سے روزِ روشن کا کیا تعلق۔

۱۔ اس روایت کا آخری راوی عبیداللہ بن قیس ہے۔ ہمیں تمام اسماء الرجال میں اس نام کا کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن قیس ہوں، لیکن عبداللہ بن قیس متعدد ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی حضرت عائشہؓ کا شاگرد نہیں یا تو یہ ایک فرضی نام ہے یا کسی بعد کے راوی نے کسی عبداللہ بن قیس پر جھوٹ بولا ہے جو وہ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے عائشہؓ سے سُنا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ عبداللہ بن قیس وہ شخص ہو جو ابو معاویہ سے روایت کرتا ہے لیکن وہ مجہول ہے اور وہ تبع تابعین کے بعد ہے۔ نسائی میں یہ روایت مختصراً عبداللہ بن ابی قیس سے مروی ہے۔ نسائی کے الفاظ ہیں۔

ان عبد اللہ بن ابی قیس حدثہ انہ سمع عائشۃ تقول کان احب الشھور الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یصومہ شعبان بل کان یصلہ رمضان

عبداللہ بن ابی قیس کہتا ہے کہ اس نے حضرت عائشہؓ سے سُنا وہ فرماتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان کے روزے بہت محبوب تھے۔ بلکہ آپ انھیں رمضان سے بلا دیتے۔

اس کا راوی بھی وہی معاویہ بن صالح ہے جو شیخ صاحب کی روایت میں موجود ہے۔ لیکن نہ تو اس میں آخر دوشنبہ کا ذکر ہے اور نہ قربتِ رمضان کا۔ اور اس کا راوی عبیداللہ نہیں بلکہ عبداللہ ہے اور باپ کا نام قیس نہیں بلکہ

ابو قیس کنیت ہے۔

۲۔ اس کا دوسرا راوی معاویۃ بن صالح ہے۔ یہ حمص کا باشندہ اور اندلس کا قاضی ہے۔ اس کی کنیت ابو عمرو ہے۔ امام احمد المتوفی سنہ ۲۴۰ھ اور ابو زرعہ المتوفی سنہ ۲۶۴ھ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ لیکن یحییٰ بن سعید القطان المتوفی سنہ ۱۹۸ھ اسکی مذمت کرتے اور اسے پسند نہ کرتے۔ ابو حاتم المتوفی سنہ ۲۷۷ھ کہتے ہیں یہ حجت کے قابل نہیں۔ بخاری نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ ابن معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین المتوفی سنہ ۲۳۳ھ کا بیان ہے کہ امام عبدالرحمان بن مہدی المتوفی سنہ ۱۹۸ھ جب اس کی حدیث بیان کرتے تو امام یحییٰ بن سعید القطان انھیں ڈانٹتے۔ سنہ ۱۵۸ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ میزان ج۔۴ ص ۱۳۵

اس کے اساتذہ میں کوئی عبداللہ بن قیس یا عبیداللہ بن قیس موجود نہیں۔

۳۔ ابو نصر کے والد اس معاویۃ بن صالح سے روایت کر رہے ہیں اور ابو نصر شیخ عبدالقادر کا استاد ہے اور شیخ صاحب کی پیدائش سنہ ۴۷۱ھ ہے۔ سولہ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لیے بغداد آئے۔ اب اگر اس ابو نصر سے شیخ صاحب نے بغداد آمد کے بعد حدیث سنی ہو تو کم از کم سنہ ۴۹۰ھ کے قریب سنی ہوگی۔ کیونکہ بغداد آمد کے بعد ایک عرصہ تک آپ ادب، فقہ، صرف و نحو اور دیگر علوم کی تحصیل میں مشغول رہے۔ اب اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جس وقت شیخ صاحب نے ابو نصر سے ملاقات کی۔ اس وقت ابو نصر کے باپ کو مرے ہوئے چالیس سال گزر چکے تھے۔ حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا باپ — اس وقت تک زندہ ہو۔ تب بھی کم از کم اس کا انتقال سنہ ۴۵۰ھ کے بعد ہونا چاہیئے۔ جب کہ معاویۃ بن صالح کا انتقال سنہ ۱۵۸ھ میں ہوا۔ درمیان کے تین سو سال کے راوی کہاں گئے۔ کیا صوفیاء کے یہاں ہر چیز بے پر کے اڑتی ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صوفیاء کے پاس جو کہانیاں مشہور ہیں ان کی حقیقت کیا ہوگی۔ جب کہ حضورؐ کی ذات کے بارے میں وہ اس

اس قسم کی بے پر کی اڑاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو یہ ابونصر اور اس کے اباجان دونوں فرضی شخصیتیں ہیں۔

۴۔ اس روایت کی رُو سے شعبان کے تمام روزوں اور اس کی فضیلت سے تو چھٹکارا مل گیا۔ لیکن اس میں ایک نیا روزہ بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے شعبان کے آخری دوشنبہ کا روزہ۔ آئیے اب اس کی حقیقت بھی دیکھ لیجئے۔

بخاری و نسائی نے حضرت ابوہریرہ المتوفی ۵۷ھ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا یتقدمن احد الشھر بیوم و لا یومین الا احد

کان یصوم صیاما قبلہ فلیصمہ ا

نسائی ج۔ ا ص۲۱۹ ، ابوداؤد ج۔ ا ص۳۲۶

کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو روز قبل روزے نہ رکھے۔ ہاں اگر کوئی پہلے سے کسی متعینہ روز کا روزہ رکھتا چلا آیا ہو وہ روزہ رکھ سکتا ہے۔

نیز نسائی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تتقدموا الشھر بصوم و لا یومین الا ان یوافق

ذلک یوما کان یصومہ احدکم۔ نسائی ج۔ا ص۲۱۹

تم رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔ مگر وہ شخص جو کسی دن کا روزہ رکھتا ہو اور ان دنوں میں وہ دن آجاتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی متعینہ دن کا روزہ رکھنے کا عادی نہیں اس کے لیے آخر شعبان میں روزے رکھنا جائز نہیں۔

۵۔ اس روایت میں ایک خاص علت اور پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ عبیداللہ بن قیس نے روایت کے ابتدائی الفاظ حضرت عائشہؓ کی جانب منسوب

کئے۔ لیکن جب حضورؐ کا آخری دوشنبہ کے روزے کے بارے میں فرمان بیان کیا تو حضرت عائشہؓ کا نام حذف کر دیا۔ گویا کہ یہ آخری حصہ حضرت عائشہؓ سے مروی نہیں۔ بلکہ یہ عبیداللہ بن قیس کی ایک کہانی ہے اور عبیداللہ بن قیس نامی کوئی شخص نہیں اور اگر کوئی موجود بھی ہو تو وہ صحابی نہیں۔ اس طرح راوی بھی فرضی ہوا اور روایت بھی فرضی ہوگی۔

۶۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضورؐ اکثر دوشنبہ کا روزہ رکھتے۔ اور فرمایا کہ اس میں اعمال اُٹھائے جاتے ہیں اسی دن مجھ پر وحی کی ابتدا ہوئی۔ اسی دن میں پیدا ہوا۔ یہ احادیث کسی اور مقام پر ہم نے پیش کی ہیں۔ اس سے ہر دوشنبہ کی فضیلت ظاہر ہوئی نہ کہ شعبان کے آخر دوشنبہ کی۔ اس کی تخصیص کسی صحیح حدیث میں کہیں موجود نہیں۔

شعبان کے روزوں کی حقیقت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات آپ وہ روزے رمضان سے ملا دیتے اور بعض اوقات کئی کئی روز تک بلا افطار روزے رکھتے رہتے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔

لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شھرا اکثر من شعبان فانہ کان یصوم شعبان کلہ وکان یقول خذوا من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا واحب الصلوۃ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مادیم علیہ وان قلت وکان اذا صلی صلوۃ داوم علیھا۔ بخاری ج۱ ص۲۶۴، مسلم ج۱ ص۳۶۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے

نہ رکھتے بلکہ تقریباً پورے شعبان کے روزے رکھتے اور فرماتے کہ اتنا عمل کرو جس کی طاقت رکھتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عاجز نہ ہوگا، لیکن تم عاجز ہو جاؤ گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نماز محبوب تھی جس پر مداومت ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑی ہو اور جب حضور کوئی نماز پڑھ لیتے تو اس پر مداومت فرماتے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر ویفطر حتی نقول لا یصوم وما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استکمل صیام شہر الا رمضان وما رایتہ اکثر صیاما منہ فی شعبان۔ مؤطا مترجمہ ص۲۶۱، بخاری ج۔۱ ص۲۶۴، مسلم ج۔۱ ص۳۶۵ ابوداؤد ج۔۱ ص۳۳۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم یہ کہنے لگتے کہ اب آپ افطار نہ فرمائیں گے اور جب افطار کرتے تو ہم کہنے لگتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ پورے ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور نہ شعبان سے زیادہ کسی اور ماہ میں روزے رکھتے دیکھا۔

یہی وہ روایت ہے جس کے آخری الفاظ میں ابو نصر نے ترمیم کرکے نئی روایت بنادی تھی اور اس روایت کے راوی ہشام بن عروہ نہیں۔ بلکہ ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن بن عوف المتوفی ۹۴ھ ہیں۔

"نسائی" اور "ترمذی" وغیرہ میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

ما رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شہرین

متتابعین الا شعبان و رمضان وکان یصل شعبان برمضان۔ نسائی ج۔۱ ص۲۴۸، ترمذی ج۔۱ ص۱۲۲
ابوداؤد ج۔۱ ص۳۲۶

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان اور رمضان کے علاوہ پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھتے نہیں دیکھا لیکن آپؐ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے۔"
لیکن ترمذی کی روایت میں آخری جملہ نہیں
"نسائی" کی ایک اور روایت میں حضرت عائشہ المتوفی ۵۷ھ کے الفاظ ہیں۔"

لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صام لشھر اکثر صیاما منہ لشعبان کان یصومہ او عامتہ وفی روایۃ یصوم شعبان الا قلیلا۔ نسائی ج۔۱ ص۲۳۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہ رکھتے۔ آپ پورے شعبان یا اکثر شعبان کے روزے رکھتے اور ایک روایت میں ہے کہ چند روز کے علاوہ آپ پورے شعبان کے روزے رکھتے۔

حضرت عائشہؓ جہاں یہ فرما رہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شعبان میں روزے رکھتے۔ بلکہ بعض اوقات رمضان سے ملا دیتے وہاں یہ بھی بیان فرما رہی ہیں کہ حضورؐ کا یہ دستور تھا کہ جب آپ نفلی روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے چلے جاتے اور جب افطار کرتے تو لگاتار افطار کرتے حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ کوئی ماہ روزوں کے بغیر باقی نہ رہتا اور کوئی ایسا مہینہ بھی نہ تھا جس میں آپ نے مطلقاً روزے نہ رکھے ہوں، آپ کا یہ ایک ایسا معمول ہے جسے متعدد صحابہ بیان کر رہے ہیں۔ جن کی احادیث کے حوالے متعدد مقامات پر آچکے ہیں۔

عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا۔

كان يصوم حتى نقول قد صام قد صام ويفطر حتى نقول قد افطر قد افطر قالت ومارايته صام شهرا كاملا منذ قدم المدينة الا ان يكون رمضان ۔ مسلم ج-۱ ص ۳۶۴، نسائی ج-۱ ص ۲۲۰

آپ اس کثرت سے روزے رکھتے کہ ہم کہتے کہ آپ روزے رکھتے ہی رہیں گے اور جب آپ افطار کرتے تو اس کثرت سے کرتے کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار ہی کرتے رہیں گے او رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت سے کبھی آپ کو رمضان کے علاوہ میں نے پورے ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فی هذه الاحاديث انه يستحب ان لا يخلى شهرا من صيام وفيها ان الصوم النفل غير مختص بزمان معين بل كل السنة صالحة له الا رمضان والعيد والتشريق ۔ مسلم ج-۱ ص ۳۶۵

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہ رہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نفلی روزے کسی زمانۂ معین کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ ان کے لیے تمام سال بہتر ہے۔ رمضان، عید او ایام تشریق کے علاوہ۔

انھی عبداللہ بن شقیق کا بیان ہے۔

قلت لعائشة اكان النبی صلى الله عليه وسلم يصوم شهرا كله قالت ماعلمته صام شهرا كله

او رمضان ولا افطرہ کلہ حتی یصیب منہ حتی مضی لسبیلہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایۃ قالت واللہ ان صام شہرا معلوما سوی رمضان حتی مضی لوجہہ ولا افطرہ حتی یصیب منہ۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۵ ، نسائی ج ۱ ص ۲۳۲

میں نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ماہ کے نفلی روزے رکھتے۔ انھوں نے فرمایا میں تو رمضان کے علاوہ کوئی ایسا مہینہ نہیں جانتی جس میں آپ نے پورے روزے رکھے ہوں اور نہ کوئی مہینہ ایسا تھا جس میں مکمل افطار کیا ہو اور کوئی روزہ نہ رکھا ہو حتیٰ کہ آپ اپنے راستے پر چلے گئے (یعنی آپ کی وفات ہو گئی) اور ایک روایت میں فرماتی ہیں۔ اللہ کی قسم حضور نے رمضان کے علاوہ کسی متعین مہینے کے روزے نہیں رکھے حتیٰ کہ آپ گذر گئے اور نہ کوئی مہینہ ایسا گذرا جس میں آپ نے مکمل افطار کیا ہو اور کوئی روزہ نہ رکھا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس المتوفی ۶۸ھ کا بیان ہے۔

ما صام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہرا متتابعا منذ قدم المدینۃ غیر رمضان وکان یصوم اذا صام حتی یقول القائل لا واللہ لا یفطر ویفطر اذا افطر حتی یقول القائل لا واللہ لا یصوم۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۵ بخاری ج ۱ ص ۲۶۴ ، نسائی ج ۱ ص ۲۳۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد رمضان کے علاوہ کبھی پورے ایک ماہ کے روزے نہیں رکھے۔ آپ کا دستور تھا کہ جب آپ روزے رکھتے تو اسی طرح لگاتار رکھتے کہ کہنے والا

کہتا کہ اب آپ افطار نہ فرمائیں گے اور جب افطار فرماتے تو اس طرح لگاتار افطار کرتے کہ کہنے والا کہتا کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ المتوفی ۹۱ھ کا بیان ہے

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر من الشھر حتی نظن ان لا یصوم منہ ویصوم حتی نظن ان لا یفطر منہ شیئاً۔ بخاری ج ۱ ص ۲۶۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ماہ میں افطار فرماتے تو ہم گمان کرنے لگتے کہ آپ روزے نہ رکھیں گے اور جب آپ روزے رکھتے تو ہم گمان کرنے لگتے کہ اب اس ماہ میں افطار نہ فرمائیں گے۔

ان تمام احادیث کو جمع کرنے کے بعد چند نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

۱۔ حضور رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے پورے روزے قطعاً نہ رکھتے۔
۲۔ کوئی مہینہ ایسا نہ گزرتا جس میں حضور نفلی روزے نہ رکھتے ہوں۔
۳۔ کوئی ماہ ایسا بھی نہ گزرتا کہ جس میں پورے ماہ روزے رکھے جاتے ہوں۔
۴۔ روزوں کے لیے نہ کوئی مہینہ مخصوص تھا نہ دن مخصوص تھے۔ بلکہ جس وقت بھی موقعہ ملتا یا مناسب سمجھتے روزے رکھتے۔
۵۔ شعبان میں آپ بکثرت روزے رکھتے۔

۱۔ شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ کیا تھی؟ کیا بقول صوفیا یہ روزے شعبان کی تعظیم میں تھے، یا قربت رمضان کے باعث تھے، یا اس ماہ میں نزولِ رزق، یا نزولِ الٰہی، یا مغفرت عامہ یا مردوں اور زندوں کی فہرست میں نام درج ہونا اس کی وجہ تھی۔ اِن تمام جھوٹی روایات میں یہی کچھ وجوہات بیان کی گئی ہیں لیکن یہی امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کوئی اور ہی وجہ بیان فرما رہی

ہیں۔ ان کا بیان ہے۔

کان یکون علی الصوم من رمضان فما استطیع ان اقضیہ الا فی شعبان الشغل من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وفی روایۃ ان کانت احدانا لتفطر فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما تقدر علی ان تقضیہ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی شعبان۔ مسلم ج۔ ا ص ۳۶۱ ، بخاری ج۔ ا ص ۲۶۱ ،

ابوداؤد ج۔ ا ص ۳۳۳ ، نسائی ج۔ ا ص ۲۳۱

مجھ پر رمضان کے روزے قضا ہوتے ہیں ان کی شعبان کے علاوہ کسی اور ماہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشغولیت کے باعث قضا نہ کر سکتی تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ہم میں سے کوئی زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رمضان میں افطار کرتی۔ پھر وہ اس قضا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث ادا نہ کر سکتی تھی۔ حتیٰ کہ ماہِ شعبان آجاتا۔

اتفاق سے امام بخاری، امام مسلم اور امام داؤد نے اس حدیث پر یہ سُرخی قائم کی ہے۔ باب تاخیر قضاء رمضان۔

چونکہ حضرت عائشہؓ اور دیگر ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہتیں۔ اس لیے رمضان کے وہ روزے جو نسوانی مجبوری یا سفر کے باعث قضا ہو جاتے شعبان تک اُن کی ادائیگی کا موقع نہ ملتا اور ان کی قضا شعبان میں پوری کرتیں اور حضورؐ ان کا ساتھ دیتے تھے اسی لئے بعض شارحین نے حضورؐ کے شعبان میں روزوں کی کثرت کا یہی سبب بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

الحکمۃ فی اکثارہ من الصیام فی شعبان دون غیرہ ان نساءہ کن یقضین ما علیھن من رمضان

فی شعبان   فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج-۲ ص۱۷۳

شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا اور دوسرے مہینوں میں اتنی کثرت سے روزے نہ رکھنا اس میں حکمت یہ تھی کہ ازواج مطہرات رمضان کے جو روزے ان کے قضا ہو جاتے وہ شعبان میں ادا کرتیں

۲۔ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک رمضان کی قضا دوسرا رمضان شروع ہونے سے قبل ادا کرلی جائے اور اس سے زیادہ قضا جائز نہیں۔ اسی وجہ سے محدثین نے اس حدیث پر قضائے رمضان کی سرخی قائم فرمائی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔

لانہ اذا جاء شعبان یضیق قضاء رمضان فانہ لا یجوز تاخیرہ عنہ ومذہب مالک وابی حنیفۃ والشافعی واحمد وجماہیر السلف والخلف ان قضاء رمضان فی حق من افطر بعذر کحیض اوسفر یجب علی التراخی ولا یشترط المبادرۃ بہ فی اول الامکان لکن قالوا لا یجوز تاخیرہ عن شعبان الاتی لانہ یؤخرہ حینئذ الی زمان لا یقبلہ وھو رمضان الاتی فصار کمن اخرہ الی الموت۔ مسلم ج-۱ ص۳۶۱

کیونکہ جب شعبان شروع ہو گیا تو رمضان کی قضا تنگ ہو گئی۔ کیونکہ ایک رمضان کی قضا کو دوسرے رمضان سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے۔ مالکؒ، ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور جمہور علمائے سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص نے سفر یا حیض یا کسی اور عذر کے باعث رمضان کے روزے افطار کئے۔ اگرچہ ان کی قضا تاخیر سے بھی کی جاسکتی ہے اور ان کے لیے فوری ادائیگی واجب نہیں۔ لیکن ان سب کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ ان قضا

— روزوں کو آئندہ شعبان سے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ
اس صورت میں وہ ان روزوں کو ایک ایسے زمانے تک
مؤخر کر رہا ہے جو اس کے سامنے آنے والا نہیں یعنی رمضان
(موت کی صورت میں) اس شخص کی مثال ایسی ہو گی جیسے کوئی موت
تک روزے مؤخر کر دے۔

اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ چونکہ ازواج مطہرات اپنی اپنی قضا پوری فرمایا کرتی تھیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعبان میں کثرت سے روزے رکھتے ہوں تاکہ ازواج مطہرات اپنی قضا مکمل کر سکیں۔ کیونکہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزے نہ رکھتے — تو حضورؐ کی خدمت گذاری کے سبب ازواج مطہراتؓ بھی روزے نہ رکھ پاتیں اور اس طرح دوسرے رمضان پر تاخیر لازم آتی۔ جو اسی حدیث کے باعث علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔

رمضان گذر جانے کے بعد فوری قضا اسی لیے نہیں کی گئی کہ ازواج مطہراتؓ حضورؐ کی خدمت میں مشغول رہتیں اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر ازواج مطہرات فوری طور پر قضا ادا کر لیتیں تو اُمت کے لیے یہ عمل ایک نمونہ بن جاتا۔ اور حضورؐ کی خاموشی کے سبب دوسروں کے لیے فوری طور پر قضا پوری کرنا لازم ہو جاتا۔ اس صورت میں شعبان کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض روزے کسی سال قضا ہو گئے ہوں۔ مثلاً فتح مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے اس لیے افطار فرمائے تاکہ امت پر دشواری نہ ہو اور تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ سفر میں روزہ کھولنا جائز ہے۔ جس کی تفصیل تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے تو امکان ہے کہ آپؐ نے ان روزوں کی قضا شعبان میں فرمائی ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ایک بار جو عمل فرما لیتے اس پر ہمیشہ

مداومت فرماتے اور اسی کا امت کو حکم دیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا۔

یا ایھا الناس علیکم من الاعمال ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا وان احب الاعمال الی اللہ ما دووم علیہ وان قل وکان آل محمد اذا عملوا عملا اثبتوہ

مسلم ج۔ا ص ۲۶۶، بخاری ج۔ا ص ۲۶۴

اے لوگو! اتنے اعمال اختیار کرو جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عاجز نہ ہوگا اور تم عاجز آجاؤ گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عمل محبوب تھا جس پر مداومت ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔ اور آل محمد (یعنی ازواج مطہرات) جب بھی کوئی عمل کرتیں تو اس پر قائم ہو جاتیں۔ (یہ نہیں کہ ایک رات تو پوری رات جاگ لیے اور باقی تمام سال سوتے رہے)

"علقمہ المتوفی سنہ ۶۱ھ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے دریافت کیا اے ام المومنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح عمل فرماتے۔

ھل کان یخص شیئا من الایام قالت لا کان عملہ دیمۃ وایکم یستطیع ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستطیع مسلم ج۔ا ص ۲۶۶، بخاری ج۔ا ص ۲۶۷

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے لیئے کچھ دن مخصوص تھے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا نہیں۔ حضورؐ کے ہر عمل میں مداومت ہوتی اور تم اس عمل کی کہاں طاقت رکھتے ہو جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاقت رکھتے تھے۔

امام قاسم بن محمد بن ابی بکر المتوفی سنہ ۱۰۶ھ جو حضرت عائشہؓ کے بھتیجے ہیں

وہ حضرت عائشہؓ سے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل۔ مسلم ج۔۱ ص۲۶۶

اللہ کو وہ عمل محبوب ہے جس پر مداومت ہو اگرچہ کم ہو۔

قاسم کا بیان ہے

وکانت عائشۃ اذا عملت العمل لزمتہ مسلم ج۔۱ ص۲۶۶

حضرت عائشہؓ جب کوئی عمل فرماتیں تو اسے اپنے اوپر لازم کر لیتیں:

امام نوویؒ ان احادیث کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

فیہ الحث علی المداومۃ علی العمل وان قلیلہ الدائم خیر من کثیر ینقطع وانما کان القلیل الدائم خیر من الکثیر المنقطع لان بدوام القلیل تدوم الطاعۃ والذکر والمراقبۃ والنیۃ والاخلاص والاقبال علی الخالق سبحانہ وتعالی ویثمر القلیل الدائم بحیث یزید علی الکثیر المنقطع اضعافا کثیرۃ۔ مسلم ج۔۱ ص۲۶۶

ان احادیث میں اس کی ترغیب ہے کہ عمل اگرچہ تھوڑا ہو لیکن اس پر مداومت کی جائے۔ کیونکہ وہ تھوڑا عمل جس پر مداومت ہو وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جو منقطع ہو جاتا ہو۔ کیونکہ قلیل پر مداومت سے طاعت۔ ذکر و فکر، نیت و اخلاص اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کی جانب توجہ پر مداومت رہتی ہے۔ اس طرح یہ قلیل عمل جس پر مداومت ہو وہ اس زیادہ عمل سے جو منقطع ہوتا رہتا ہو ہزار گنا بڑھ جاتا ہے۔

اور ایک بار شعبان کے روزے رکھنے کے باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہو۔

علقمہ کی روایت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دن کو مخصوص نہ فرماتے جیسا کہ صوفیاء کے یہاں ہر ہر دن کی جداگانہ نمازیں متعین ہیں اور ہر ماہ میں کچھ نہ کچھ مخصوص دن ہیں۔ تفصیل کے لیے غزالی کی کتابیں، عبدالقادر کی غنیہ، ابوطالب مکی کی قوت القلوب اور بہار شریعت وغیرہ کا مطالعہ کر لیجیے۔ یہ اسی قسم کی خرافات سے پُر نظر آئیں گی۔ ان حضرات نے جتنا وقت ان فرضی عبادتوں اور تصوف کے پیچھے ضائع کیا ہے۔ کاش اتنا ہی وقت یہ حدیث میں صرف کر دیتے تو لوگوں کی اصلاح ہو جاتی۔ لیکن ان لوگوں نے بدعات کا نام "تزکیہ نفس اور اصلاح" رکھ لیا ہے اور ہمارے علماء ان کی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر رہ گئے اگر وہ اس رعب کو کچھ دیر کے لیے بالائے طاق رکھ کر قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں تو انھیں صاف نظر آئے گا کہ ان خرافات کا اسلام سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اسے خود ساختہ دین تو کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اسے اسلام کا نام ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کچھ نہ کچھ روزے ضرور رکھتے اور عام طور پر دوشنبہ اور جمعرات کا بھی روزہ رکھتے۔ ممکن ہے کہ سفر کے باعث یہ روزے قضا ہو جاتے ہوں اور چونکہ حضورؐ ہر عمل پر مداومت فرماتے۔ اس لیے ان نفلی روزوں کی آپؐ نے قضا فرمائی ہو اور پھر ان پر مداومت کر لی ہو۔ علامہ ابن بطال نے شعبان کے روزوں کی وجہ یہی بیان فرمائی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كان يشتغل عن صوم الثلاثة ايام من كل شهر لسفر او غيره فتجتمع فيقضيها في شعبان

فتح الملہم ج ۔ ۲ ص ۱۷۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے تین روزے سفر یا کسی اور عذر کے باعث نہ رکھ پاتے اور وہ جمع ہو جاتے تو ان کی شعبان میں قضا فرماتے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظہر سے قبل کی سنتیں قضا ہو گئیں

آپؐ نے انھیں عصر کے بعد ادا فرمایا اور پھر زندگی بھر اس پر عمل پیرا رہے
اس صورت میں شعبان کے یہ روزے حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہوں گے جس طرح
عصر کے بعد کی نفلیں۔

۵۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پورے ماہ شعبان
کے روزے رکھے ہوں۔ کبھی شروع شعبان کے، کبھی آخر کے اور کبھی قطعاً
نہ رکھے ہوں۔ امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

کان یصومه کله فی وقت ویصوم بعضه فی سنة
اُخری وقیل کان یصوم تارة اوله وتارة من اخره
وتارة بینهما وما یخلی منه شیئا بلا صیام لکن
فی سنین۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۴

کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان کے روزے
رکھتے، کبھی بعد کے اور کبھی ابتداء شعبان، کبھی آخر شعبان اور
کبھی درمیان شعبان کے۔ اور کوئی شعبان روزوں سے خالی نہ
ہوتا۔ لیکن چند سال نہیں رکھے (ہمارے نزدیک ۹ھ میں آپؐ
نے شعبان کے روزے نہیں رکھے ہوں گے۔ اس لیے کہ دس
رجب ۹ھ کو آپؐ تبوک کے ارادے سے تشریف لے
گئے اور کم از کم چالیس روز میں واپس ہوئے۔ اس طرح کم از کم
آپؐ بیس شعبان کو مدینہ پہنچے ہیں۔

آخر جملے میں امام نووی نے یہ بھی بیان فرمادیا ہے کہ کچھ سال شعبان میں
آپؐ نے قطعاً روزے نہیں رکھے۔ ممکن ہے کہ بعض سال سفر پیش آگیا ہو۔

۶۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شعبان میں روزے رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
خصوصیت ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ صوم وصال رکھتے۔ یعنی بغیر افطار کیے
روزے رکھتے۔ جیسا کہ پیروں اور صوفیوں کے بارے میں مشہور ہے لیکن اُمّت

کو آپؐ نے صومِ وصال کی سختی سے ممانعت فرمائی حضرت انسؓ المتوفی ۹۱ھ کا بیان ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

لا تواصلوا قالوا فانک تواصل یارسول اللہ قال انی لست کاحد کم ان ربی یطعمنی ویسقینی

ترمذی ج-۱ ص۱۲۷، مسلم ج-۱ ص۳۵۲، ابوداؤد ج-۱ ص۳۳۰ اور بخاری ج-۱ ص۲۶۳

تم صومِ وصال نہ رکھو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپؐ بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہاری طرح نہیں مجھے تو میرا ربّ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ (یعنی کھائے پئے بغیر قوت پیدا فرما دیتا ہے)

حضرت عبد اللہ بن عمر المتوفی ۷۴ھ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے لوگوں کو صومِ وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔

انک تواصل قال انی لست مثلکم انی اطعم واسقی۔ بخاری ج-۱ ص۲۶۳، ابوداؤد ج-۱ ص۳۲۹

آپؐ بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں مجھے تو کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

ابوہریرہ المتوفی ۵۷ھ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلعم نے وصال سے منع فرمایا ایک شخص نے عرض کیا آپ بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ صحابہ نے آپؐ کے عمل کو دیکھتے ہوئے صومِ وصال رکھا۔ حتیٰ کہ دو دن گذر گئے۔ پھر اتفاق سے چاند نظر آگیا۔ (شاید یہ رمضان کے روزے تھے) آپؐ نے فرمایا۔

لو تاخر لزدتکم کالتنکیل لھم حین ابوا ان ینتھوا

بخاری ج-۱ ص۲۶۳

اگر چاند مؤخر ہو جاتا تو میں اور بڑھا دیتا۔ یہ بات آپ نے انکار کے طور پر فرمائی۔ کیونکہ انھوں نے صوم وصال ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس مضمون کی حدیث اور بھی متعدد صحابہ سے مروی ہے تو جس طرح صوم وصال کی حضورؐ نے امت کو ممانعت فرمائی۔ لیکن خود اس پر عمل فرمایا تو یہ حضورؐ کی تخصیص ہوئی۔ اسی طرح آخر شعبان کے روزوں کی ممانعت فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

لاتقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین

ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲، مسلم ج ۱ ص ۳۴۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۶، نسائی ج ۱ ص ۲۱۹

رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے نہ رکھو۔

"ترمذی" وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا انتصف شعبان فلا تصوموا ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲،

ابو داؤد۔ ج ۱ ص ۳۲۶

جب نصف شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو

حاصل کلام یہ کہ حضورؐ نے آخر شعبان میں روزے رکھنے کی ممانعت فرمائی لیکن اس کے برعکس خود آخر شعبان میں روزے رکھتے۔ حضرت ام سلمہ المتوفی ۵۹ھ کا بیان ہے

مارأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہرین متتابعین الاشعبان ورمضان وکان یصل شعبان برمضان۔ ترمذی

ترمذی۔ ج ۱ ص ۱۲۲، نسائی ج ۱ ص ۲۴۸

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان و رمضان کے علاوہ دو ماہ کے پے در پے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ اور آپ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے"
اس صورت میں بھی شعبان کے روزے حضور کی تخصیص ہوں گے۔

حاصل کلام یہ کہ شعبان کے روزے کسی فضیلت کے سبب نہ تھے بلکہ ان روزوں

کی کچھ اور ہی وجوہات تھیں۔ اگر یہ روزے فضیلت شعبان کے باعث ہوتے تو حضورؐ آخر شعبان میں روزے رکھنے کی ممانعت نہ فرماتے تاکہ امت اس خیر سے محروم نہ ہو، بلکہ اس کی فضیلت بیان فرماتے۔

۷۔ اگر ان تمام امور کو نظر انداز کر دیا جائے اور یہ تسلیم کر لیا جائے کہ فی الواقع شعبان ایک معزز مہینہ ہے اور حضورؐ نے اس کے روزے اس کی فضیلت کے باعث رکھے ہیں۔ تو لازم آئے گا کہ آپؐ نے صحابہ کو منع کر کے ان کو ایک خیر سے محروم رکھا۔ عیاذاً باللہ اس کا کوئی مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

۸۔ ان احادیث سے پورے شعبان کے روزے ثابت ہوں گے نہ کہ پندرہ شعبان کا روزہ۔ اگر یہ مُلا پورے شعبان کے روزے رکھیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

۹۔ ان احادیث میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ آپؐ شعبان کی راتوں میں عبادت بھی کیا کرتے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فضیلت صرف دنوں کو حاصل ہے راتوں کو حاصل نہیں جیساکہ روز عرفہ کو فضیلت حاصل ہے شب عرفہ کو نہیں۔ روز جمعہ کو فضیلت حاصل ہے شب جمعہ کو حاصل نہیں۔ اس طرح پندرھویں شب میں قبرستان کے چکر اور آتش بازیاں چھوڑ کر رحمت الٰہی کو آگ لگانے کا عمل خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اسی لیے یہ علماء ان تمام احادیث صحیحہ کو جام شیریں سمجھ کر پی گئے ہیں ورنہ ان کے لئے پورے ماہ کے روزے گلے پڑ جاتے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

چار راتیں

أخبرني ابو نصر عن والدہ باسنادہ عن مالك بن انس عن ہشام بن عروۃ عن عائشۃ قالت سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول یفتح اللہ الخیر فی اربع لیال سحا لیلۃ الاضحیٰ ولیلۃ الفطر ولیلۃ

النصف من شعبان ينسخ الله فيها الآجال والا رزاق ويكتب فيها الحاج وليلة عرفة الى الاذان۔

غنیۃ الطالبین ۔ ج ۔ ا ص ۶۹۱۔

مجھے ابونصر نے خبر دی وہ اپنے باپ کی سند سے مالک بن انس سے روایت کرتا ہے وہ ہشام بن عروہ سے وہ حضرت عائشہؓ سے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ اللہ تعالیٰ چار راتوں میں خیر کو بہاتا ہے عید الاضحیٰ کی شب، شب عید الفطر، نصف شعبان کی شب ان میں اللہ تعالیٰ اموات اور رزق لکھتا ہے اور ان شب میں حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں اور عرفہ کی شب اذان تک

زنادقہ نے اسلام کی بیخ کنی اور صوفیا نے فضائل میں لا تعداد احادیث وضع کیں۔ ان میں سے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو احادیث کے ساتھ ساتھ ان کی سندات بھی وضع کرتا اور سند میں بڑے بڑے ائمہ کے نام پیش کرتا حتیٰ کہ ایک مشہور صوفی نوح بن ابی مریم نے پھانسی پر چڑھتے وقت اِس بات کا اقرار کیا کہ اسؑ نے اپنے دل سے چار ہزار احادیث وضع کر کے لوگوں میں پھیلائی ہیں۔ اسماء الرجال میں اِس قسم کی بے پناہ مثالیں ملتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک شخص نے امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اور یحییٰ بن معین المتوفی ۲۳۳ھ کے نام سے احادیث وضع کیں۔ اتفاق سے ایک روز مسجد رصافہ میں وہ یہ احادیث بیان کر رہا تھا کہ وہاں یہ دونوں حضرات پہنچ گئے۔ انھوں نے اس سے دریافت کیا تم سے یہ حدیث کس نے بیان کی ہے۔ اس نے ان دونوں کا نام لیا۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا۔ میں یحییٰ بن معین ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں ہم نے ایسی کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ وہ بے حیا ہنسا اور بولا کہ کیا تم نرالے یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہو؟ ارے دنیا میں تم جیسے ہزار ہا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہوں گے۔ میرے استادوں میں ستر احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین ہیں۔

یہ کام صرف اِس لیے انجام دیا جاتا کہ ان ائمہ کرام کا نام سُن کر لوگ اُن کے جھوٹ پر ایمان لے آئیں۔ جیسے آج بات بات پر حدیث کا یا بزرگوں کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اِس روایت میں ان خبیثوں نے امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ اور ہشام المتوفی ۱۴۵ھ کا نام لیا ہے۔ ان بیوقوفوں کو شاید یہ خبر نہیں کہ ہشام بن عروہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے جب کہ حضرت عائشہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں انتقال فرما چکی تھیں تو جو شخص ہشام بن عروہ پر اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا ہے وہ امام مالک پر بھی بول سکتا ہے۔

۲۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اگر ابونصر کا کوئی وجود ہے تو کم از کم اس کے باپ کا سن وفات ۴۵۰ھ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اسی صورت میں ابونصر عبدالقادر جیلانی کا اُستاد بن سکتا ہے اور ابونصر کا انتقال ۴۹۰ھ کے بعد ہونا چاہیئے۔ جب کہ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں ہے۔ درمیان سے یہ دو سو ستر سال کے روات کہاں گئے۔ کیا وہ راوی علم باطن کی نذر ہو گئے ہیں۔

۳۔ اگر ابونصر کے باپ نے واقعتاً یہ روایت امام مالک سے سُنی ہو تو اس کی پیدائش زیادہ سے زیادہ ۱۶۰ھ تک ہونی چاہیئے اور ۱۹۰ھ سے پہلے پہلے ابونصر کو پیدا ہو جانا چاہیئے اور تیسری صدی ختم ہونے سے قبل اسے دُنیا سے روپوش ہو جانا چاہیئے تھا۔ اِس صورت میں عبدالقادر نے اس سے کیسے روایت سنی جب کہ وہ ۴۷۱ھ میں عالم وجود میں آئے اس صورت میں یہ کہنا کیسے دُرست ہوگا کہ ہمیں ابونصر نے خبر دی۔ دونوں صورتوں میں تینوں میں سے ایک کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا۔ یعنی شیخ عبدالقادر، ابونصر اور اس کا باپ۔

۴۔ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ نے اپنی تمام مرویات اپنی کتاب میں جمع فرمائیں جو "مؤطا" کے نام سے مشہور ہے اور ان سے اِس "مؤطا" کو ایک ہزار ائمہ و محدثین و فقہاء نے نقل کیا۔ آج بھی ان کی کتاب پائی جاتی ہے اور امام محمد المتوفی ۱۸۹ھ کی "مؤطا" اور ابن القاسم المتوفی ۱۹۱ھ کی "مدونہ" بھی دراصل امام مالک کی "مؤطا" ہے۔

نیز امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ، امام احمد المتوفی ۲۴۱ھ، بخاری المتوفی ۲۵۶ھ مسلم المتوفی ۲۶۱ھ، ابو داؤد المتوفی ۲۷۵ھ، نسائی المتوفی ۳۰۳ھ، ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ، دارمی المتوفی ۲۵۵ھ اور دیگر محدثین نے ان کی تمام مرویات اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیں اور امام مالک کی کوئی مرفوع حدیث ایسی باقی نہیں چھوڑی جو انہوں نے اپنی کتابوں میں روایت نہ کی ہو اور بعد میں بھی محدثین ان کی مرویات نقل کرتے رہے، لیکن کسی نے بھی یہ روایت نقل نہیں کی۔ کیا یہ ابو نصر یا شیخ عبدالقادر کو الہام ہوئی تھی۔

۵۔ اصولِ حدیث کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی روایت میں سے متعدد روات ایک مقام سے چھوٹ جائیں تو وہ روایت معلّق کہلاتی ہے۔ یعنی کسی سہارے کے بغیر فضا میں لٹکی ہوئی اور جس طرح فضا میں سہارے کے بغیر لٹکنا محال ہے اسی طرح اس کا صحیح ہونا محال ہے اور اگر درمیان سے ایک راوی ترک ہو جائے تو وہ منقطع کہلاتی ہے۔ اتفاق سے یہ روایت معلّق بھی ہے اور منقطع بھی۔ کیونکہ ابو نصر کے باپ اور امام مالک کے درمیان پانچ چھ راوی چھوٹ گئے ہیں یا چھوڑ دیے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ معلّق ہے اور ہشام اور عائشہؓ کے درمیان ایک راوی چھوٹ گیا یا جہالتاً چھوڑ دیا گیا۔ اس لحاظ سے یہ منقطع ہوئی اور ابو نصر کی تمام مرویات کو دیکھتے ہوئے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اوّل درجہ کا کذاب اور زندیق ہے۔ ایسی صورت میں یہ روایت ایک صریح جھوٹ اور امام مالک وغیرہ پر اتہام ہے۔

۶۔ ایک امکان یہ بھی ہے کہ یہ کوئی اور مالک ہوں۔ اسی طرح ہشام عروہ کے بیٹے نہ ہوں کوئی اور عروہ ہوں جو کذاب اور مجہول ہوں اور دونوں کے باپوں کا نام تبدیل کر دیا گیا ہو۔

یہ تو سند پر بحث ہوئی۔ اب آئیے اس روایت کی معنوی حیثیت پر بھی غور کر لیجیے۔

۱۔ ان چار راتوں میں لیلۃ القدر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ اس شب کی

فضیلت پر تمام علمائے امت اور قرآن و حدیث متفق ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

ہم نے لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا۔ تم کیا جانو کہ لیلۃ القدر کیا شئے ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے پروردگار کے حکم سے ہر حکم لیکر نازل ہوتے ہیں۔ صبح صادق تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

نیز ارشاد الٰہی ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ

ہم نے اسے مبارک رات میں اتارا۔ یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس میں ذو حکمت حکم جدا کیا جاتا ہے۔ ہماری جانب سے ہر حکم یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں۔ آپ کے پروردگار کی جانب سے رحمت"

لیکن ان زنادقہ نے نیکی کا بادہ اوڑھ کر اتنی بڑی خیر سے لوگوں کو محروم کرنے کی کوشش کی اور اس طرح قرآن کا مذاق اڑایا ہے۔

۲۔ لیلۃ الفطر کے بارے میں بھی جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں۔ اگر اس شب کو کوئی فضیلت حاصل ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاند دیکھ کر اعتکاف ختم نہ فرماتے بلکہ عید کی صبح کو اعتکاف ختم کیا جاتا جس طرح آپ نے یہ حکم دیا۔

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ۝ بخاری ج ۱ ص ۲۶۹ ۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۹ ، ابوداؤد

ج۔۱ صـ۲۰۱ ، نسائی ج۔۱ صـ۲۲۱ ۔ موطا صـ۴۰

جس نے رمضان میں ایمان لاتے ہوتے اور ثواب کی نیت سے قیام کیا۔ اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں

اور جس طرح یہ حکم دیا۔

مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ بخاری ج۔۱ صـ۲۶۹ ، مسلم ج۔۱ صـ۲۵۹

ابوداؤد ج۔۱ صـ۲۰۱ ، نسائی ج۔۱ صـ۲۲۲

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان اور ثواب کی غرض سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

اور یہ حکم دیا

اِلْتَمِسُوْا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔

بخاری ج۔۱ صـ۲۷۰ ، مسلم ج۔۱ صـ۳۶۹ ، ابوداؤد ج۔۱ صـ۲۰۳ ۔ موطا صـ۴۱

رمضان کے آخر عشرہ میں لیلۃ القدر تلاش کرو۔

اسی طرح یہ حکم دیتے۔

اِلْتَمِسُوا الْخَیْرَ فِیْ لَیْلَۃِ الْفِطْرِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ

لیلۃ الفطر وغیرہ میں خیر تلاش کرو (لیکن آپؐ نے کوئی حکم نہیں دیا)

۲۔ بقر عید کی شب کو بھی کوئی فضیلت حاصل نہیں جو بھی فضیلت حاصل ہے وہ دن کو حاصل ہے اور اس روز قربانی سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حج کو تشریف لے گئے اور نو تاریخ کی شام کو عرفہ سے کوچ فرمایا اور مزدلفہ پہنچے۔ حضرت جابرؓ المتوفی ۷۳ھ کا بیان ہے

فصلی بھا المغرب والعشاء باذان واحد واقامتین ولم یسبح بینھما شیئا ثم اضطجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی تطلع الفجر مسلم ج۔۱ صـ۳۹۸ اور

ابوداؤد ج ۔ ۱ صلے ۲

"آپؐ نے مغرب اور عشاء کی نماز ایک اذان اور دو تکبیرات سے پڑھائی اور درمیان میں کوئی سنت و نفل وغیرہ نہیں پڑھے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے اور طلوع فجر تک لیٹے رہے"

یہ عیدالاضحیٰ کی شب تھی اور حضور تمام رات صبح صادق تک لیٹے رہے اور مغرب و عشاء کی سنتیں بھی ترک فرمادیں اور تہجد بھی ادا نہیں فرمائے جس سے ظاہر ہے کہ اس شب کو کسی قسم کی کوئی فضیلت حاصل نہیں ۔ ورنہ ایسے متبرک مقام پر تمام رات لیٹ کر گزارنا اور تہجد و سنتیں بھی ادا نہ کرنا کیا حضورؐ کے شایانِ شان تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عمداً کیا گیا کہ لوگ دن پر قیاس کرکے رات کی فضیلت یا عبادت کا اہتمام نہ کریں۔

۴۔ شبِ عرفہ کو بھی کوئی فضیلت حاصل نہیں ۔ ہاں روزِ عرفہ کو فضیلت حاصل ہے اور وہ بھی صرف اتنی کہ غیر حاجی اس دن روزہ رکھے ۔ روز عرفہ کو جو مزید فضیلتیں حاصل ہیں وہ میدانِ عرفات کے ساتھ خاص ہیں یعنی اس کا سبب حج ہے

۵۔ اس روایت میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس رات میں حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں ۔ حالانکہ کسی اور روایت میں اس کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا اور لطف یہ ہے کہ اس روایت میں تین راتوں کا ذکر کرکے فیھا کی ضمیر لائی گئی ہے اور یہ ضمیر واحد و جمع دونوں کے لیے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

جَنّٰتِ النَّعِيمِ خٰلِدِينَ فِيهَا

جنات النعیم میں ہمیشہ رہیں گے ۔

یہاں فیھا کی ضمیر جمع کے لیے استعمال ہوئی ہے اور چونکہ اس روایت میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ اس جگہ ضمیر واحد کے لیے ہے جب کہ اس سے پہلے تین راتوں کا ذکر ہے ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں ضمیر جمع کے لیے ہے اور جب ضمیر جمع کے لیے ہوگی تو اس روایت سے یہ لازم

آئے گا کہ تین راتیں ایسی ہیں جن میں مردوں کے نام تحریر کیے جاتے ہیں، رزق لکھا جاتا ہے اور حاجیوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ یعنی شب تبرا، شب عید الفطر اور شب عید الاضحیٰ۔

شیخ صاحب کے معتقدین کو چاہیے کہ وہ ایک رات کے بجائے تین راتوں کا اہتمام کریں۔ کچھ کریں یا نہ کریں۔ لیکن پیر صاحب کی نیاز کے نام سے حلوا یکم خود ضرور رکھا یا کریں۔ یا اپنے پیرانِ پیر کو عربی لکھنا اور بولنا سکھا دیں جو عجمی ہونے کے ناتے ان کے بس کا روگ نہیں۔

مرویات حضرت علی رضی اللہ عنہ

المتوفی سنہ ۴۰ھ

ابنِ ماجہ کی ایک روایت پر بحث

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعد شب برات کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جھوٹ حضرت علیؓ پر بولا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت علیؓ تو بقول صوفیاء اور روافض امام الاولیاء اور علم باطن کا سرچشمہ ہیں۔ ہر جھوٹ میں (عیاذاً باللہ) انھی کو فوقیت دی جاتی ہے۔ لیکن شبِ برات کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کو اولیت دی گئی ہے۔ آپ حضرات نے دیکھا کہ اس شب کی فضیلت کے ذریعہ ام المومنین کو لاعلم عبادت سے گریزاں اور کم فہم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک قسم کا مخفی تبرا تھا جس کے لیے لفظ برات استعال کیا گیا۔ کیونکہ تبرا برات سے ہی مشتق ہے۔

روافض و صوفیاء حضرت علی اور اہل بیت سے حب محبت کے مدعی ہیں اب اس محبت کی حقیقت بھی ملاحظہ کیجیے۔

شب برات کے سلسلے میں حضرت علیؓ سے جو روایات مروی ہیں ان

میں سب سے بہترین روایت وہ ہے جو ابنِ ماجہ میں پائی جاتی ہے۔ ہم اسے بہترین کہنے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ یہ "ابنِ ماجہ" کی روایت ہے جسے ہمارے علمار صحاح ستہ میں داخل تصور کرتے ہیں اور پھر اپنی لاعلمی سے یہ سمجھتے ہیں کہ صحاح ستہ" کی ہر روایت مقبول اور صحیح ہے۔ اس لیے کئی علمار بھی اس روایت کو بیان کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ صحاح کی تمام روایات صحیح اور قابلِ قبول ہیں تو اس کو سمجھنے کے لیے شاہ ولی اللہ المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ اور شاہ عبدالعزیز المتوفی سنہ ۱۲۳۹ھ کا بیان پھر پڑھ لیجئے۔ رہا یہ سوال کہ "ابن ماجہ" "صحاح ستہ" میں داخل ہے یا نہیں تو اگرچہ اس کا جواب بھی شاہ صاحب کی زبانی گذر چکا لیکن چونکہ اس مرض میں علمار اور عوام دونوں مبتلا ہیں اس لیے اس کی تشریح بھی ضروری ہے

سننِ ابنِ ماجہ کی حیثیت

گذشتہ صفحات میں ہم نے طبقات حدیث پر شاہ ولی اللہ کا مضمون شاہ عبدالعزیز کی زبانی بیان کیا تھا۔ اس میں تیسرے طبقہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا تھا۔

"وطبقہ ثالثہ احادیثے کہ جماعہ از علمار متقدمین بر زمان بخاری و مسلم یا معاصرین آنہا یا لاحقین یا آنہا در تصانیف خود روایت کردہ اند والتزام صحت نمودہ، و کتب آنہا در شہرت و قبول در مرتبہ اولی او ثانیہ نرسیدہ، ہر چند مصنفان آں کتب موصوف بودند بہ تبحر در علوم حدیث و وثوق و عدالت و ضبط و احادیث صحیح و حسن و ضعیف بلکہ متہم بالوضع نیز دراں کتب یافتہ می شود و رجال آں کتب بعضے موصوف بعدالت اند و بعضے مستور و بعضے مجہول و اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہار نشدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا

منعقد گشتہ و دریں کتب ہم تفاضل و تفاوت ہست بعضہا اقوی من بعض۔ اسامی این کتب این است"۔ مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی۔ عجالہ ص۵

"تیسرے طبقہ میں وہ احادیث ہیں کہ جنھیں بخاری و مسلم سے قبل کے لوگوں نے یا اُن کے معاصرین یا ان کے بعد کے لوگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں روایت کیا اور صحت کا التزام نہیں کیا اور ان کی کتابیں شہرت و قبولیت میں اول درجہ اور دوسرے درجہ پر نہیں پہنچیں۔ اگرچہ ان کے مصنفین علوم حدیث میں متبحر رکھتے، اور وثوق و عدالت اور ضبط میں مشہور تھے۔ لیکن انکی کتابوں میں صحیح حسن ضعیف بلکہ موضوع روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کے بعض رواۃ عدالت کے ساتھ متصف ہیں بعض مستور الحال اور بعض مجہول ہیں اور ان کتابوں کی اکثر احادیث فقہار کے نزدیک معمول بہا نہیں رہیں بلکہ ان کے خلاف اجماع منعقد ہوا۔ ان کتابوں میں بھی باہم بہت تفاوت پایا جاتا ہے بعض بعض سے افضل ہیں۔ اِن کتابوں کے نام یہ ہیں۔ مسند شافعی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی ......"

نیز دوسرے طبقہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"صاحب جامع الاصول (ابن اثیر المتوفی ۶۰۶ھ) ابن ماجہ را در صحاح نہ کردہ بلکہ مؤطا را ششم قرار دادہ والحق معہ"

"جامع الاصول" کے مصنف یعنی ابن اثیر نے ابن ماجہ کو صحاح میں شمار نہیں کیا۔ بلکہ "مؤطا" کو چھٹی کتاب قرار دیا اور حق بھی یہی ہے۔"

شاہ صاحب کے ان الفاظ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابن ماجہ صحاح ستہ میں داخل نہیں اور اس میں ہمہ قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، اس کے بعض راوی مستور،

بعض مجہول اور بعض متہم بالوضع ہیں۔ شاہ صاحب کی اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ علامہ ابن اثیر بھی ابن ماجہ کو صحاح میں داخل نہیں سمجھتے۔

"سنن ابن ماجہ" کے بارے میں علماء کے درمیان دو بحثیں ابتداء سے چلی آرہی ہیں

۱۔ یہ صحاح میں داخل ہے یا نہیں اور اگر داخل نہیں تو وہ کون سی کتاب ہے جسے صحاح میں داخل کر کے ستہ یعنی چھ کا عدد پورا کیا جائے۔ علامہ ابن اثیر المتوفی ۶۰۶ھ شاہ ولی اللہ المتوفی ۱۱۷۶ھ اور شاہ عبدالعزیز المتوفی ۱۲۳۹ھ "مؤطا امام مالک" کو داخل کر کے چھ کی تعداد پوری کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق دہلوی ۱۰۵۲ھ اور حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ "مسند دارمی" کو داخل کر کے یہ تعداد پوری کرتے ہیں۔

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ شارح "صحیح مسلم" اس تعداد ہی کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک صحاح صرف پانچ ہیں۔ اسی لیے وہ کتاب الاذکار میں جگہ جگہ یہ فرماتے ہیں۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةَ اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔

بعض علماء صرف تین کتابوں کی صحت کے قائل ہیں۔ "صحیح بخاری" "صحیح مسلم" "سنن نسائی"۔ یہ لوگ صرف صحاح ثلاثہ کے قائل ہیں۔ لیکن یہاں ان تفصیلات کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف "ابن ماجہ" کی کتاب پر بحث مقصود ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ مقدمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

قال بعضهم كتاب الدارمى احرى واليق بجعله سادس الكتب لان رجاله اقل ضعفا ووجود الاحاديث المنكرة والشاذة فيه نادر وله اسناد عالية وثلاثياته اكثر من ثلاثيات البخارى

مقدمہ مشکوٰۃ ص۷

بعض علماء فرماتے ہیں دارمی کی کتاب اس کے زیادہ لائق ہے کہ اسے چھٹی کتاب قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس کے رواۃ بہت کم ضعیف ہیں اور اس میں احادیث منکر اور شاذہ۔ شاذ و نادر ہی پائی جاتی ہیں

اور ان کی ثلاثیات بخاری کی ثلاثیات سے زیادہ ہیں۔

امام دارمی المتوفی ۲۵۵ھ تمام اصحاب صحاح ستہ کے استاد ہیں اور ان کی کتاب میں کوئی موضوع روایت نہیں پائی جاتی۔

نواب صدیق حسن خان المتوفی ۱۳۰۷ھ "الحطہ بذکر الصحاح الستہ" میں ابن ماجہ کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ولہ عدۃ احادیث ثلاثیات اوردھا فی سننہ وھذہ الثلاثیات من طریق جبارۃ بن المغلس ولہ حدیث فی فضل قزوین منکر بل موضوع ولھذا طعنوا فیہ وفی کتابہ — الحطہ بذکر الصحاح الستہ ص۱۱

"ابن ماجہ کے یہاں چند ثلاثی احادیث بھی ہیں جنھیں جبارۃ بن مغلس کے ذریعہ اپنی کتاب میں روایت کیا ہے اور ابن ماجہ میں قزوین کی فضیلت میں ایک منکر بلکہ موضوع حدیث بھی موجود ہے۔ اسی لیے علماء حدیث نے "ابن ماجہ" اور ان کی کتاب پر طعن کیا ہے۔

شیخ محمد بن یحیٰی المعروف ابن محسن التیمی اپنی کتاب "الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی" میں فرماتے ہیں۔

ولابن ماجۃ رحمہ اللہ خمسۃ احادیث ثلاثیات اوردھا فی سننہ وھذہ الثلاثیات من طریق جبارۃ بن المغلس ولہ حدیث فی فضل قزوین منکر بل موضوع ولھذا طعنوا فیہ وفی کتابہ۔ — الیانع الجنی ص۵۷

"ابن ماجہ اپنی "سنن" میں پانچ ثلاثیات لے کر آئے ہیں اور یہ ثلاثیات جبارۃ بن مغلس کے ذریعہ مروی ہیں اور "ابن ماجہ" میں قزوین کی فضیلت میں منکر بلکہ موضوع حدیث موجود ہے اسی لیے علماء

نے "ابن ماجہ" اور ان کی سنن پر طعن کیا ہے۔

علامہ محمد بن عابد سندھی حنفی المتوفی ۱۲۵۷ھ اپنی "حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد" میں فرماتے ہیں۔

قال الشیخ الامام صلاح العلائی انہ قال لو قدم مسند الدارمی بدل ابن ماجۃ فکان سادسا لکان اولی

شیخ امام صلاح العلائی المتوفی ۷۶۱ھ فرماتے ہیں۔ اگر "ابن ماجہ" کے بدلہ میں "مسند دارمی" کو رکھا جاتا اور اسے چھٹی کتاب قرار دیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

حافظ ابن حجر ہیثمی المتوفی ۹۹۵ھ فہرست میں لکھتے ہیں۔

قال المزی ان الغالب فی ما انفرد بہ ابن ماجۃ الضعف ولذا جری کثیر من القدماء علی اضافۃ الموطا او غیرہ الی الخمسۃ

امام مزی ۷۴۲ھ فرماتے ہیں اکثر وہ احادیث جنہیں صرف "ابن ماجہ" نے روایت کیا ہو وہ ضعیف ہوتی ہیں۔ اسی لیے متقدمین کی اکثریت کا خیال ہے کہ پانچوں کتابوں کے ساتھ چھٹی کتاب "موطا" یا کسی اور کتاب کو قرار دیا جائے۔

علامہ محمد اسمٰعیل امیر الیمانی المتوفی ۱۱۸۲ھ "توضیح الافکار" میں تحریر فرماتے ہیں

وکانہ اختیار الحافظ العلائی فانہ قال ینبغی ان یجعل مسند الدارمی سادسا للخمسۃ بدل ابن ماجۃ فانہ قلیل الرجال الضعفاء نادر الاحادیث المنکرۃ والشاذۃ وان کان فیہ احادیث مرسلۃ وموقوفۃ فھو مع:

ذلک اولی من سنن ابن ماجة الی اخر ملامه
ویحتمل انه اراد تفضیله علی ابن ماجة بخصوصه
وان ابن ماجة رجال له الضعفاء اکثر واحادیثه الشاذة
والمنکرة غیر نادرة

حافظ صلاح العلائی المتوفی ۷۶۱ھ کا قول ہے کہ مناسب یہ ہے کہ پانچوں کتابوں کے ساتھ "ابن ماجہ" کے بدلے "مسند دارمی" کو چھٹی کتاب قرار دیا جائے۔ کیونکہ اس میں ضعیف رواۃ کی تعداد بھی کم ہے اور منکر اور شاذ احادیث بھی نادر ہیں اگرچہ اس میں مرسل اور موقوف روایات ضرور موجود ہیں۔ لیکن تب بھی وہ سنن ابن ماجہ سے بہت بہتر ہے۔

ممکن ہے حافظ علائی کا مقصد "مسند دارمی" کو خاص طور پر "ابن ماجہ" پر فضیلت دینا مقصود ہو، کیونکہ "ابن ماجہ" میں اکثر روایات ضعیف ہیں اور اس میں شاذ اور منکر احادیث بہت ہیں۔

جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ "تدریب" میں لکھتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام الحافظ ابن حجر العسقلانی
کتاب الدارمی لیس دون السنن فی الرتبة بل لو
ضم الی الخمسة لکان اولی من ابن ماجة فانه
امثل منه بکثیر

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں "سنن دارمی" رتبہ میں دیگر سنن (سنن نسائی، سنن ابی داؤد) سے کم نہیں ہے۔ بلکہ اگر اسے پانچوں کتابوں کے ساتھ شامل کیا جاتا تو وہ "ابن ماجہ" سے بہت بہتر ہوتا۔ کیونکہ "سنن دارمی" "ابن ماجہ" سے بہت عمدہ ہے۔

علامہ محمد بن ابراہیم المعروف بابن وزیر المتوفی سنہ ۸۴۰ھ "تنقیح الانظار" میں رقم طراز ہیں:

واما سنن ابن ماجۃ دون ھذین الجامعین یعنی کتاب ابی داؤد والنسائی والبحث عن احادیثہا لازم وفیہا حدیث موضوع فی الفضائل

"ابن ماجہ" "ابوداؤد" اور "نسائی" کی کتابوں سے کم ہے اور اس کی روایات پر بحث کرنا لازم ہے اور اس میں فضائل کے سلسلہ میں موضوع حدیث بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی المتوفی سنہ ۵۰۷ھ اپنی کتاب "الشروط الائمۃ الستۃ" میں لکھتے ہیں۔

رایت علی ظہر جزء قدیم بالری حکایۃ کتبہا ابو حاتم الحافظ المعروف بخاموش قال ابوزرعۃ الرازی طالعت کتاب ابی عبداللہ فلم اجد فیہ الاقدرا یسیرا مما فیہ شیئ وذکر قریب بضعۃ عشر

میں نے رے میں ایک قدیم جزو کی پشت پر ایک حکایت لکھی ہوئی دیکھی جسے حافظ ابوحاتم المعروف بہ خاموش نے لکھا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام ابوزرعہ المتوفی سنہ ۲۶۴ھ رازی نے فرمایا میں نے ابوعبداللہ (ابن ماجہ) کی کتاب کا مطالعہ کیا۔ اس میں بہت کم ایسی روایات پائیں جن میں خرابی ہے اور دس سے اوپر روایات کا انھوں نے ذکر فرمایا۔

امام ذہبی المتوفی سنہ ۷۴۸ھ نے اپنی "تذکرۃ الحفاظ" میں خود امام ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔

عرضت ھذہ السنن علی ابی زرعۃ فنظر فیہا وقال اظن ان وقع ھذا فی ایدی الناس تعطلت ھذہ الجوامع

او اکثرھا ثم قال لعل لا یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا مما فی اسنادہ ضعف۔

میں نے یہ سنن ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی، انھوں نے اس پر نظر ڈال کر فرمایا۔ اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں چلی گئی تو یہ بہت سے جوامع معطل ہو جائیں گے۔ پھر فرمایا شاید اس میں تیس احادیث بھی ایسی نہ ہوں گی جن کی سندات میں ضعف ہو۔"

لیکن یہی امام ذہبی اپنی "النبلاء" میں لکھتے ہیں۔

وقول ابی زرعۃ لعل لا یکون فیہ تمام ثلاثین حدیثا مما فی سندہ ضعف او نحو ذلک ان صح کانما عنی بثلاثین حدیثا المطرحۃ الساقطۃ واما الاحادیث التی لا تقوم بھا حجۃ فکثیرۃ لعلھا نحو الالف۔

ابوزرعہ کا یہ قول کہ شاید تیس احادیث بھی ایسی نہ ہوں گی جن کی سند میں ضعف ہو۔ اگر یہ قول صحیح ہے تو تیس احادیث سے مراد وہ احادیث ہوں گی جو ساقط الاعتبار اور پھینک دینے کے لائق ہوں گی۔ ورنہ وہ احادیث جو حجت نہیں ہو سکتیں۔ وہ تو "ابن ماجہ" میں ایک ہزار کے قریب ہیں۔

نیز یہی حافظ ذہبی "سیر النبلاء" میں فرماتے ہیں۔

کان حافظا صادقا واسع العلم ناقدا وانما غض من رتبۃ سننہ ما فیھا المناکیر و قلیل من الموضوعات۔

"ابن ماجہ" حافظ الحدیث، صادق و ناقد اور کثیر العلم ہیں، لیکن ان کا رتبہ ان کی "سنن" کے باعث گر گیا ہے۔ جس میں منکرات

اور کچھ موضوعات موجود ہیں۔

علامہ ابن وزیر المتوفی سنہ ۸۴۰ھ تنقیح الانظار میں لکھتے ہیں

ان ابن ماجۃ تفرد فیہ باخراج احادیث عن رجال متھمین بالکذب وسرقۃ الاحادیث وبعض تلک الاحادیث لا تعرف الا من جھتھم مثل حبیب بن ابی ثابت کاتب مالک والعلاء بن زیدل وداؤد بن المحبر وعبد الوھاب بن الضحاک واسمٰعیل بن زیاد السکونی وعبد السلام بن یحیی بن الجنوب وغیرھم

"ابن ماجہ" ایسے رواۃ سے احادیث روایت کرنے میں منفرد ہیں جن پر جھوٹ بولنے اور حدیثیں چرانے کا اتہام ہے اور ان میں سے بعض احادیث تو ایسی ہیں کہ جو اس قسم کے کذاب راویوں کے علاوہ کسی اور سے مروی نہیں مثلاً حبیب بن ابی ثابت کاتب مالک علاء بن زیدل، داؤد بن المحبر، عبد الوہاب بن الضحاک، اسمٰعیل بن زیاد السکونی اور عبد السلام بن یحییٰ بن الجنوب وغیرہ

واما ما حکاہ ابن طاھر عن ابی زرعۃ الرازی انہ نظر فیھا فقال لعل لا یکون فیھا تمام ثلاثین حدیثا مما فیہ ضعف فھی حکایۃ لا تصح لانقطاع سندھا وان کانت محفوظۃ فلعلہ اراد ما فیہ من الاحادیث الساقطۃ الی الغایۃ او کان ما رای من الکتاب الا جزاء منہ فیہ ھذا القدر وقد حکم ابو زرعۃ علی احادیث کثیرۃ منہ بکونھا باطلۃ او ساقطۃ او منکرۃ وذلک محکی فی کتاب العلل لابن ابی حاتم۔

ابن طاہر المتوفی ۵۰۷ھ نے جو ابوزرعہ رازی سے نقل کیا ہے کہ شاید ابن ماجہ میں تیس احادیث بھی کمزور نہ ہونگی اول تو یہ قول صحت سے ثابت نہیں کیونکہ اس کی سند منقطع ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو اس سے مراد ان کی وہ احادیث ہوں گی جو انتہائی درجہ ساقط الاعتبار ہوں گی (متقدمین کی اصلاح میں موضوع پر بھی ضعیف کا اطلاق ہوتا تھا) یا ابن ماجہ کے جتنے اجزاء کا انھوں نے مطالعہ کیا ہو اس پر یہ حکم جاری کیا ہو۔ کیونکہ ابوزرعہ نے ایسی بہت سی احادیث کو جو ابن ماجہ میں پائی جاتی ہیں۔ باطل، ساقط الاعتبار اور منکر وغیرہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم نے "کتاب العلل" میں ان سے نقل کیا ہے (ابن ابی حاتم ابوزرعہ کے ماموں زاد بھائی اور فن رجال کے امام ہیں)

شیخ ابوالحسن سندھی حنفی المتوفی ۱۱۳۸ھ اپنے حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔

وقد اشتمل هذا الكتاب من بين الكتب الستة على شئ كثيرة انفرد بها عن غيره والمشهور ان ما انفرد به يكون ضعيفا وليس بكلي لكن الغالب كذالك وقد الف الحافظ الحجة العلامة احمد بن ابى بكر البوصيرى رحمه الله تعالى فى الزوائد تاليفا نبه على غالبها ونا ان شاء انقل غالب ما يحتاج اليه فى هذا التعليق۔

"صحاح ستہ" میں "ابن ماجہ" ایک ایسی کتاب ہے جس میں بہت سی نئی روایات پائی جاتی ہیں جن میں وہ دوسروں سے منفرد ہیں اور مشہور یہ ہے کہ جس روایت کو صرف ابن ماجہ روایت کریں وہ ضعیف ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کلیہ تو نہیں، لیکن اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ حافظ حجہ اور علامہ احمد بن ابی بکر البوصیری رحمہ اللہ المتوفی ۸۴۰ھ نے

ابن ماجہ کی زائد روایات پر ایک کتاب تحریر کی ہے جس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ ابن ماجہ کی منفرد روایات اکثر ضعیف ہیں اور انشاء اللہ میں اس حاشیہ میں جہاں ضرورت ہوگی ان کے اکثر اقوال نقل کروں گا۔"

حافظ ابن حجرؒ "تہذیب" میں فرماتے ہیں

کتابہ فی السنن جامع جید کثیر الابواب والغرائب وفیہ احادیث ضعیفة جدا حتی بلغنی ان المزی کان یقول مهما انفرد بخبر فیہ فهو ضعیف غالبا ولیس الامر فی ذلک علی اطلاقه باستقرائی وفی الجملة ففیه احادیث کثیرة منکرة والله المستعان ثم وجدت بخط الحافظ شمس الدین محمد بن علی الحسینی ما لفظه سمعت شیخنا الحافظ ابا الحجاج المزی یقول کل ما انفرد به ابن ماجة فهو ضعیف یعنی بذلک ما انفرد به الحدیث من الائمة الخمسة

ابن ماجہ کی "سنن" ایک جامع اور عمدہ کتاب ہے اس میں بہت سے ابواب اور نادر امور ہیں اور بہت سی احادیث بے پناہ ضعیف ہیں حتیٰ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ امام مزی فرماتے تھے جس حدیث کو صرف ابنِ ماجہ روایت کریں وہ ضرور ضعیف ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ کلیہ تو نہیں ہے لیکن ابن ماجہ میں اکثر روایات منکرہ ہیں اور اللہ ہی سے مدد کی درخواست ہے۔ اس کے بعد مجھے حافظ شمس الدین محمد بن علی الحسینی کا ایک خط ملا جس میں تحریر تھا کہ میں نے اپنے استاذ حافظ ابو الحجاج المزی سے سنا وہ فرماتے تھے جس حدیث میں ابن ماجہ منفرد ہوں وہ ضعیف ہوتی ہے۔ یعنی باقی کتابوں میں

وہ روایت نہ پائی جاتی ہو۔

یہ تمام مضمون رسالہ "ماتمس بہ الحاجۃ" سے نقل کیا گیا ہے جو جناب عبدالرشید صاحب نعمانی کی تصنیف ہے۔ نعمانی صاحب ایک عرصہ تک دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار میں کتب خانہ کے نگران رہے ہیں۔ اس کے بعد مدرسہ نیو ٹاؤن کراچی میں ادارہ تصنیف و تالیف کے ذمہ دار اور رسالہ البینات کے مدیر اعلیٰ رہے ہیں اور جو مسلک حنفیت اور دیوبندیت کے سختی سے پابند ہیں۔

ان تمام اقوال کا حاصل یہ ہے کہ اکثر محدثین "سنن ابن ماجہ" کو صحاح میں شمار نہیں کرتے اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس میں متعدد موضوع احادیث پائی جاتی ہیں اگرچہ ان کی تعداد میں اختلاف ہے لیکن ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ کے نزدیک اُن کی تعداد پچاس ہے اور بعد میں دیگر محدثین نے سات اور شمار کی ہیں اس طرح ستاون ہوگئیں۔ لیکن بعض روایات اب بھی ایسی پائی جاتی ہیں جو قطعاً موضوع ہیں اور ایک ہزار کے قریب منکر روایات ہیں۔

اس کے علاوہ جب ابن ماجہ کسی روایات میں منفرد ہوں اور بقیہ پانچوں صحاح میں وہ روایت نہ پائی جاتی ہو تو وہ اکثر و بیشتر ضعیف ہوتی ہے۔

اب اصل حدیث کی جانب آیئے۔ یہ حدیث حضرت علیؓ سے مروی ہے اس کے الفاظ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا كانت ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها وصوموا نهارها فان الله ينزل فيها لغروب الشمس الى سماء الدنيا فيقول الا من مستغفر لي فاغفر له الا مسترزق فارزقه الا مبتلى فاعافيه الا كذا الا كذا حتى يطلع الفجر۔ ابن ماجہ مصری ج ۱ ص ۴۲۱

جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو، اور دن میں روزہ رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب شمس کے وقت اس رات

میں آسمانِ دنیا کی جانب نزولِ فرما ہوتا ہے اور کہتا ہے، ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی طالب رزق کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اُسے عافیت دوں۔ اسی طرح مختلف خطابات کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی سند بھی ملاحظہ ہو۔

عبد الرزاق عن ابن ابی سبرۃ عن عبد اللہ بن ابراھیم بن محمد عن معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ عن علی

اسے عبدالرزاق نے ابن ابی سبرہ سے روایت کیا ہے۔ وہ عبداللہ بن ابراہیم بن محمد سے وہ معاویۃ بن عبداللہ بن جعفر سے، وہ اپنے والد سے وہ حضرت علیؓ سے۔

ابن ابی سبرہ

ابن ابی سبرہ۔ اس کی کنیت ابوبکر ہے۔ مدینہ کا باشندہ ہے۔ امام ابویوسف سے قبل عراق کا قاضی تھا۔ اور اس کے باپ کا نام محمد ہے اور ابو سبرۃؓ اس کے دادا کا نام ہے جو بدری صحابی تھے۔ یعنی ابو سبرہ بن ابی رہم العامریؓ، ۱۶۳ھ میں مکہ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے ابن حسن یعنی نفس ذکیہ کے ساتھ مل کر بغاوت کی تھی۔ اس وقت یہ منصور کی جانب سے صدقات پر مامور تھا۔ اس نے غبن کر کے چوبیس ہزار دینار نفس ذکیہ کو دیئے۔ بعد میں یہ قید ہوا۔ اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اتفاق سے چند ماہ بعد مدینہ میں ایک فتنہ واقع ہوا تو اہلِ مدینہ کے غلاموں نے قید خانہ توڑ ڈالا۔ اور اسے قید سے نکال لیا اور اس کی بیڑیاں کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو کہنے لگا۔ یہ تو میری غلطیوں کا انجام ہے۔ پھر منبر کے نیچے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور لوگوں کو خلیفہ کی اطاعت پر ابھارا اور نافرمانی سے

اسے دوبارہ قاضی بنا دیا اور بولا پہلے اس نے برائی کی تھی لیکن اب اس نے اچھا کام کیا۔

قال النسائی متروک

نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں متروک ہے۔

ابن معین کا قول ہے۔

لیس حدیثہ بشیئ

اس کی حدیث کچھ نہیں ہے

عباس الدوری المتوفی ۲۷۱ھ نے انھی ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابن ابی سبرہ ہمارے شہر آیا تو لوگ اس کے پاس حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے تو کہنے لگا

عندی سبعون الف حدیث ان اخذتم عنی کما اخذ عنی ابن جریج والا فلا

میرے پاس ستر ہزار احادیث ہیں۔ اگر تم مجھ سے اسی طرح حاصل کرنا چاہتے ہو جیسے ابن جریج نے حاصل کی ہیں تو کرو ورنہ نہیں

امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام احمد کے صاحبزادگان عبداللہ اور صالح کا بیان ہے کہ ہمارے والد نے فرمایا۔

کان یضع الحدیث — میزان ج ۴ ص ۵۰۴

وہ احادیث وضع کرتا تھا۔

حافظ ابن حجر تہذیب میں فرماتے ہیں

رموہ بالوضع — اس پر وضع حدیث کا الزام ہے

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اپنی موضوعات میں فرماتے ہیں۔

کان وضاعا — وہ بہت احادیث وضع کرتا

یہ روایت ایک ایسی روایت ہے جسے بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ اس کی روایت میں ابن ماجہ منفرد ہیں اور پھر اس کے راوی ابن ابی سبرہ

میں آسمانِ دنیا کی جانب نزولِ فرما ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں، ہے کوئی طالب رزق کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مبتلائے مصیبت کہ میں اُسے عافیت دوں۔ اسی طرح مختلف خطابات کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی سند بھی ملاحظہ ہو۔

عبد الرزاق عن ابن ابی سبرۃ عن عبد اللہ بن ابراھیم بن محمد عن معاویۃ بن عبد اللہ بن جعفر عن ابیہ عن علی

اسے عبد الرزاق نے ابن ابی سبرہ سے روایت کیا ہے۔ وہ عبد اللہ بن ابراہیم بن محمد سے وہ معاویہ بن عبد اللہ بن جعفر سے، وہ اپنے والد سے وہ حضرت علیؑ سے۔

ابن ابی سبرہ

ابن ابی سبرہ۔ اس کی کنیت ابو بکر ہے۔ مدینہ کا باشندہ ہے۔ امام ابو یوسف سے قبل عراق کا قاضی تھا۔ اور اس کے باپ کا نام محمد ہے اور ابو سبرہؓ اس کے دادا کا نام ہے جو بدری صحابی تھے۔ یعنی ابو سبرہ بن ابی رہم العامری، ۱۶۲ھ میں مکہ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس نے ابن حسن یعنی نفس ذکیہ کے ساتھ مل کر بغاوت کی تھی۔ اس وقت یہ منصور کی جانب سے صدقات پر مامور تھا۔ اس نے غبن کر کے چوبیس ہزار دینار نفس ذکیہ کو دیئے۔ بعد میں یہ قید ہوا۔ اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں۔ اتفاق سے چند ماہ بعد مدینہ میں ایک فتنہ واقع ہوا تو اہلِ مدینہ کے غلاموں نے قید خانہ توڑ ڈالا۔ اور اسے قید سے نکال لیا اور اس کی بیڑیاں کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو کہنے لگا۔ یہ تو میری غلطیوں کا انجام ہے۔ پھر منبر کے نیچے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور لوگوں کو خلیفہ کی اطاعت پر ابھارا اور نافرمانی سے ...

اسے دوبارہ قاضی بنا دیا اور بولا پہلے اس نے برائی کی تھی لیکن اب اس نے اچھا کام کیا۔

قال النسائی متروک

نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کہتے ہیں متروک ہے۔

ابن معین کا قول ہے۔

لیس حدیثہ بشیئ

اس کی حدیث کچھ نہیں ہے

عباس الدوری المتوفی ۲۷۱ھ نے انہی ابن معین سے نقل کیا ہے کہ ابن ابی سبرہ ہمارے شہر آیا تو لوگ اس کے پاس حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے تو کہنے لگا

عندی سبعون الف حدیث ان اخذ تم عنی کما اخذ عنی ابن جریج والا فلا

میرے پاس ستر ہزار احادیث ہیں۔ اگر تم مجھ سے اسی طرح حاصل کرنا چاہتے ہو جیسے ابن جریج نے حاصل کی ہیں تو کرو ورنہ نہیں

امام بخاری نے اسے ضعیف کہا ہے۔

امام احمد کے صاحبزادگان عبداللہ اور صالح کا بیان ہے کہ ہمارے والد نے فرمایا۔

کان یضع الحدیث — میزان ج ۴ ص ۵۰۳

وہ احادیث وضع کرتا تھا۔

حافظ ابن حجر تہذیب میں فرماتے ہیں

رموہ بالوضع — اس پر وضع حدیث کا الزام ہے

امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ اپنی موضوعات میں فرماتے ہیں۔

کان وضاعا — وہ بہت احادیث وضع کرتا

یہ روایت ایک ایسی روایت ہے جسے بخاری و مسلم، ابوداؤد و نسائی اور ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ اس کی روایت میں ابن ماجہ منفرد ہیں اور پھر اس کے راوی ابن سبرہ

پر وضع کا اتہام ہے اور جب راوی پر وضع کا اتہام ہو تو وہ حدیث موضوع کہلاتی ہے یہ ابن ماجہ کی موضوعات میں داخل ہے۔ اگرچہ ابن الجوزی وغیرہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ابن عدی المتوفی سنہ ۳۶۵ھ نے کامل میں اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔

اس کا دوسرا راوی عبداللہ بن ابراہیم بن محمد ہے جو مجہول ہے۔ اگر اس سے مراد عبداللہ بن ابراہیم بن محمد بن معاویۃ بن عبداللہ بن جعفر ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ عبداللہ بن جعفر کے کسی صاحب زادے کا نام معاویہ ثابت نہیں اور جب ان کے کسی لڑکے کا نام معاویہ نہیں تو یہ عبداللہ بن جعفر سے جو معاویہ نقل کر رہا ہے وہ ایک فرضی نام ہوگا۔ اس طرح دو راوی مجروح ہونگے اور اگر اس کا نام معاویہ ثابت بھی ہو جائے تب بھی ایک زبردست اعتراض واقع ہوگا۔ اور وہ یہ کہ عبداللہ بن ابراہیم، معاویہ بن عبداللہ کا پڑپوتا ہوگا اور اس صورت میں یا تو عبداللہ بن ابراہیم کا معاویہ سے سماع ثابت کرنا ہوگا۔ ورنہ روایت منقطع ہوگی اور چونکہ دونوں مستور الحال ہیں ان کا ثقہ ثابت ہونا ہی دشوار رہے۔ کجا کہ سماع کا ثبوت یہ تو ہوا میں اڑنے کے مترادف ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام

اس روایت کا تیسرا راوی عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی سنہ ۲۱۱ھ ہے۔ ان سے بڑے بڑے ائمہ حدیث نے حدیث کا سماع کیا ہے۔ مثلاً امام احمد، یحییٰ بن معین، ذہلی، رمادی اور اسحاق بن راہویہ وغیرہ۔ ان کی احادیث تمام صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ اس کے بعد کی روایات محدثین کے نزدیک ضعیف تصور کی جاتی ہیں۔ کیونکہ نابینا ہو جانے کے بعد لوگ حدیث میں جو بھی الفاظ بولدیتے وہ اسی کو بیان کرنا شروع کر دیتے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ ان کی آخری روایات منکر ہیں اور جب صورتِ حال یہ ہے تو حسن بن علی الخلال جو عبدالرزاق سے اس حدیث کو روایت کر رہا ہے اس کے بارے میں ثابت کرنا ہوگا کہ اس نے عبدالرزاق سے اس حدیث کا سماع کس زمانہ میں کیا۔ حالانکہ خلال کا کوئی ذکر "میزان"

اور "تقریب" میں موجود نہیں۔ حسن بن علی تو بہت سے ہیں لیکن خلال کسی کا لقب نہیں۔
اس صورت میں مزید دو عیب پیدا ہوں گے۔

۱۔ حسن بن علی الخلال مجہول ہے

۲۔ اس کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ اس نے عبدالرزاق سے کس زمانے میں حدیث سنی اور یہ امر اس طرح اور مشکوک ہو جاتا ہے کہ عبدالرزاق کی وفات ۲۱۱ھ میں ہے اور امام ابن حبانؒ کی وفات ۳۵۴ھ میں اور امام ابن حبان اور عبدالرزاق کے درمیان بھی صرف یہی ایک راوی حسن بن علی الخلال ہے۔ گویا عبدالرزاق اور ابن حبان کے سنہ وفات کے درمیان ایک سو تینتالیس سال کا فرق ہوا اور یہ بعید از مشاہدہ ہے اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حسن بن علی کی عمر ڈیڑھ سو سے زیادہ ہوئی تب بھی اُسے عبدالرزاق سے سماع آخر عمر میں حاصل ہو گا نہ کہ ابتدائے عمر میں اور ان کی آخری روایات قابلِ قبول نہیں۔

ان امور کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی کی ذات از خود بہت مشکوک ہے۔ اگرچہ اکثر محدثین نے اس کی روایات کو قبول کیا ہے لیکن اس پر سخت جرح بھی کی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محدثین کرام اس کے مجروح ہونے کے باوجود اس کی روایت ترک کرنے کے لیے تیار نہیں اور عبدالرزاق کی محبت میں انھوں نے انتہائی غلو سے کام لیا ہے جس کی مثال کسی دوسرے راوی میں نہیں ملتی۔ حتی کہ امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔

لو ارتد عبد الرزاق عن الاسلام ما ترکنا حدیثه

میزان ج-۲ ص۶۱۳

اگر عبدالرزاق اسلام سے بھی مرتد ہو جائے تو ہم اس کی حدیث ترک نہیں کر سکتے۔

تقریباً تمام محدثین نے یہی قسم کا رویہ اختیار کیا ہے کہ عبدالرزاق پر جرح بھی کی ہے اور پھر اس کی روایت بھی لی ہے۔ یہ عبدالرزاق پکا رافضی ہے۔ اسی باعث ابن

سین نے ارتداد کا ذکر کیا۔ محدثین نے اس عبدالرزاق کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ بھی سُن لیجئے۔

ابن عدی کامل المتوفی ۳۶۵ھ میں فرماتے ہیں۔

حدث باحادیث فی الفضائل لم یوافقه علیها احد و مثالب بغیرهم مناکیر ونسبوه الی التشیع

اس نے فضائل میں ایسی احادیث بیان کی ہیں جن کی کوئی موافقت نہیں کرتا۔ اور بعض صحابہ کی برائیاں بھی کی ہیں (مثلاً معاویہ) اور لوگوں نے انہیں تشیع کی جانب منسوب کیا ہے۔

دارقطنی کہتے ہیں۔

ثقه لکنه یخطئ علی معمر فی احادیث

ثقہ ہے لیکن معمر کی احادیث نقل کرنے میں خطا کرتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ صحاح میں عبدالرزاق کی جو روایات پائی جاتی ہیں ان میں سے اکثر حصہ وہ معمر المتوفی ۱۵۳ھ ہی سے روایت کرتا ہے۔

عبداللہ المسندی المتوفی ۲۲۹ھ کا بیان ہے کہ جب میں امام سفیان بن عیینہ المتوفی ۱۹۸ھ کے پاس سے رخصت ہونے لگا تو میں نے عرض کیا میں عبدالرزاق کے پاس جانا چاہتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا۔

اخاف ان یکون من الذین ضل سعیهم فی الحیوٰة الدنیا

مجھے خوف ہے کہ وہ ان لوگوں میں داخل ہے جن کی دنیاوی زندگی کی تمام کوششیں اکارت ہوگئی ہوں۔

عبداللہ بن احمد المتوفی ۲۹۰ھ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ سے سوال کیا۔ کیا عبدالرزاق تشیع میں افراط سے کام لیتا تھا۔ امام صاحب نے فرمایا۔

اما انا فلم اسمع منه فی هذا شیئا ولکن کان رجلا
یعجبه اخبار الناس
میں نے خود تو اس سے کوئی ایسی بات نہیں سنی۔ لیکن لوگوں کی بیان کردہ
خبریں اسے زیادہ پسند تھیں۔
مخلد الشعیری کا بیان ہے کہ میں ایک روز عبد الرزاق کی خدمت میں حاضر تھا۔
اتفاق سے ایک شخص نے امیر معاویہ کا تذکرہ کیا تو عبد الرزاق نے اسے یہ کہہ کر منع کیا۔
لا تقذر مجلسنا بذکر ولد ابی سفیان
ہماری مجلس کو ابوسفیانؓ کے بیٹے کا ذکر کر کے گندہ نہ کرو۔
محمد بن عثمان الثقفی البصری کا بیان ہے کہ جب عباس بن عبد العظیم العنبری
المتوفی ۲۴۶ھ عبد الرزاق سے احادیث سن کر صنعاء سے واپس آئے تو ہم ان کی خدمت
میں ایک جماعت کی صورت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا: میں انتہائی اہتمام کے ساتھ
عبد الرزاق کے پاس گیا تھا اور اس کے پاس قیام بھی کیا لیکن
واللہ الذی لا الہ الا ھو ان عبد الرزاق کذاب والواقدی
اصدق منہ
قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں کہ عبد الرزاق کذاب ہے
اور واقدی اس سے زیادہ سچا ہے۔
امام ذہبی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں
ھذا ما وافق العباس علیہ مسلم بل سائر الحفاظ
وائمۃ العلم یحتجون بہ الا فی تلک المناکیر المعدودۃ
فی سعۃ ما روی
مسلم نے بھی اس بات میں عباس کی موافقت کی ہے۔ لیکن تب
بھی تمام حفاظ اور ائمہ حدیث اس کی روایت کو حجت سمجھتے ہیں۔
بجز ان چند منکرات کے جو کثرت روایت کے سبب زبان سے جاری

ہو گئیں۔ ابنِ عدی نے اس روایت کو عبدالرزاق کی منکرات میں شمار کیا ہے۔

علی بن عبداللہ بن المبارک الصنعانی کا بیان ہے کہ میرے چچا زید بن المبارک ایک عرصہ تک عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر رہے اور اس سے بکثرت احادیث تحریر کیں، پھر انھوں نے وہ تمام روایات پھاڑ کر پھینک دیں اور عبدالرزاق کو چھوڑ کر محمد بن ثور کی خدمت میں رہنے لگے۔ ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی۔ تو انھوں نے فرمایا کہ ہم عبدالرزاق کے پاس تھے۔ ایک روز اس نے ابن حدثان کی حدیث بیان کی۔ جب حضرت عمرؓ کا وہ قول اس نے پیش کیا۔ جو انھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

فجئت انت تطلب میراثک من ابن اخیک وجاء هذا یطلب میراث امرأته من ابیها

تو تو اپنے بھتیجے کی میراث طلب کر رہا ہے اور یہ شخص اپنی بیوی کے باپ کی میراث طلب کر رہا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس جملہ پر عبدالرزاق بولا۔

انظروا الی هذا الانوک یقول من ابن اخیک، من ابیها لا یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس بے وقوف کو دیکھو کہ کہتا ہے بھتیجا، بیوی کا باپ، یہ نہیں کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زید بن المبارک کہتے ہیں۔ میں یہ جملہ سن کر مجلس سے اٹھ گیا اور پھر اس کے پاس نہیں گیا۔

جعفر بن ابی عثمان الطیاسی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں عبدالرزاق کی مجلس میں حاضر تھا۔ ایک روز میں نے اس سے ایسے الفاظ سنے جن سے تشیع ٹپکتا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تیرے تمام وہ استاد جن سے تو نے علم حاصل

کیا ہے۔ سب اصحاب سنت تھے۔ مثلاً المتوفی معمر ۱۵۳ھ، مالک المتوفی ۱۷۹ھ۔ ابن جریج المتوفی ۱۵۰ھ، سفیان المتوفی ۱۶۱ھ اور اوزاعی المتوفی ۱۵۷ھ۔ تو نے یہ مذہب کہاں سے اخذ کیا ہے۔ تو کہنے لگا۔ ہمارے پاس جعفر بن سلیمان ــــ آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک فاضل آدمی ہے۔ اس کے اخلاق وعادات بہت عمدہ ہیں۔ میں نے اس سے اخذ کیا۔

احمد بن خیثمہ کا بیان ہے کہ انھی یحییٰ بن معین سے کسی نے تذکرہ کیا کہ امام احمد عبید اللہ بن موسیٰ المتوفی ۲۱۳ھ کی حدیث تشیع کے باعث رد کر دیتے ہیں۔ امام ابن معین نے فرمایا۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو عبد الرزاق اغلی فی ذلک من عبید اللہ مائۃ ضعف ولقد سمعت من عبد الرزاق اضعاف ماسمعت من عبید اللہ

اس اللہ کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔ عبدالرزاق تو عبید اللہ سے سو درجہ زیادہ غالی رافضی ہے۔ کیونکہ میں نے عبدالرزاق سے جتنی باتیں سنی ہیں وہ عبید اللہ کی باتوں سے زیادہ ہیں

سلمۃ بن شبیب المتوفی ۲۴۱ھ کا بیان ہے کہ عبدالرزاق کہا کرتا تھا

واللہ ماانشرح صدری قط ان افضل علیا علی ابی بکر وعمر۔

اللہ کی قسم مجھے اس پر ابھی شرح صدر نہیں ہوا کہ میں علیؓ کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر فضیلت دوں۔

اور اس شرح صدر نہ ہونے کی وجہ بھی خود ہی اس نے بیان کر دی ہے وہ کہتا ہے۔

افضل الشیخین بتفضیل علی ایاھما علی نفسہ ولو لم یفضلھما لم افضلھما۔ کفی بی ازراءً ان احب علیا ثم اخالف قولہ۔

علیؓ نے چونکہ شیخین کو اپنی ذات پر فضیلت دی ہے اس لیے میں
ان کو فضیلت دیتا ہوں۔ اور اگر علیؓ انھیں فضیلت نہ دیتے تو میں
بھی انھیں فضیلت نہ دیتا۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں علیؓ سے
محبت کرتا ہوں تو ان کے قول کی کیسے مخالفت کروں۔

یہ روایت کہ جب تم معاویہؓ کو میرے منبر پر دیکھو تو اسے قتل کر دو، اور یہ روایت کہ حضرت علیؓ دُنیا و آخرت کے سردار ہیں۔ اور یہ روایت کہ اے فاطمہؓ اللہ تعالیٰ نے اہلِ زمین سے صرف دو آدمیوں کو منتخب کیا ہے۔ ایک تیرے باپ کو اور ایک تیرے خاوند کو۔ ان روایات کا راوی یہی عبدالرزاق ہے (میزان الاعتدال ج۔ ۲ ص ۶۰۹ تا ص ۶۱۳)

ہمیں عبدالرزاق کے حالات کی تفصیل اس لیے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ اس کی روایات "صحیح بخاری"، "صحیح مسلم" اور تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ بخاری و مسلم نے فضائل سے متعلق اس کی کوئی روایت نہیں لی ہے

حاصل کلام یہ کہ حضرت علیؓ کی اس حدیث میں متعدد نقائص ہیں۔

۱۔ حسن بن علی۔ الخلال مجہول ہے۔

۲۔ ابراہیم بن محمد بھی مجہول ہے۔

۳۔ معاویہ بن عبداللہ بن جعفر مستور الحال ہے۔

۴۔ ابراہیم اور معاویہ کے درمیان ایک طویل فاصلہ ہے اور درمیان سے راوی منقطع ہو گیا ہے۔

۵۔ ابن ابی سبرہ وضاع الحدیث ہے۔ پہلے وہ شیعہ تھا۔ سزا کاٹنے کے بعد سنی بن گیا۔ (یعنی تقیہ کر لیا)

۶۔ عبدالرزاق پکا رافضی ہے۔

۷۔ عبدالرزاق کی آخر کی احادیث قطعاً ناقابلِ قبول ہیں۔ اور یہ روایت خصوصی طور پر عبدالرزاق کی منکرات میں شمار ہوتی ہے۔

۸۔ حسنؒ بن علیؒ نے عبدالرزاق سے آخر میں روایات سُنی ہیں۔

اس سے قبل آپ حضرت عائشہؓ کی روایات پڑھ چکے ہیں اور آئندہ جتنی روایات پڑھیں گے ان میں سے کسی میں بھی اس دن کے مخصوص روزے کا ذکر نہیں۔ روزے کا ذکر صرف اسی ایک روایت میں ملتا ہے اور جن احادیث صحیحہ یا ضعیفہ میں شعبان میں روزوں کا ذکر آرہا ہے، وہ پورے ماہ شعبان سے متعلق ہیں۔ اس مخصوص روزے سے ان کا کوئی تعلق نہیں، انہیں روزے کے ثبوت میں پیش کرنا ایک قسم کا فریب ہے۔

حضرت عائشہؓ المتوفی ۵۷ھ کی کسی روایت میں نزولِ خداوندی کا ذکر نہ تھا۔ اس میں اس کا اضافہ کیا گیا۔ "صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" میں حضرت جابر بن عبداللہؓ المتوفی ۷۳ھ اور ابوہریرہؓ المتوفی ۵۷ھ سے ہر رات آخر شب میں نزولِ الٰہیؓ ثابت ہے مسلم کے الفاظ ہیں۔

ینزل ربنا تبارک وتعالٰی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاٰخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ ومن یسألنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفرلہ فلا یزال کذلک حتی یطلع الفجر۔ مسلم ج ۱ ص ۲۵۸۔ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۹، بخاری ج ۱ ص ۱۵۳

ہمارا پروردگار تبارک و تعالٰی ہر رات آسمان دنیا کی جانب جب آخری تہائی رات رہ جاتی ہے نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں اسی طرح طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔

ابن ابی سبرہ وغیرہ نے نزولِ الٰہی کا ذکر اس حدیث سے چرایا اور پھر اس کا تعلق شبِ برات سے جوڑ دیا۔

جھوٹوں کا اکھاڑا

غنیہ میں اِس مضمون کی ایک اور روایت حضرت علیؑ سے باسند نقل کی گئی ہے۔ جو ہم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

اخبرنا الشیخ ابو نصر عن والدہ قال اخبرنا محمد قال اخبرنا عبد اللہ بن محمد انا اسمعیل بن عمر البجلی انا عمر بن موسی الوجہی عن زید بن علی عن ابائہ عن علی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل اللہ تعالی فی لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لکل مسلم الا لمشرک او مشاحن او مقاطع رحم اوامرأۃ تبغی فی فرجھا۔

غنیہ ج ۱ ص ۶۸۷

ہمیں ابو نصر نے خبر دی۔ وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے اسے محمد نے خبر دی اسے عبد اللہ بن محمد نے اسے اسمعیل بن عمر البجلی نے اسے عمر بن موسی الوجہی نے وہ زید بن علی سے روایت کرتا ہے وہ اپنے باپ دادا کے ذریعہ حضرت علیؑ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب نزول فرما ہوتا ہے مشرک، کینہ پرور، قاطع رحم اور اس عورت کے علاوہ جو اپنی

پیشاب گاہ کے لیے مرد تلاش کرتی پھرتی ہے ہر ایک کی مغفرت فرماتا ہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کی اس روایت میں نزولِ خداوندی اور مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ ہمیں اس مغفرت کے لیے کونسا عمل اختیار کرنا چاہیئے۔

۲۔ اس کا آخری جملہ انتہائی بے ہودہ ہے جس کا لفظی ترجمہ کرنے سے ہمارا قلم قاصر ہے۔ معمولی سی بات تھی۔ کہنا چاہیئے تھا "او زانیۃ" لیکن افسوس کہ بیچاری زانیہ عورت تو مغفرت سے محروم ہے لیکن جناب زانی صاحب اس مغفرت سے ہرگز محروم نہ ہوں گے۔ کیونکہ انھیں مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس فساد کا بانی وُہی ہے۔

۳۔ کیا کینہ پرور اور قطع رحمی کرنے والا زانی سے بھی بدتر ہے؟ علماء کرام اس سلسلہ میں ہماری مدد فرمائیں۔

۴۔ جہاں تک نزولِ خداوندی کا ذکر ہے اس کا جواب ہم گذشتہ صفحہ پر تحریر کر چکے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان وضاعین نے یہ نزول اس رات کے ساتھ دو وجہ سے مخصوص کیا ہے۔

الف ۱۔ یہ تمام روات شیعہ ہیں اور ان کے امام غائب کئی سال ماں کے پیٹ میں رہنے کے بعد اس رات مخفی طور پر زبردستی باہر لائے گئے تھے اور پھر ان کے سر پر تمام کتابیں لاد کر انھیں سُر من رای کے ایک غار میں دھکا دیدیا گیا تھا۔ اسی کی سالگرہ بلکہ برسی منانے کے لیے اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرما ہوتے ہیں۔

ب ۱۔ اس طرح ایک رات سنیوں کو جگا کر انھیں ہمیشہ کے تہجد سے محروم کر دیا گیا اور اس طرح دین کو ایک کھیل بنایا گیا جو روافض کا مقصدِ اولیں تھا اور سنی اس کھیل میں مشغول ہو گئے اور احمقوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر ہمیشہ تہجد ادا کیا جائے گا تو روزانہ مغفرتِ الٰہی حاصل ہو گی اور وہ رات خود بخود کھنچی چلی آئے گی۔

۵۔ یہ بھی غور طلب ہے کہ سب سے افضل رات لیلۃ القدر ہے لیکن اس کی

فضیلت میں اِس قسم کی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ حتیٰ کہ اس کی کوئی تاریخ معینہ صرف اس لیے بیان نہیں کی گئی کہ لوگ اِس پر بھروسہ کر کے زندگی بھر کا عمل ترک نہ کر دیں اسی باعث جب حضرت عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ سے لیلۃ القدر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا۔

من یقم الحول یصب لیلۃ القدر ابوداؤد ج۔ا ص۲۰۲

مسلم ج۔ا ص۳۷

جس نے پورے سال قیام کیا وہ لیلۃ القدر پالے گا۔

اور حضرت ابی بن کعب المتوفی ۱۹ھ نے عبداللہ بن مسعود المتوفی ۳۲ھ کے قول کی یہی توجیہہ بیان فرمائی تھی۔

رحمہ اللّٰہ اراد ان لا یتکل الناس ابوداؤد ج۔ا ص۲۰۲

مسلم ج۔ا ص۳۷۰

اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرماتے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ نہ کر لے لگیں۔

تو یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اس رات کو جس کا ذکر قرآن میں موجود ہو اور حضورؐ نے اسے معلوم کرنے کے لیے بیس دن کا اعتکاف فرمایا ہو وہ تو معلوم نہ ہو اور اس شب کا علم ہر ایک کو ہو جائے۔ اگر اس شب کی کوئی فضیلت ہوتی تو اسے بھی مخفی رکھا جاتا۔ جس طرح لیلۃ القدر اور جمعہ کے روز مقبول ساعت کو مخفی رکھا گیا ہے۔ لیکن یہ کہانیاں انسانوں کی وضع کردہ ہیں اسی لیے اس کے اخفار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آئیے اب اس روایت کا پوسٹ مارٹم کر کے دیکھ لیجیے۔

۱۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے شیخ ابو نصر اور ان کے ابا جان دونوں "تاریخ کے صفحات سے غائب ہیں۔ آج کل کے ناولوں کی طرح کوئی فرضی ہیرو معلوم ہوتے ہیں کہ "غنیہ" کے تمام پارٹ ادا کرنا ان کے لیے ضروری ہے ورنہ

ان کی ہیرو شپ میں فرق آئے گا۔

۲:۔ ابونصر کے اباجان نے اپنے شیخ کا نام محمد بیان کیا ہے۔ تو محمد تو لاتعداد ہیں۔ جن میں بہت سے ائمہ حدیث ہیں اور بہت سے کذاب و خبیث ہیں۔ ہمارے نزدیک اس محمد سے مراد محمد بن عمر ہے جو واقدی کے لقب سے مشہور ہے۔ ہم یہاں واقدی مراد لینے پر اس لیے مجبور ہوتے کہ اگلا راوی وہی عبداللہ بن محمد ہے جو ابن ابی سبرہ کی کنیت سے مشہور ہے اور جس کا تذکرہ حضرت علیؓ کی پہلی روایت میں گذر چکا اور واقدی کو اس سے سماع حاصل ہے کیونکہ عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ کی وفات ۱۶۳ھ میں ہوئی اور واقدی کی موت ۲۰۷ھ میں واقع ہوئی اور ان دونوں کی ملاقات کا امکان پایا جاتا ہے۔ لیکن ابونصر جو کہ شیخ صاحب کا استاد ہے اس کی موت کم از کم ۵۰۰ھ یا اس سے پانچ دس سال پیشتر واقع ہونی چاہیئے۔ کیونکہ شیخ صاحب ۴۷۱ھ میں پیدا ہوتے اور ۴۸۸ھ میں وہ تحصیل علم کی غرض سے بغداد تشریف لاتے۔ اور ایک عرصہ تک صرف و نحو، لغت ادب اور فقہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔ بعد میں تحصیل حدیث میں مصروف ہوئے۔ اس طرح ابونصر سے تعلق ۴۹۰ھ کے بعد واقع ہوگا اور ابونصر کے باپ کی موت اگر پچاس سال قبل بھی تسلیم کی جائے تو اس کی موت ۴۴۰ھ میں واقع ہونی چاہیئے۔ جب کہ عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ کی موت ۱۶۳ھ میں ہوگی اور ان دونوں کی موت کے درمیان کم از کم پونے تین سو سال کا فرق ہے اور ان دونوں کے درمیان محمد نامی صرف ایک راوی ہے۔ پیران پیر کا کوئی مرید یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کونسا محمد ہے جس کی عمر پونے تین سو سال ہوگئی ہو۔ ورنہ درمیان کے راوی کہاں ہیں۔ کم از کم پانچ راوی ہونے چاہئیں تھے۔ اگر کہتے ہیں کہ یہ محمد واقدی نہیں بلکہ ابونصر کے باپ کا استاد ہے جیسا کہ اس نے لفظ اخبرنا سے دعویٰ کیا ہے تو اول تو اس کا کچھ اتا پتا بتایا جائے پھر اس کا ثقہ ہونا ثابت کیا جائے اور اس کے بعد یہ بیان کیا جائے کہ اس محمد اور عبداللہ بن محمد کے درمیانی روایات کہاں ہیں۔ ان کی تعداد کتنی

ہے اور وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ، ہر صورت میں یہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ یا تو یہ محمد جھوٹا ہے یا ابو نصر کا باپ جھوٹا ہے۔ کیونکہ دونوں لفظ اخبرنا استعمال کر رہے ہیں۔ جو سُننے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر وہ کہتے ہیں کہ نہیں ابو نصر کے باپ نے واقدی کا زمانہ پایا ہے تو پھر ابو نصر کی موت زیادہ سے زیادہ سنہ ۴۰۰ھ تک ہو جانی چاہیئے، اب جو شیخ عبدالقادر یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ اخبرنا الشیخ ابونصر تو یہ دعویٰ باطل ہوگا اور شیخ صاحب کا کذاب ہونا لازم آئے گا۔ اب آپ حضرات جو صورت بہتر سمجھیں اسے قبول فرمالیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر صورت میں روایت کا جھوٹا ہونا ثابت ہے۔ اس کا فیصلہ آپ حضرات پر چھوڑتے ہیں کہ یہ جھوٹ کس نے گھڑا ہے۔

۳۔ عبداللہ بن محمد، وہی ابن ابی سبرہ ہے جس کا ذکر پہلی روایت میں کیا جاچکا جو واضع الحدیث ہے اور وہ روایت بھی حضرت علی سے مروی تھی اور یہ بھی حضرت علی سے مروی ہے اور دونوں میں نزولِ الٰہی کا ذکر ہے۔ صرف چند جزئیات اور سند میں فرق ہے تو جو شخص ایک حدیث وضع کر سکتا ہو وہ دوسری بھی کر سکتا ہے اور جو شخص حدیث وضع کر سکتا ہے وہ سند بھی وضع کر سکتا ہے۔

۴۔ پہلی روایت میں عبداللہ بن محمد اور صحابی کے درمیان صرف دو راوی تھے اور اس روایت میں وہ کم از کم چار ہوگئے اور اتفاق سے ان میں سے دو مشہور کذاب ہیں عبداللہ بن محمد کا شاگرد بھی کذاب ہے۔ اس طرح اس روایت میں کم از کم چھ کذاب اور رافضی جمع ہوتے۔ اسی لیے ہم نے اس روایت پر "دو جھوٹوں کا اکھاڑہ" کی سُرخی قائم کی ہے۔ جیسا کہ انشاءاللہ ہم اگلی سطور میں اسے ثابت کریں گے۔

واقدی المتوفی ۲۰۷ھ کا چہرہ

اس کا پورا نام محمد بن عمر بن الواقد الاسلمی المدنی ہے۔ اس کی متعدد تصانیف ہیں۔ خاص طور پر "مغازی واقدی" مشہور ہے۔

"ابن ماجہ" نے ایک روایت اس سند سے نقل کی ہے حدثنا ابن ابی شیبہ"

حدثنا شیخ لنا حدثنا عبد الحمید بن جعفر۔ امام ذہبی فرماتے ہیں کہ شیخ جس کا نام ابن ماجہ نے ذکر نہیں کیا وہ واقدی ہے اور فرماتے ہیں

وحسبك ان ابن ماجة لا یجسر ان یسمیه

تیرے لیے یہی کافی ہے کہ ابن ماجہ اس کا نام لینے کی بھی جسارت نہ کر سکے۔

یعنی واقدی اتنا بدنام ترین شخص ہے کہ ابن ماجہ یا ان کے استاد ابن ابی شیبہ المتوفی سنہ ۲۳۵ھ کو اتنی جرأت بھی نہ ہوئی کہ اس کا نام لے سکیں اور شیخ کے پردہ میں اس کا نام چھپا لیا۔ جس طرح اس روایت میں محمد کے پردے میں چھپایا گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۱ھ فرماتے ہیں۔ وہ پکا جھوٹا ہے۔ حدیث میں تبدیلیاں کرتا اور زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ کے بھانجے کی روایات کو معمر المتوفی سنہ ۱۵۴ھ کی جانب منسوب کر دیتا ہے۔

ابن معین سنہ ۲۳۳ھ فرماتے ہیں کہ ثقہ نہیں اور ایک بار فرمایا اس کی حدیث نہ لکھی جاتے۔ بخاری المتوفی سنہ ۲۵۶ھ اور ابو حاتم سنہ ۲۷۷ھ کہتے ہیں متروک ہے نسائی المتوفی سنہ ۳۰۳ھ اور ابو حاتم کہتے ہیں۔ احادیث وضع کرتا تھا۔ دار قطنی سنہ ۳۸۵ھ کا قول ہے کہ ضعیف ہے۔ ابن عدی سنہ ۳۶۵ھ فرماتے ہیں۔ اس کی روایات درست نہیں اور یہ تمام واقدی کی وضع کردہ ہوتی ہیں۔ علی بن المدینی سنہ ۲۳۴ھ فرماتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ نیز المدینی یہ بھی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک ہیثم بن عدی واقدی سے زیادہ قوی ہے۔ میں اس سے نہ حدیث میں خوش ہوں، نہ علم الانساب میں اور نہ کسی اور شئے میں۔ نیز فرماتے ہیں واقدی تیس ہزار غریب روایات بیان کرتا ہے۔

اسحاق بن الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مکہ کے راستہ میں واقدی کو دیکھا وہ نماز بھی برے طریق پر ادا کر رہا تھا۔

واقدی سنہ ۱۳۰ھ میں پیدا ہوا۔ ابن جریج سنہ ۱۵۰ھ، ابن عجلان سنہ ۱۴۸ھ معمر

۱۵۳ھ اور ثور بن یزید سے ملاقات کی۔ اس کا دادا واقد عبد اللہ بن بریدۃ بن الحصیب کا غلام تھا۔

امام بخاری فرماتے ہیں۔ محدثین نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے میرے پاس اس کی کوئی روایت نہیں۔ میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۶۳، ۶۶۴

حافظ مقدسی اپنی تذکرۃ الموضوعات میں امام شافعی ۲۰۴ھ کا قول نقل کرتے ہیں کہ واقدی کی تمام کتابیں جھوٹ ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر حیرتناک امر یہ ہے کہ آج واقدی کے نام سے جو کتابیں مشہور ہیں۔ وہ واقدی کی تصنیفات نہیں اور نہ واقدی نے کوئی کتاب لکھی۔ بلکہ وہ تمام تصانیف ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی ابو اسحاق المدنی الرافضی ۱۹۱ھ کی تصانیف ہیں جس کا شمار شیعہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ واقدی نے ان کتابوں کو نقل کر کے اپنے نام سے پھیلایا اور اس طرح تشیع کی اشاعت اور تاریخ میں تحریف کی گئی۔

منتھی المقال فی اسماء الرجال جو شیعوں کی اسماء الرجال پر نہایت معتبر کتاب ہے۔ اس میں ابراہیم بن محمد رافضی کے حال میں مذکور ہے۔

وعلی بعض اصحابنا عن بعض المخالفین ان کتب الواقدی سائرھا انما ھی کتب ابراھیم بن محمد ابن ابی یحیٰی نقلھا الواقدی وادعاھا۔

ہمارے بعض اصحاب نے (یعنی شیعہ) بعض مخالفین (اہلِ سنت) سے نقل کیا ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی کی کتابیں ہیں جنہیں واقدی نے نقل کر کے اپنے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا۔ آیات بینات ج ۲ ص ۲۱۹

اتفاق سے شیخ نے اپنی فہرست میں یہی بات تحریر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ذکر بعض ثقات العامۃ ان کتب الواقدی سائرھا

انما هي كتب ابراهيم بن محمد بن ابي يحيى نقلها الواقدي وادعاها وذكر بعض اصحابنا ان له كتاباً مبوباً في الحلال والحرام عن ابي عبد الله الحسن بن محمد الازدي۔ آیات بینات ج۔۲ ص ۲۱۹

بعض عام ثقات نے ذکر کیا ہے کہ واقدی کی تمام کتابیں ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی المتوفی ۱۸۴ھ کی کتابیں ہیں جن کو نقل کر کے واقدی نے خود کے مصنف ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور ہمارے بعض اصحاب یہ بیان کرتے ہیں کہ واقدی کی ایک کتاب حلال وحرام پر بھی ہے جو اس نے ابوعبداللہ الحسن بن محمد الازدی سے نقل کی ہے۔ آیات بینات ج۔۲ ص ۲۱۹

ان عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہو گئی ہے کہ واقدی کذاب ہے اور رافضیوں سے کتابیں نقل کر کے سینوں میں پھیلاتا اور اس طرح تشیّع کا پرچار کرتا ہے۔

اسمٰعیل بن عمرو البجلی

اس کا پورا نام اسمٰعیل بن عمرو بن نجیح البجلی الکوفی ہے۔ اصبہان میں اس نے اقامت اختیار کر لی تھی۔ ثوری اور مسعر سے روایات کرتا ہے۔

ابن عدی ۳۶۵ھ کہتے ہیں ایسی احادیث روایت کرتا ہے جو اور لوگ روایت نہیں کرتے۔ ابوحاتم ۲۷۷ھ اور دارقطنی ۳۸۵ھ کہتے ہیں ضعیف ہے ۲۲۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ میزان ج۔۱ ص ۲۴۰

امام مقدسی فرماتے ہیں یہ موضوعات روایت کرتا ہے۔

لطف یہ ہے کہ اس کی وفات ۲۲۷ھ میں ہوئی اور عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ کی وفات ۱۶۲ھ میں؛ اور تب بھی عبداللہ استاد ہونے کے بجائے

اس کا شاگرد بن گیا ہے۔ کیونکہ وہ یہ روایت اسی سے نقل کر رہا ہے، حالانکہ اس کے برعکس ہونا چاہیے تھا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ابو نصر یا اس کے باپ کی وضع کردہ ہے جسے یہ خبر نہیں کہ کون پہلے مرا اور کون بعد میں مرا۔

عمر بن موسٰی الوجہی

اس کا پورا نام عمر بن موسٰی بن وجیہہ الوجیہی الوجہی ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ ابن معین کا قول ہے ثقہ نہیں ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں حدیث اور سند دونوں وضع کیا کرتا تھا اور یہ انصاری ہے دمشق کا باشندہ ہے۔ بعض لوگوں نے اسے کوفی سمجھ لیا ہے یہ ان کا وہم ہے۔

عفیر بن معدان کا بیان ہے کہ ایک بار عمر بن موسٰی حمص آیا۔ ہم اس کے پاس حدیث سننے کے لیے جمع ہوئے۔ کہنے لگا ہم سے تمہارے ایک نیک بزرگ نے حدیث بیان کی ہے۔ ہم نے دریافت کیا۔ وہ بزرگ کون ہے۔ کہنے لگا کہ خالد بن معدان سنہ ۱۰۴ھ عفیر کا بیان ہے کہ میں نے اس سے سوال کیا کہ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں ملاقات کی تھی۔ کہنے لگا سنہ ۱۰۸ھ میں آرمینیہ کے غزوہ میں میں نے جواب دیا اے شیخ اللہ سے ڈر اور جھوٹ نہ بول۔ کیونکہ خالد بن معدان کا سنہ ۱۰۴ھ میں انتقال ہو چکا تھا اور وہ کبھی آرمینیہ کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ (یہ بھی معلوم رہے کہ عفیر خالد کے بھائی ہیں)

نسائی سنہ ۳۰۳ھ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث بے کار ہے۔ حدیث وضع کیا کرتا تھا۔ دارقطنی کہتے ہیں متروک ہے۔

اب آپ حضرات غور فرما سکتے ہیں کہ جو شخص خالد بن معدان پر برسرِ عام جھوٹ بول سکتا ہے حالانکہ اس نے ان سے ملاقات تک نہیں کی وہ دوسروں پر بھی جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟

الغرض اس روایت میں ابونصر سے لے کر عمر بن موسیٰ تک سب جھوٹے جمع ہیں اور اگر اتفاق سے وہ راوی جو چھوٹ گئے ہیں وہ بھی موجود ہوتے تو جھوٹوں کی تعداد ایک درجن ہو جاتی ۔ ابھی تو نصف درجن ہوتی ہے ۔ قربان جائیے ایسی روایتوں پر جن پر شب برات کی بنیاد قائم کی جارہی ہے ۔ اور شیخ صاحب اسے اپنی کتاب میں جگہ دے رہے ہیں ۔ حالانکہ محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو شخص منکر روایات بیان کرتا ہو وہ خود متروک اور منکر الحدیث ہوتا ہے اور اس کی روایت مردود ہوتی ہے ۔ خواہ اوپر کے تمام روات ثقہ کیوں نہ ہوں ۔ ہم یہ تو ہرگز نہیں کہتے کہ انھوں نے ایسا عمداً کیا ہے لیکن عام طور پر صوفیا زہد و تقویٰ اور عبادت میں مشغولیت کے باعث حدیث کی جانب سے بے توجہ رہے اور اس طرح حدیثؐ میں غلطیاں کرتے رہے ۔ نتیجۃً بلا قصد و ارادہ حضورؐ پر جھوٹ بولا جاتا رہا اور یہ حضرات حضورؐ کے اس فرمان کا مصداق بنتے رہے ۔

کفٰی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کردے ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸

زید بن علی بن حسین بن علی سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ہشام بن عبدالملک کے دور میں سنہ ۱۲۲ھ میں انھوں نے خروج کیا اور کوفہ میں قتل کیے گئے ۔ انھی کی جانب فرقہ زیدیہ منسوب ہے یہ اگرچہ ثقہ ہیں لیکن چوتھے طبقہ میں داخل ہیں ۔ تقریب ص ۱۱۳

جہالت کا ایک اعلیٰ نمونہ

اخبرنا ھبۃ اللہ قال اخبرنا القاضی ھناد بن ابراھیم النسفی اخبرنا عبدالقاھر بن عمر الجوزی اخبرنا بھا ھبۃ اللہ نا محمد بن الفرخان

أنا احمد بن الحسين بن سعيد الانباری انا ابراهیم
ابن فراش عن عمرو بن سمرة عن موسی بن العباس
عن الاصبغ عن بنانة عن الحسين بن علی بن
ابی طالب رضی الله - قال بینما نحن فی الطواف اذا
سمعنا صوتا وهو يقول یا من یجیب دعاء المضطر
فی الظلم، یا کاشف الکرب والبلوی مع السقم
قد بات وفدك حول البیت والحرم، ونحن ندعو و
عین الله لا تنم، هب لی بجودك ما اخطات من جرم
یا من اشار الیه الخلق بالکرم، ان کان عفوك لم
یسبق المجترم فمن یجود علی العاصین بالنعم
قال الحسين بن علی رضی الله عنه قال لی ابی علی
رضی الله عنه یاحسین اما تسمع النادب ذنبه
والمعاتب ربه امض فعسالك تدركه ونادہ، قال
الحسين رضی الله عنه فاسرعت حتی ادرکته واذا
انا برجل جمیل الوجه نقی البدن، نظیف الثیاب
طیب الریح الا انه قد شل جانب الایمن فقلت
اجب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی الله عنه
فقام یجر شقه حتی وقف علی امیر المؤمنین علی
بن ابی طالب کرم الله وجهه فقال له من انت وما
شانك، قال یا امیر المؤمنین ما شان من اخذ با
لعقوبة، ومنع الحقوق قال وما اسمك قال منازل
بن لاحق قال فما قصتك قال کنت مشهورا فی
العرب باللهو والطرب، ارکض فی صبوتی، ولا افیق

من غفلتی، ان تبت لم تقبل توبتی، وان استقلت لم تقل عثرتی، ادیم العصیان، فی رجب وشعبان وکان لی والد شفیق رفیق، یحذرنی مصارع الجهالة وشقوة المعصیة، یقول الله یا بنی سطوات و فضحات، فلا یتعرض لمن یعاقب بالنار، فکم قد ضج منک الظلام، والملائکة الکرام، والشهر الحرام، واللیالی والایام، وکان اذا لج علی بالعتب الحجت علیه بالضرب، فابلغت الیه یوما فقال والله لا صومن ولا افطر، ولا صلین ولا انام، فصام اسبوعا ثم رکب جملا اورق واتی مکة، یوم الحج الاکبر وقال لا فدن الی بیت الله ولا ستعدین علیک الله قال فقدم مکة یوم الحج الاکبر، فتعلق باستار الکعبة ودعا علی وقال یا من الیه اتی الحجاج من بعد، یرجون لطف عزیز واحد صمد، هذا ملازم لا یرتد عن عقوقی، فخذ بحقی، یا رحمن من ولدی، وشل منه بجود منک جانبه، یا من تقدس لم یولد ولم یلد، قال فلا والذی رفع السماء، وانبع الماء ما استتم کلامه، حتی شل جانبی الایمن، فظللت کالخشبة الملقاة بارجاء الحرم، وکان الناس یغدون و یروحون علی ویقولون هذا اجاب الله فیه دعوة ابیه، فقال له علی رضی الله عنه فما فعل ابوک قال یا امیر المؤمنین سالته ان یدعو الله فی المواضع اللتی دعا علی فیها بعد ان رضی عنی فاجابنی فحملته علی ناقة

ووجدت فى السير، حتى وصلنا الى واد يقال له الاراك فنفر طائر من الشجرة فنفرت الناقة فوقع منها ومات فى الطريق، فقال على رضى الله عنه الا اعلمك دعوات سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال ما دعا بها صاحب هموم الا فرج الله تعالى عنه همه، ولا مكروب الا فرج الله عنه كربته، فقال الحسين ابن على رضى الله عنهما فعلمه الدعاء ودعا به وخلص من مرضه، وغدا علينا صحيحا سالماً فقلت للرجل كيف عملت، قال لما هدات العيون دعوت به مرة وثانية وثالثة فنوديت حسبك الله فقال دعوت الله باسمه الاعظم الذى اذا دعى به اجاب واذا سال به اعطى، ثم حملتنى عينى فنمت فرايت النبى صلى الله عليه وسلم فى منامى فعرضتها عليه فقال صلى الله عليه وسلم صدق على ابن عمى فيها اسم الاعظم الذى اذا دعى به اجاب واذا سئل به اعطى، ثم حملتنى عينى مرة ثانية فرايت النبى صلى الله عليه وسلم فقلت يا رسول الله اريد ان اسمع الدعاء منك فقال صلى الله عليه وسلم قل اللهم اسألك يا عالم الخفية، ويا من السماء بقدرته مبنية ويا من الارض بعزته مدحية، ويا من الشمس والقمر بنور جلاله مشرقة ومضيئة، ويا مقبلا على كل نفس مؤمنة وذكية ويا مسكن رعب الخائفين واهل التقيه، يا من حوائج الخلق

عنه مقضية یا من نجا یوسف من رق العبودیة،
یا من لیس له بواب ینادی یغشی ولا وزیر یعطی، ولا
غیره رب یدعی، ولا یزداد علی کثرة الحوائج الا کرما
وجودا ۔ وصل علی محمد وآله واعطنی سؤلی، انک
علی کل شیئ قدیر۔ قال فانتهت وقد برأت! قال
علی رضی اللہ عنہ تمسکوا بهذ الدعاء فانها کنز
من کنوز العرش ۔ غنیۃ الطالبین ۔ ج۔ ا صفحہ ۶۷

ہم سے ہبتہ اللہ نے بیان کیا۔ ان سے قاضی ہناد بن ابراہیم
النسفی نے، ان سے عبدالقاہر بن عمر الجوزی نے ان سے ہبتہ اللہ
نے ان سے محمد بن فرخان نے، ان سے احمد بن الحسین بن سعید
الانبازی نے ان سے ابراہیم بن فراش نے، وہ عمرو بن سمرہ سے
روایت کرتا ہے ۔ وہ موسیٰ بن العباس سے، وہ اصبغ سے، وہ
بنا نہ سے، وہ حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ سے، حضرت
حسینؓ فرماتے ہیں کہ ہم طواف میں مشغول تھے۔ اچانک ہم نے
ایک آواز سُنی اور وہ کہہ رہا تھا اے وہ ذات جو مضطر کی دُعا
"تاریکیوں میں بھی سُنتا ہے، اے تکلیف اور بلاؤں کو بیماریوں
کے ساتھ دُور کرنے والے، تیرے وفد نے بیت اللہ اور حرم
کے ارد گرد رات گذاری، اور ہم دُعا کرتے ہیں اور اللہ کی آنکھ
سوتی نہیں، ہم نے جو خطائیں کی ہیں اپنے جود و کرم سے انہیں
ہبہ کر دیجئے، اے وہ ذات جس کی جانب مخلوق کرم کا اشارہ
کرتی ہے، اگرچہ آپ کا عفو مجرم سے آگے نہیں بڑھ سکتا، پھر کون
ذات گناہگاروں پر نعمتوں کی بخشش کرے گی، حسین بن علی
رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں، مجھ سے میرے باپ علی رضی اللہ عنہ نے

فرمایا اے حسینؑ کیا تو اپنے گناہوں کا اعلان کرنے والے اور اپنے پروردگار کو پکارنے والے کی آواز سُن رہا ہے۔ آگے بڑھ شاید کہ تو اُسے پالے اور اسے آواز دے۔ حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جلدی کی حتی کہ اُسے پا لیا (کیا طواف چھوڑ دیا) ناگاہ میں ایک ایسے شخص کے پاس کھڑا تھا جس کا چہرہ بہت خوبصورت تھا، جسم بہت کمزور تھا، کپڑے صاف تھے اور خوشبو مہک رہی تھی، لیکن اس کی ایک جانب بیکار ہو گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا، امیرالمؤمنین علی بن ابی طالبؑ کے پاس چلو وہ کھڑا ہوا اور اپنی ایک جانب کو گھسیٹتا ہوا چلا (جس کی ایک جانب بیکار ہو جاتے وہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔ صرف ٹانگ بے کار ہو گی) انھوں نے اُس سے دریافت کیا تو کون ہے؟ اور یہ تیرا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا اے امیرالمؤمنین اس شخص کا کیا حال جو سزا میں پکڑا گیا ہو اور جس کے حقوق روک لیے گئے ہوں۔ حضرت علیؑ نے دریافت کیا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا۔ منازل بن لاحق۔ حضرت علیؑ نے پوچھا تیرا قصّہ کیا ہے؟ بولا میں لہو و لعب میں عرب بھر میں مشہور تھا۔ اپنے میدان خواہش میں دوڑ لگاتا اور مجھے اپنی غفلت سے افاقہ نہ ہوتا۔ اگر میں توبہ کرتا تو میری توبہ قبول نہ کی جاتی اور اگر میں رجوع کرتا تو میری لغزش میں کمی نہ ہوتی، رجب و شعبان میں گناہوں پر مداومت کرتا۔ میرے باپ نہایت رفیق و مہربان تھے، وہ مجھے جہالت کے مقامات اور گناہوں کی بدبختی سے ڈراتے۔ اے میرے بیٹے! اللہ کے یہاں پکڑ بھی ہوتی ہے۔ تو اس ذات کے مقابل نہ آ جو دوزخ کی سزا دے سکتا ہے، تجھ سے تو ظلمتیں بھی گھبراتی ہیں، معزز فرشتے بھی، معزز مہینے بھی (یعنی رجب و شعبان) اور شب و

روز بھی۔ وہ جتنا مجھے سرزنش کرتا میں اتنا ہی اسے مارتا۔ ایک روز جو میں اس کی جانب بڑھا تو وہ بولا، اللہ کی قسم میں لگاتار روزے رکھونگا اور افطار نہ کرونگا اور ساری رات نماز پڑھونگا اور قطعاً نہ سوؤنگا۔ اس نے ایک ہفتہ کا روزہ رکھا۔ پھر ایک چھوٹے اونٹ پر سوار ہوا۔ اور حج اکبر کے دن مکہ آیا اور بولا میں وفد کے طور پر بیت اللہ جاؤں گا اور تیرے مقابلہ میں اللہ سے مدد چاہوں گا تو وہ حج اکبر کے روز مکہ پہنچا اور کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر میرے لیے بددعا کی اور بولا اے وہ ذات جس کی طرف حاجی آتے ہیں اور اس عزیز و یکتا اور بے نیاز کی مہربانی کے امیدوار ہوتے ہیں یہ ملازم ہے جو میری نافرمانی سے باز نہیں آتا۔ اس سے میرا حق لے لے۔ اے رحمان میرے لڑکے سے (ایسے وقت میں قہار، جبار یا منتقم کا لفظ استعمال ہونا چاہیئے تھا) اپنی سخاوت کے باعث اس کی ایک جانب بیکار کر دے (منتقمہ ہونا چاہیئے تھا یعنی اپنی سزا سے) اے وہ ذات جو پاک ہے جس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ ملازم کہتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آسمان بلند فرمایا اور جس نے پانی نکالا، اس کا کلام ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ میری داہنی جانب بے کار ہو گئی (آپ ساتھ کس لیے تشریف لے گئے تھے۔ کیا کہانی کا کردار تیار کرنے کے لیے) اور میں حرم کے گوشوں میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرح گر گیا لوگ میرے پاس صبح و شام آتے اور دیکھ کر کہتے یہ وہ شخص ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے باپ کی بددعا قبول کی حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا پھر تیرے باپ نے کیا کیا۔ اس نے جواب دیا اے امیرالمومنین جب وہ مجھ سے راضی ہو گیا تو میں

نے اس سے سوال کیا کہ وہ انہی مقامات پر جا کر میرے لیے
اللہ سے دُعا کرے جہاں اس نے میرے لیے بددُعا کی تھی۔ اس
نے میری بات قبول کی۔ میں نے اسے ایک اونٹنی پر سوار کیا
اور تیزی سے اسے لے کر چلا حتیٰ کہ ہم ایک وادی میں پہنچے
جسے اراک کہا جاتا ہے تو درخت سے ایک پرندہ گھبرا کر اُڑا۔
جس سے اونٹنی بدک گئی اور میرا باپ نیچے گر گیا اور راہ میں مر گیا
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کیا میں تجھے ایسی دعائیں
نہ سکھاؤں جنہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔
آپؐ نے فرمایا جو بھی پریشان شخص یہ دُعا مانگے گا۔ اللہ اس کی پریشانی
دُور کرے گا۔ جو تکلیف زدہ یہ دُعا کرے گا۔ اللہ اس کی تکلیف دُور
کرے گا حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے
اسے دعا سکھائی اور اس نے دعا کی اور اس مرض سے نجات حاصل
کی اور صبح کو ہمارے پاس صحیح و سالم بھی آیا۔ میں نے اس سے
دریافت کیا۔ تو نے کیا عمل کیا۔ بولا جب لوگ سو گئے تو میں نے
تین بار دعا کی تو یہ ندا آئی، تیرے لیے اللہ کافی ہے۔ تو نے اسم اعظم
کے ذریعہ دُعا کی ہے کہ جب اس کے واسطہ سے کوئی دعا کی جاتی ہے
تو قبول ہوتی ہے اور جب اس کے واسطہ سے سوال کیا جاتا ہے
تو عطا کیا جاتا ہے پھر میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ میں نے وہ اسمِ اعظم آپؐ کے سامنے
پیش کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے چچا کے بیٹے علیؓ نے سچ
کہا۔ یہ وہ اسمِ اعظم ہے کہ جو بھی اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے
قبول ہوتی ہے اور جو سوال کیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔ پھر میری

دوبارہ آنکھ لگ گئی پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ میں وہ دعا آپ کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہہ۔ اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ اے مخفی امور کے جاننے والے اور اے وہ ذات جس کی قدرت سے آسمان بنا اور اے وہ ذات جس کے غلبہ سے زمین بچھی ہوئی ہے اور اے وہ ذات جس کے جلال کے نور سے شمس و قمر روشن ہیں اور ہر مومن اور پاکیزہ نفس کی جانب متوجہ ہونے والے اور خوفزدہ اور اہل تقیہ کے خوف کو تسکین دینے والے اے وہ ذات جس کے پاس خلق کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اے وہ ذات جس نے یوسفؑ کو غلامی کی قید سے آزاد کیا۔ اے وہ ذات جس کے لیے کوئی دربان نہیں جو ندا دیتا ہو اور خود پردے میں بیٹھا ہو۔ نہ کوئی وزیر ہے جو عطا کرتا ہو اور نہ اس کے علاوہ کوئی رب ہے جسے پکارا جاتے اور حاجتوں کی کثرت سے اس کے جود و کرم میں اضافہ ہوتا ہے محمدؐ اور آپ کی آل پر رحمت بھیج (صحابہ کہاں گئے) اور میرا سوال عطا کر۔ کیونکہ آپ ہر شے پر قادر ہیں۔ منازل کہتا ہے کہ میں نے ادھر دعا پوری کی اور ادھر میں اچھا ہو گیا۔ علی رض نے فرمایا تم اس دعا کو لازم پکڑ لو۔ کیونکہ یہ عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔"

یہ روایت ہے یا کہانی ۔ ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں۔ ہم تو بہرصورت اسے روایت ہی تسلیم کریں گے۔ کیونکہ یہ غوث اعظم کی بیان کردہ ہے۔ ہم اس روایت کی عربیت، معنویت اور سند پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔

عربیّت پر بحث

اِس روایت کی عربی میں بھی متعدد نقائص پاتے جاتے ہیں جو ہم قارئین کے سامنے پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں۔

ا۔ حضرت حسین بن علی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ عنہما ہونا چاہیئے تھا اور ایک مقام سے لفظ عنہٗ بھی غائب ہے جس سے جُملہ مہمل ہو جاتا ہے۔

۲۔ نَحْنُ یَدْعُوْ۔ راوی کہنا یہ چاہتا ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں اس کے لیے نَدْعُ ہونا چاہیئے تھا بلکہ نَحْنُ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ یَدْعُوْ جمع غائب کا صیغہ ہے اور نَحْنُ جمع متکلم کی ضمیر ہے اور ضمیر متکلم کے ساتھ متکلم ہی کا صیغہ آتے گا۔

۳۔ وَعَیْنُ اللّٰہِ لَا تَنَمْ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے انسانی صفات ثابت کرنا یہ حرام ہے۔ کیونکہ اس سے تشبیہہ لازم آتی ہے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے اِس قسم کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں وہ متشابہات میں داخل ہیں۔ مثلاً روحُ اللہ، ید اللہ، وجہ اللہ، لیکن عَیْنُ اللّٰہ کا لفظ کسی جگہ پر استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ جہاں یہ بات ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو نیند نہیں آتی، وہاں یہ نہیں فرماتے کہ عَیْنُ اللّٰہِ لَا تَنَمْ کہ آنکھ نہیں لگتی۔ بلکہ فرماتے ہیں۔

لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ۔ بقرہ

اُسے اُونگھ آتی ہے نہ نیند

گویا اللہ تعالیٰ اپنے لیے لفظ عین استعمال کرنا نہیں چاہتے۔

۴۔ ھَبْ لِیْ بِجُوْدِکَ مَا اَخْطَاْتُ مِنْ جُرْمٍ ۔ قائل یہ کہنا چاہتا ہے کہ مجھ سے جو خطائیں سرزد ہوئیں انھیں اسے اللہ معاف فرما لیکن اس جملہ سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ مجھے مزید جرائم اور خطائیں ہبہ فرما۔ کیونکہ ھَبْ

امر کا صیغہ ہے اور ہبہ کے معنی عطا کرنے اور دینے کے آتے ہیں اس جاہل راوی کو یہ جملہ اس طرح بولنا چاہیئے تھا۔ اِغْفِرْ لِی بِجُوْدِلَکَ مَا اَخْطَأتُ مِنْ جُرْمٍ

۵۔ فِیْہِ دَعْوَۃُ اَبِیْہِ کی جگہ عَلَیْہِ دَعْوَۃُ اَبِیْہِ ہونا چاہیئے تھا۔ یا قافیہ بندی کے وقت غلط عربی بولنا جائز ہے؟ دعوت کے ساتھ ظرفیت کا کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ اس کے تین صلے آتے ہیں۔ اِلیٰ، عَلیٰ اور لام جار۔ جب علیٰ آتا ہے تو بددعا کے معنی دیتا ہے اور یہاں بددعا ہی مراد ہے۔ دعا اور دعوت کے بعد حرف فی نہیں آتا۔

۶۔ کاشف الکرب والبلوی۔ یہ لفظ بلوی تو فارسی و اردو میں بگڑ کر بن گیا ہے۔ یہ عربی لفظ نہیں یہاں بلاء یا بلیۃ ہونا چاہیئے تھا۔

۷۔ فَلَا یَتَعَرَّضُ لِمَنْ یُّعَاقِبُ۔ اس میں حرف لِمَنْ بیکار ہے اس کا کوئی مقصد ظاہر نہیں ہوتا۔

۸۔ عَقَقَنِیْ کی جگہ عَقَّنِیْ ادغام کے ساتھ ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب عربی میں کوئی حرف مکرر ہوتا ہے تو ادغام ہو جاتا ہے جیسے فَرَّ۔ مَدَّ حَقُّ۔ حالانکہ یہ اصل میں فَرَرَ، مَدَدَ اور حَقَقَ ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گھڑنے والا عربی زبان کے ابتدائی قواعد سے بھی واقفیت نہیں رکھتا۔

۹۔ مَا اسْتَتَمَّ کَلَامَہٗ غلط ہے مَا تَمَّ کَلَامُہٗ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ باب استفعال میں ہمیشہ کسی دوسرے سے خواہش کا اظہار ہوتا ہے اور یہ جملہ اُس وقت درست ہوتا جب کوئی دوسرا کلام کر رہا ہوتا اور اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ وہ چپ ہو جائے تب یہ جملہ استعمال کرتے ہیں۔

۱۰۔ اَلْمُلْقَاۃُ بِاَرْجَاءِ الْحَرَمِ۔ پڑی ہوئی چیز کے لیے مُلْقَاۃٌ کا لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ اسی طرح اَرْجَاءٌ زبردستی رَجَاءٌ کی جمع بنائی گئی ہے۔ اس کی جمع نہیں ہوتی اور رجاء کے معنی امید کے ہیں نہ کہ گوشہ کے اس کے لیے

نَوَاحِی کا لفظ استعمال کرنا چاہیئے تھا۔

۱۱۔ لَاُوْفِدَنَّ وفد سے زبردستی بنایا گیا ہے کیونکہ وفد سے مصدر متعدی نہیں آتا۔

۱۲۔ وَوَجَدْتُ فِی السَّیْرِ۔ وَجَدَ یَجِدُ کے معنی پانے کے آتے ہیں اور راوی کہنا یہ چاہتا ہے کہ میں نے تیز چلنے کی کوشش کی اس کے لئے لفظ جَدَّ یَجِدُّ آتا ہے اس طرح ایک واؤ زیادہ ہوئی۔

۱۳۔ فعساک تُدْرِکُ وَنَادِہٗ اس میں لفظ وَنَادِہٗ بے کار ہے۔

۱۴۔ نقِیُّ الْبَدَنِ۔ بدن عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ فارسی کا لفظ ہے اسے نقِیُّ الْجُثَّۃِ یا نقِیُّ الْجِسْمِ کہنا چاہیئے تھا۔

یہ چودہ غلطیاں تو اس کی عربی کی ہیں۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ کہانی گھڑنے والا کوئی عجمی ہے۔ جس کی عربی تک بھی درست نہیں۔

معنوی حیثیت

اس روایت میں حضورؐ کی جانب جو دُعا منسوب کی گئی ہے اس میں یہ الفاظ سُنیوں کے لیے قابلِ غور ہیں یَا مُسْکِنَ رُعْبَ الْخَائِفِیْنَ وَاَھْلَ التَّقِیَّۃِ۔

یہ اہلِ تقیہ کون لوگ ہیں یہ تو بیان فرما دیجئے۔ کیا صحابۂ کرام کے دَور میں بھی اہل تقیہ پائے جاتے تھے۔ بلکہ حضورؐ کے دَور میں جو حضورؐ نے یہ دُعا تعلیم فرمائی اور دورِ نبوی یا دورِ خلفاء میں کون لوگ تھے جو خوفزدہ رہتے تھے تقیہ رافضیوں کی ایجاد ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ حکومت کو خوش کرنے کے لیے حق گوئی کو چھوڑ کر ایسا راستہ اختیار کیا جائے جس سے حکومت سے ان کو خطرہ پیدا نہ ہو اور وہ پوشیدہ طور پر اپنے خیالات کو پھیلا سکیں۔ بالفاظ دیگر منافقین کی طرح ظاہر کچھ کیا جائے اور اندرونِ خانہ سیاسی چالیں

کچھ اور اختیار کی جاتیں۔ یعنی سوشلسٹوں کی طرح زیرِ زمین میدان ہموار کیا جاتے۔

رافضیوں نے یہ عقیدہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد اس وقت قائم کیا جب معترضین نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ اگر بقول تمہارے حضرت علیؓ وصی تھے تو انھوں نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کیوں کی اور کیوں حق کو ترک کیا تو انھوں نے اس اعتراض کے جواب کے لیے لفظ تقیہ وضع کیا اور کہنے لگے کہ حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر تقیہ کر لیا تھا۔ عیاذاً باللہ۔ یعنی ان کے ظاہر و باطن میں فرق تھا۔ اور خلفائے ثلثہ سے ڈر کر انھوں نے حق کو چھپایا۔ حتیٰ کہ ان رافضیوں نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی وضع کر ڈالی۔

مَنْ لا تَقِیَّۃَ لَا اِیْمَانَ لَہٗ جس نے تقیہ نہیں کیا اسکا ایمان نہیں

پس اگر یہ جواب دول کہ بقول کہنے والوں کے حضرت علیؓ وصی تھے اور صحابہ کرام نے ان کے حق کو چھپایا اور اس طرح وہ سب مرتد ہو گئے اور حضرت علیؓ نے تقیہ کیا تھا۔ تو حضرت علیؓ نے جب ابوبکرؓ کی چھ ماہ تک بیعت نہیں کی اور اپنے حق کا دعویٰ کیا تو خود اُن کے بقول حضرت علیؓ تقیہ سے خارج ہو گئے اور اس طرح ان کے پاس عیاذاً باللہ ایمان بھی باقی نہ رہا اور صحابہ کرام جنھوں نے اس حق کو چھپایا تو وہ پکے مومن ہو تے کیونکہ انھوں نے تقیہ کیا تھا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت حسینؓ نے کیوں تقیہ نہیں کیا۔ اب یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تقیہ ترک کرنے والا حق پر ہے یا تقیہ پر عمل کرنیوالا ہر صورت میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ میں سے ایک کو چھوڑنا ہو گا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ نے امیر معاویہؓ سے بیعت کی اور خلافتِ ظاہر کو ترک کیا تو روافض نے انھیں مذل المؤمنین اور مسودہ وجوہ المومنین کے خطابات دیئے۔ حالانکہ انھوں نے بھی تقیہ ہی کیا ہو گا۔ کیا تقیہ صرف باپ کے لیے جائز ہے بیٹے کے لیے جائز نہیں۔

یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہماری غرض تو صرف یہ تھی کہ یہ روایت کسی اہل تقیہ

کی وضع کردہ ہے اور وہ بھی ایسے وقت وضع کی گئی ہے جب اہلِ تقیہ خوف میں مبتلا تھے اور بھاگ بھاگ کر افریقہ اور ہندوستان میں روپوش ہو رہے تھے اور وہاں غیر مسلموں کو دعوت اسلام کے نام سے اپنے مسلک کی دعوت دے رہے تھے اور اس طرح ایک نئی خانہ جنگی کی تیاریاں کی جارہی تھیں۔ یعنی بنو عباس کے دَور میں ان کی تسلی اور پیغامات کے لیے روایات وضع کی گئیں۔ اسی لیے یَا مُسَکِّنَ رُعْبَ الْخَائِفِیْنَ وَاَهْلَ التَّقِیَّۃِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (ڈرنے والوں اور اہلِ تقیہ کے خوف کو تسکین دینے والے)

۲:۔ اس روایت میں حضرت علیؓ کو امیر المؤمنین کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔ بظاہر تو سنیوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت علیؓ خلیفہ تھے یعنی فی الواقع امیر المؤمنین تھے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہاں مؤمنین سے سنی مراد نہیں اور نہ حضرت علیؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں کوئی حج فرمایا اور نہ ان کے دَورِ خلافت میں حضرت حسینؓ نے کوئی حج کیا اور اس روایت کے راوی کا دعوٰی ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ نے اسے حرم میں دعا کرتے سنا اور پھر انھوں نے اسے بُلا کر اسمِ اعظم کی تعلیم دی۔

اب طبری کی زبانی معلوم کیجئے کہ حضرت علی نے ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک کوئی حج نہیں فرمایا۔ طبری ۳۵ھ کے حال میں تحریر کرتا ہے۔

عن ابن عباس قال دعانی عثمان فاستعملنی علی الحج فخرجت الی مکۃ فاقمت الناس الحج وقرأت علیھم کتاب عثمان الیھم ثم اقدمت المدینۃ وقد بویع علی فاتیتہ فی دارہٖ طبری ج ۳ ص ۴۶۰

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عثمانؓ نے بلایا اور امیر حج متعین کیا۔ میں مکہ گیا اور لوگوں کو حج کرایا اور لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا خط پڑھ کر سنایا پھر میں جب مدینہ واپس آیا تو

علیؓ کی بیعت ہو چکی تھی۔ میں ان کے گھران کے پاس پہنچا۔
سنہ ۳۶ھ کے حال میں لکھتا ہے۔

وحج بالناس فی ھذہ السنۃ عبد اللہ بن عباس
بامر علی ایاہ بذلک   طبری ج ۳ ص ۵۷

اس سال حضرت علیؓ کے حکم سے عبد اللہ بن عباسؓ نے لوگوں کو حج کرایا۔

سنہ ۳۷ھ میں عبداللہ بن عباسؓ کے بھائی عبید اللہ بن عباسؓ کو حضرت علیؓ نے امیرِ حج بنا کر بھیجا (تاریخ طبری مترجمہ حصہ سوم ص ۴۳) سنہ ۳۸ھ میں تیسرے بھائی قثم بن عباسؓ کو امیرِ حج بنایا گیا انھوں نے لوگوں کو حج کرایا۔ (طبری ج ۳ ص ۴۸) سنہ ۳۹ھ میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ کون امیر حج تھا بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے عبد اللہ بن عباسؓ کو امیرِ حج بنایا اور بعض عبید اللہ بن عباسؓ کا نام لیتے ہیں (طبری ج ۳ ص ۴۹) اور سنہ ۴۰ھ میں حج کا زمانہ آنے سے قبل حضرت علیؓ شہید کر دیئے گئے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں کوئی حج نہیں فرمایا تو یہ واقعہ کیسے پیش آیا؟ اگر یہ فرض کیا جائے کہ ہو سکتا ہے کہ خلافت سے قبل یہ وقوعہ پیش آیا ہو تو اس وقت حضرت علیؓ امیرالمؤمنین نہ تھے۔ اس طرح یہ لفظ جھوٹ ہوگا اور جب ایک لفظ جھوٹ بولا جا سکتا ہے تو پورا قصہ بھی وضع کیا جا سکتا ہے۔ دراصل یہ روایت شیعوں کی وضع کردہ ہے۔ ان کے نزدیک خلفائے ثلٰثہ برحق نہ تھے۔ بلکہ حضورؐ کی وفات کے بعد ہی سے اصل خلیفہ حضرت علیؓ تھے اور چونکہ انھیں خلافت نہ حاصل ہو سکی۔ اسی لیے شیعوں نے یہ مسلک اختیار کیا کہ امامت و خلافت کے لیے ظاہری خلافت شرط نہیں بلکہ خلافتِ باطنیہ مراد ہے جو حضرت علیؓ کو حاصل ہے۔ اسی لحاظ سے یہ امیرالمؤمنین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

۳: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی تین صحابہ سے متعلق روایت آپ نے صفحہ ۲۱ پر ملاحظہ فرمائی۔ اسی سلسلے میں ایک اور حدیث میں ارشاد ہے

ان لنفسک علیک حقا و لزوجک علیک حقا
و لعینیک علیک حقا و لاھلک علیک حقا۔

بخاری ج۔ ا ص ۲۶۵، مسلم ج۔ ا ص ۳۶۶، ابو داؤد ج۔ ا ص ۲۰۱

تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے، تیری بیوی کا بھی حق ہے۔ تیری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تیرے گھر والوں کا بھی حق ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام رات شب بیداری اور ہمیشہ روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی اور ایسے شخص کو اپنی سنت کا مخالف سمجھا اور فرمایا کہ ایسے شخص کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور ہمیشہ روزہ رکھنے والا ثواب سے محروم ہے اور افطار میں جو اس کو آرام ملنا ہو وہ بھی حاصل نہیں ہوا۔

ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ذرا منازل کے باپ لاحق کے عہد پر غور فرمائیے۔

واللہ لاصومن ولا افطرن ولا صلین ولا انام
اللہ کی قسم میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا اور تمام رات نماز پڑھونگا، اور قطعاً نہ سوؤنگا۔

یہ فیصلہ خلاف شریعت تھا۔ گویا وہ اتنا جاہل تھا کہ اسے اتنی معمولی سی بات کا بھی علم نہ تھا۔

۴:۔ جب منازل نے یہ واقعہ حضرت علیؓ کے سامنے بیان کیا تو حضرت علیؓ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ حالانکہ ہماری عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ حضرت علیؓ غلط بات پر خاموشی اختیار کرتے اور یہاں تو تقیہ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ جبکہ ایک وقتی معاملہ میں حضرت علیؓ نے سختی سے نکیر فرمائی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے عید کے روز ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نفلوں

کی نیت باندھنا چاہتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اسے منع فرمایا۔ اس نے عرض کیا میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے پر عذاب نہ دیگا۔ حضرت علیؓ نے جواب میں فرمایا۔

وانی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او یحث علیہ فتکون صلوٰتک عبثا والعبث حرام فلعلہ تعالیٰ یعذبک بہ لمخالفتک لرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نظم البیان ص۷۳ بحوالہ ص۱۶۵

میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کسی فعل پر اس وقت تک ثواب نہیں دیتا۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کو انجام نہ دے لیں یا اس کی ترغیب نہ دیں۔ اس صورت میں یہ تیری نماز ایک عبث فعل ہوا اور عبث فعل حرام ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ تجھے اس نماز پر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دیگا۔

صوفیاء کو چاہیئے کہ وہ امام الاولیاء کے اس فیصلہ پر غور کریں اور سوچیں کہ جس کام کے لیے انھوں نے ہزارہا روایات وضع کی ہیں۔ اس میں وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔

۵۔ منازل نے اپنی روایت میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں رجب شعبان میں بھی گناہوں میں مبتلا رہتا جس سے میرا باپ مجھے ڈراتا رہتا اور مجھے اشہر حرم کے احترام کی نصیحت کرتا۔ جس سے میں باز نہیں آتا۔

اس سلسلہ میں جہاں تک شعبان کا تعلق ہے۔ وہی اس وقت زیر بحث ہے لیکن اتنا ضرور عرض کر دیں کہ ماہ شعبان اشہر حرم میں داخل نہیں ۔ رجب کا مسئلہ تو وہ اشہر حرم میں ضرور داخل ہے۔ لیکن شریعت نے اس کی تعظیم کا کہیں حکم نہیں دیا۔ بلکہ کفار عرب اس ماہ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ اسلام نے اسے مٹایا ہے

طبرانی نے خرشہ بن حرؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

رأیت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجال فی صوم رجب حتی یضعونها فی الطعام و یقول رجب وما رجب انما رجب شهر کان یعظمه اهل الجاهلیة فلما جاء الاسلام ترک۔ مجمع الزوائد ص ۱۹۱ ج ۳

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جو شخص رجب کے روزے رکھتا اس کے ہاتھوں پر لکڑیاں مارتے اور اس کے ہاتھ کھانے پر رکھتے اور اسے کھانے پر مجبور کرتے۔ اور فرماتے یہ رجب رجب کیا بلا ہے۔ یہ رجب وہ مہینہ ہے جس کی زمانہ جاہلیت کے لوگ تعظیم کیا کرتے تھے جب اسلام آیا تو اس کی تعظیم ترک کر دی گئی۔

اب اس کی تعظیم یا اس میں روزے رکھنا زمانہ جاہلیت کی یادگار تازہ کرنا ہے۔

۶۔ منازل شروع روایت میں یہ بیان کرتا ہے کہ میرے باپ کی ناراضگی کا سبب میرے گناہ وعیوب اور رجب وشعبان کی عزت نہ کرنا تھی۔ اس لیے میرے باپ نے میرے لیے بددعا کی۔ حالانکہ اس نے اپنے باپ لاحق کی بددعا کے جو الفاظ ذکر کئے ہیں۔ ان میں ... ایک اشارہ تک بھی اس بات کا نہیں پایا جاتا بلکہ وہ تو اس بددعا کی کوئی اور ہی وجہ بیان کرتا ہے اور کہتا ہے۔

هذا املا ذمرا یرتدعن عقفی نخذ بحقی

یہ ملازم ہے جو میری نافرمانی سے باز نہیں آتا تو اس سے میرا حق لے لے

ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس بددعا کی اصل وجہ باپ کی نافرمانی ہے اس طرح یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد۔

۷:۔ امام مسلم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لاتدعوا علی انفسکم ولا تدعوا علی اولادکم ولا

تدعوا علی اموالکم، لاتوافقوا من اللہ ساعۃ

یسأل فیھا عطاءً فیستجاب لکم مشکوٰۃ صـ ۱۹۴

کتاب الاذکار ج ۲ صـ ۲۰۵

نہ اپنی جانوں پر بددُعا کرو، نہ اپنی اولاد پر بددُعا کرو اور نہ اپنے

اموال پر بددعا کرو۔ کیونکہ اللہ کی جانب سے قبولیت کی ایک

ساعت ہوتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس ساعت میں سوال کیا

جائے اور وہ قبول کر لیا جائے۔

حضورؐ نے تو اولاد کے لیے بددُعا کی ممانعت فرمائی لیکن یہ خبیث بددعا کے لیے بھی اللہ کے گھر کو پسند کرتا ہے۔ اسے تو چاہیئے تھا کہ جب اتنا دُور دراز کا سفر کیا تھا تو اپنے لڑکے کی ہدایت کی دُعا کرتا لیکن اگر خدانخواستہ وہ ایسا کر لیتا تو نہ تو منازل کا پہلو بیکار ہوتا نہ اس کو دعا کے لیے مکہ آنا پڑتا نہ حضرت علیؑ اس کی آواز سُن کر اُسے بلاتے نہ اسم اعظم کے نام سے تبرا کی تعلیم دی جاتی اور نہ حضورؐ خواب میں نظر آتے۔ کہانی کا تمام پلاٹ ہی ختم ہو جاتا۔

۱۸۔ منازل کا بیان ہے کہ جب میری ایک جانب بیکار ہو گئی اور لوگ آکر مجھ پر تاسف کرنے لگے تو میں نے باپ کی خوشامد کی کہ وہ دوبارہ کعبہ چل کر میرے لیے دعا کرے تو جب وہ تیار ہو گیا تو آگے الفاظ ہیں۔

فحملتہ علی ناقۃ ووجدت فی السیر

میں نے اسے اونٹنی پر سوار کیا اور تیزی سے چلا۔

سوال یہ ہے کہ جب تمہاری ایک جانب بیکار ہو گئی تھی اور لوگ تماشا دیکھنے آتے تھے تو کوچ کے وقت تم میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی تھی کہ تم نے باپ کو تو اونٹنی پر سوار کرایا اور تیزی سے سفر شروع کر دیا۔ پھر مکہ پہنچتے ہی وہ اصل حالت پر لوٹ آیا۔ حالانکہ معاملہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ

باپ اُسے سوار کراتا اور کھینچ کھانچ کر مکہ لے جاتا۔ بلکہ اس کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ دعا کے لیے اس کا وجود شرط نہ تھا۔

۹:۔ جب لاحق نے بددعا کی تھی اور منازل کی ایک جانب بیکار ہو گئی تھی تو وہ واقعہ منازل نے ان الفاظ میں ذکر کیا تھا۔

فظللت کالخشباۃ الملقاۃ بادحیاء الحرم

میں حرم کے گوشوں میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرح ہو گیا۔

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بددعا کے وقت بھی منازل ساتھ تھا اور بددعا کے اثر سے معذور ہو کر ایک گوشہ میں پڑا ہوا تھا۔ تو پھر وہ اپنے باپ کو لینے کے لیے اپنے وطن کیسے پہنچ گیا اور روادی اراک میں اسے دفن بھی کر دیا۔ فیا للعجب

۱۰:۔ جب حضرت حسینؓ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ منازل ایک معذور شخص ہے تو لازماً واپس آکر حضرت علیؓ سے بھی یہ بات بیان کی ہوگی۔ اور ہماری عقل یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ بجائے اس کے کہ حضرت علیؓ ایک معذور کی مدد کے لیے خود تشریف لاتے۔ الٹا اسے اس حالت میں بلا بھیجا۔ کہیں مغالطہ تو نہیں ہوا۔ کوئی اور شخص ہوگا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کبھی بھی ایسا نہ کر سکتے تھے۔

۱۱:۔ جب وہ کعبہ میں گڑگڑا رہا تھا اور چلا رہا تھا تو تعجب ہے کہ مشکل کشا کے علاوہ کسی اور نے اس کی آواز نہیں سُنی۔ حتیٰ کہ حضرت حسینؓ نے بھی نہیں سُنی تو کیا طواف میں یہ تین اشخاص ہی مشغول تھے؟ یہ اچھا ہی ہوا۔ ورنہ اگر کوئی گواہ اس واقعہ کی تردید کر دیتا تو کہانی ختم ہو جاتی۔ پھر سنی حضرات یہ تبرا کیسے سیکھتے۔

۱۲:۔ حضرت علیؓ نے اسم اعظم کی تعلیم صرف منازل کو دی تھی۔ جب وہ اچھا ہو گیا تو لوگوں کو حکم دیا کہ اسے سیکھ لو۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے واقعہ تحکیم کے وقت یہ اسم اعظم کیوں نہیں پڑھا اگر پڑھ لیتے تو ان کے حق میں فیصلہ

ہو جاتا اور حضرت حسینؓ کو چاہیئے تھا کہ کربلا میں لڑنے کے بجائے اسم اعظم پڑھ لیتے تو یہ مصائب نہ آتے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ یہ اسم اعظم بلند آواز سے پڑھ لیا گیا ہو اور ابنِ زیاد کے آدمیوں نے اس تبرا کو سمجھ لیا ہو۔

۱۳:۔ ابنِ عباس کا بیان ہے۔

وانظر والسجع من الدعاء فاجتنبه فانی عهدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ لا یفعلون الا ذلک الاجتناب۔ بخاری ج۔۲ ص ۹۳۸

تُو دعا میں سجع اور قافیہ بندی سے پرہیز کیا کر۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کو دیکھا کہ وُہ اس سے اجتناب کرتے تھے۔

لیکن اس کے برعکس یہ تمام دعا مقفی و مسجع ہے۔ لازماً یہ روایت کرنیوالا کوئی زندیق ہے جس کا مقصود ہر بات میں سنت کی مخالفت ہے۔

۱۴:۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ۝ سورۃ برات۔ ۳

حج اکبر کے روز اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے اعلان (بیزاری) ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے۔

ان ابا بکر بعثه فی الحجة التی امرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل حجة الوداع فی رهط یؤذن فی الناس الا لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان فکان حمید یقول یوم النحر یوم

الحج الاکبر من اجل حدیث ابی ھریرۃ۔

بخاری ج۔۲ ص۶۷۱، مسلم ج۔۱ ص۴۳

ابوبکرؓ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، کو اس حج میں جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو امیر بنایا تھا۔ حجۃ الوداع سے قبل، ایک جماعت کے ساتھ لوگوں میں اعلان کرنے کے لیے بھیجا۔ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کرے۔

حمید راوی کہا کرتے تھے کہ حج اکبرؔ سے قربانی کا دن مراد ہے اور ان کا یہ قول اسی حدیث کے باعث ہے۔

آیت قرآنی سے یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ حج اکبر اسی مخصوص روز کا نام تھا جس روز یہ اعلان کیا گیا لیکن اگر اسے عام بھی تصور کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اعلان کس دن ہوا۔ حمیدؔ جو ابوہریرہ کی حدیث کے راوی ہیں ان کا قول ہے کہ یہ قربانی کا دن تھا یعنی دس ذی الحجہ۔ حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت علیؓ کا قول ہے کہ حج اکبر کا دن عرفہ کا دن ہے اور حضرت علیؓ کا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ انھیں اس اعلان کے لیے مدینہ سے بھیجا گیا تھا تو ان سے زیادہ کون واقف کار ہو سکتا ہے۔

اس تفصیل سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ منازل کا باپ لاحق حج اکبر کے روز خانہ کعبہ پہنچا۔ اور کعبہ کے پردوں کو پکڑ کر منازل کے لیے بددعا کی۔ سوال یہ ہے کہ اگر لاحق قربانی کے دن مکہ پہنچا ہے تو گویا اس نے حج نہیں کیا۔ کیونکہ حج میں قیام عرفہ شرط ہے اور اگر وہ عرفہ کے دن پہنچا تھا تو حاجی کے لیے ضروری ہے کہ نو تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے عرفہ پہنچ جائے ورنہ حج نہ ہوگا۔ اگر وہ دن میں پہنچا ہے تو وہ حج میں شریک نہیں ہوا۔ اور اگر رات میں پہنچا ہے تو حاجی کے لیے نو تاریخ کو طواف نہیں۔ بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ میدان عرفہ

میں قیام کرے اور وہاں تسبیح و تہلیل، تکبیر و تحمید، تلبیہ اور دعا میں مشغول رہے، لیکن لاحق سیدھا خانۂ کعبہ پہنچا اس کا مقصد یہ ہوا کہ اتنا دور دراز کا سفر کیا اور پھر بھی حج کی نعمت سے محروم رہا اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کیونکہ وُہ خود ایک گناہ کی نیت سے نکلا تھا۔ اور سب سے زیادہ تعجب شیخ عبدالقادر پر ہے جو فقہ حنبلیہ کے علماء میں شمار ہوتے ہیں اور اتنے سے معمولی فقہی مسئلہ کو بھی نہ سمجھ سکے۔

۱۰۔ منازل نے اس بات کا کوئی ذکر نہیں کیا کہ میرے باپ نے حج کا احرام باندھا تھا جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حج کی نیت سے نہیں گیا۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ اس نے حج کیوں نہیں کیا۔ لیکن صرف یہ بات پوچھنی ہے کہ حدود مکہ سے باہر کا جب کوئی شخص مکہ میں داخل ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ یا تو حج کا احرام باندھے یا عمرہ کا۔ بغیر احرام باندھے مکہ میں داخل ہونا حرام ہے۔ لیکن لاحق نے کسی شیئے کا احرام نہیں باندھا اور اس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی۔ اور مکہ کی توہین کی تو پھر کعبہ جانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر اسی کا نام دینداری ہے اور اسی قسم کی لغویات کا نام تصوف ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بلاء سے محفوظ رکھے۔

تعجب تو اس پر ہے کہ حنابلہ کا دعوٰی ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی فقہ حنبلیہ کے زبردست عالم تھے اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ انھوں نے فقہ قاضی ابوسعید المخرمی اور ابوالخطاب الکوذنی سے حاصل کیا۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ابوالوفاء بن عقیل اور قاضی ابوالحسین سے بھی تلمذ حاصل ہے۔ اس صورت میں یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ شیخ صاحب یہ معمولی سی فقہی بات بھی نہ سمجھ سکے ہوں۔ کم از کم ہماری عقل یہ قبول نہیں کرتی۔ ویسے تصوف زدہ علماء کی عقل تصوف میں آکر خراب ہو جاتی ہے اور ان کی تمام فقہ دانی اور حدیث سے واقفیت رکھی رہ جاتی ہے یہ ایک ایسا جادو ہے جو سب کچھ بھلا دیتا ہے۔

۱۶۔ منازل نے جس اسم اعظم کا ذکر کیا ہے وہ ہمارے سُنی بھائیوں کے لیے نہیں ہے۔ ہمارے سنی بھائی اگر واقعتاً اسم اعظم کے متلاشی ہیں تو ان کی تسکین کے لیے ہم چند حدیثیں پیش کیے دیتے ہیں۔

ابوداؤد، ترمذی، دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت اسماء بنت السکن سے روایت کیا ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اسم اللہ الاعظم فی ھاتین الایتین وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ وفاتحة الِ عمران "الٓمّٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ۝

ترمذی ج۔۲ ص۲۰۷

اللہ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ اور آل عمران کی یہ ابتدائی آیت الٓمّٓ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ

ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے یہ دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اسألک بان لک الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بدیع السموت والارض یا ذاالجلال والاکرام یا حی یاقیوم اسألک

ترمذی ج۔۲ ص۲۱۶

اے اللہ میں آپ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ تمام حمد آپ ہی کے لیے ہے۔ آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ آپ مہربان، احسان کرنے والے ہیں۔ زمین و آسمان کے بنانے والے ہیں۔ اے جلال و اکرام والے۔ اے زندہ، اے بندوبست

کہنے والے میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا۔

دعا اللہ باسمہ الاعظم الذی اذا دعی بہ اجاب
واذا سال بہ اعطیٰ۔

اس نے اللہ کے اسم اعظم کے ذریعہ دعا کی ہے۔ کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی جاتی ہے قبول ہوتی ہے اور جب بھی کوئی سوال کیا جاتا ہے عطا کیا جاتا ہے۔

رزین نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ میں عشاء کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں گیا تو وہاں ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کوئی ریاکار معلوم ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ یہ ایک مؤمن ہے جو خدا سے لو لگاتے ہے یہ شخص حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے جو بلند آواز سے کلام اللہ کی تلاوت کر رہے تھے، حضورؐ ان کی قراءت سُن رہے تھے۔ قراءت کے بعد حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے یہ دُعا مانگی۔

اللّٰھم انی اشھدک انک انت اللہ لا الہ الا انت
احدٌ صمد الم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ
کفواً احد

اے اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ ہی اللہ ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ آپ یکتا و بے نیاز ہیں۔ نہ آپ کے اولاد ہے اور نہ آپ کسی کی اولاد ہیں اور نہ آپ کا کوئی ہمعصر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر ارشاد فرمایا۔

لقد سال اللہَ باسمہ الذی اذا سئل بہ
اعطیٰ واذا دعی بہ اجاب   مشکوٰۃ صنٓ۲۰۰

اس نے اللہ کے اس نام سے سوال کیا ہے کہ جب بھی اس نام سے سوال کیا جاتا ہے تو عطا کیا جاتا ہے اور جب بھی کوئی دُعا کی جاتی ہے تو قبول ہوتی ہے۔

میں نے عرض کیا رسولؐ اللہ کیا یہ بات میں ابو موسیٰؓ کو بتا دوں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں بتا دو۔ میں نے جب ابو موسیٰؓ کو حضورؐ کے اس فرمان کی اطلاع دی تو انھوں نے فرمایا کہ آج سے تم میرے بھائی ہو۔ کیونکہ تم نے مجھ سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی ہے۔

ترمذی اور ابو داؤد نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دُعا کرتے سُنا۔

اللھم انی اسألک بانک انت اللہ لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ٥ ترمذی ج ۲ ص ۲۰۰

اے اللہ میں آپ سے اس وسیلہ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ ہی اللہ ہیں آپ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ آپ یکتا و بے نیاز ہیں نہ آپ کے اولاد ہے اور نہ آپ کسی کی اولاد ہیں اور نہ آپ کا کوئی شریک ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ان تمام روایات پر اگر غور کیا جائے تو اس میں صرف ایک نام ایسا ہے جو ہر دُعا میں پایا جاتا ہے اور وہ لفظ اللہ ہے اور وہی اسم اعظم ہے۔

میرا خیال ہے کہ وہ لفظ اللہ نہیں۔ کیونکہ پہلی حدیث میں جو قرآن کی پہلی آیت ذکر کی گئی ہے۔ اس میں لفظ اللہ نہیں۔ بلکہ اسم اعظم لا الہ ہے۔ کیونکہ لا الہ کا جملہ ہر جگہ پایا جاتا ہے اور اسم اعظم سے مراد توحید الٰہی ہے اور مقصد یہ ہے کہ جب تک توحید کامل طور پر نہ پائی جائے گی دعا بھی قبول نہ ہوں گی یا توحید

کے بغیر دعا سے کچھ حاصل نہیں۔ کیونکہ دعا بھی عبادت ہے اور اسم اعظم سے غرض بھی "عبادت" ہے نہ کہ دنیاوی امور پر قدرت حاصل کرنا۔

سندی حیثیت

ہبتہ اللہ السقطی

ا:۔ اس کا پہلا راوی ہبتہ اللہ السقطی ہے۔ اس کی کنیت ابوالبرکات ہے یہ "غنیۃ" کے دوسرے ہیرو ہیں، لیکن اتفاق سے یہ ابونصر کی طرح فرضی نہیں بلکہ یہ اس عالم وجود میں اپنا وجود بھی رکھتا تھا۔ ابن عراق الکنانی نے اپنی "تنزیہ الشریعہ فی احادیث الشنیعۃ الموضوعۃ" میں جھوٹوں کی ایک فہرست تیار کی ہے۔ اس میں ہبتہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

هبة الله السقطی فهو الافة "تنزیہ الشریعہ ج۔۲ ص۱۲۰"

"ہبتہ اللہ السقطی ایک آفت ہے۔"

خود ابن عراق الکنانی فرماتے ہیں۔

ان هبة الله بن المبارک السقطی قال ابن ناصر لیس بثقة وظهر كذبه۔ "تنزیہ الشریعہ۔ ج۔۲ ص۱۲۳"

ہبتہ اللہ بن المبارک السقطی کے بارے میں ابن ناصر فرماتے ہیں۔ یہ "ثقہ" نہیں۔ اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔

امام ذہبی ۷۴۸ھ فرماتے ہیں۔ اس نے حصول حدیث کے لیے اصبہان وغیرہ کا سفر کیا اور اس سلسلہ میں کافی مشقت برداشت کی اور ایک جلد میں اپنی "معجم" تحریر کی۔ ۵۰۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ آگے ابن السمعانی کا قول بیان کرتے ہیں۔

غیر انه ادعی السماع من شیوخ لم یره

فروایت فی معجمہ اخبرنا ابو محمد الجوھری قراءۃ علیہ وھذا محال ما لحقہ ولا سنہ تحتملہ

میزان ج۔۴ ص۲۹۲

اس نے ایسے شیوخ سے سماع حدیث کا دعوی کیا جن کو اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے اس کی معجم میں دیکھا کہتا ہے ہم کو ابو محمد الجوھری نے خبر دی اور ان کے سامنے اس حدیث کی قرارت کی گئی۔ حالانکہ یہ محال ہے کیونکہ ھبتہ اللہ نے ان سے ملاقات نہیں کی اور نہ اس کی عمر اس کی اجازت دیتی ہے۔

۲:۔ اس روایت کا دوسرا راوی ہناد بن ابراہیم النسفی ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ اس نے ۴۵۰ھ کے بعد کافی روایات بیان کیں لیکن وہ موضوعات روایت کرتا اور نئی نئی بلائیں اسلام میں پیدا کرتا ہے۔ اس نے صوفی ابو عبدالرحمن سلمی اور غنجار وغیرہ سے روایات لی ہیں یہ یعقوبا کا قاضی تھا۔ وہیں ۴۶۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

خطیب بغدادی ۴۶۳ھ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نیشاپور جانے کا ارادہ کیا تو اس ہناد نے کچھ احادیث دیں اور بتایا کہ یہ روایات ابن کروی سے مروی ہیں جو نہروان میں ایک شیخ ہے اور وہ یہ احادیث خلدی اور نجاد سے روایت کرتا ہے۔ جب میں نہروان ابن کروی کے پاس پہنچا اور اس سے اس بات کا تذکرہ کیا تو انھوں نے خلدی اور نجاد کو پہچاننے سے بھی انکار کر دیا۔ اور بولے کہ یہ روایات تو مجھ سے عبدالملک بن بکران النہروانی نے بیان کی ہیں۔ میزان ج۔۴ ص۳۱۰

لیجئے ہبتہ اللہ بھی جھوٹا تھا اور یہ حضرت بھی جھوٹے ثابت ہوئے۔

۳:۔ عبدالقاہر بن عمر الجوزی مجہول ہے۔ ہو سکتا ہے کہ خلدی اور نجاد کی طرح اس کا بھی کوئی وجود نہ ہو۔

۴:۔ چوتھے راوی کا نام بھی ہبتہ اللہ ہے۔ یہ کونسا ہبتہ اللہ ہے۔ ہم اس سے واقف نہیں۔ لیکن چند ہبتہ اللہ نامی اشخاص کا ذکر ذہبی نے کیا ہے۔ ایک ہبتہ اللہ بن الحسن بن المظفر ہے۔ ابن نقطہ ۶۲۹ھ کہتے ہیں یہ دین میں ناپسندیدہ انسان تھا۔ دوسرا ہبتہ اللہ بن ابی شریک ہے۔ ابن السمعانی کہتے ہیں کہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ وہ نہایت بدترین انسان تھا۔ ایک ہبتہ بن موسیٰ مزنی ہے وہ مجہول ہے اور ایک ہبتہ اللہ بن المبارک بن الدوانی ہے جو پکا رافضی تھا۔ اور وہ پہلے ہبتہ اللہ کا ہم عصر ہے۔ اتفاق سے کوئی بھی ہبتہ اللہ ثقہ نہیں۔ میزان ج ۴ ص ۲۹۲۔ برعکس نہند نام زنگی کافور

۵:۔ پانچواں راوی محمد بن فرخان بن روزبہ ہے یہ جنید بغدادی سے حکایات نقل کرتا ہے۔ خطیب بغدادی ۴۶۳ھ کہتے ہیں۔

کان غیر ثقة
یہ ثقہ نہیں ہے

حافظ ابن حجر نے بھی اسے ضعیف لکھا ہے (تقریب التہذیب ص ۳۱۵)

ذہبی لکھتے ہیں۔

له خبر کذب فی موضوعات ابن الجوزی فی باب الدجاج والحمام
میزان ج ۳ ص ۴

ابن جوزی کی موضوعات میں اس کی ایک جھوٹی روایت پائی جاتی ہے جو مرغیوں اور کبوتروں کے ذکر میں ہیں۔

۶:۔ احمد بن الحسین بن سعید الانبازی قطعاً مجہول ہے۔ احمد بن الحسین تو بہت سے ہیں لیکن انباز کا کوئی باشندہ نہیں۔

۷:۔ ابراہیم بن فراش بھی مجہول ہے۔

۸:۔ عمرو بن سمرہ بھی مجہول ہے۔

۹:۔ موسیٰ بن عیاس بھی مجہول ہے۔

۱۰:۔ اصبغ عن بنانۃ اس میں لفظ عن غلط ہے یہ لفظ ابن ہے

اور بنانہ کسی کا نام نہیں بلکہ یہ لفظ بنانۃ ہے جو اصبغ کے باپ کا نام ہے یہ حنظلی مجاشعی کوفی ہے حضرت علیؓ اور حضرت عمارؓ سے روایت کرتا ہے۔

ابوبکر بن عیاش سنہ ۱۹۳ھ کہتے ہیں کذاب ہے۔ ابن معین سنہ ۲۳۳ھ کہتے ہیں کچھ نہیں ہے۔ نسائی سنہ ۳۰۳ھ اور ابن حبان سنہ ۳۵۴ھ کہتے ہیں متروک ہے۔ ابن عدی سنہ ۳۶۵ھ کہتے ہیں اس کا ضعف ظاہر ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں اس کی حدیث کمزور ہے۔ عقیلی کہتے ہیں یہ اس پر ایمان رکھتا تھا کہ حضرت علیؓ دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے۔ ابن حبان کہتے ہیں اس نے حضرت علیؓ کی محبت میں مبتلا ہو کر جھوٹ بولنا شروع کر دیا اس لیے اس کی روایت ترک کی گئی۔ میزان ج ۱ ص ۲۷۱

گویا اس روایت کی سند میں چار راوی مجہول اور چھ کذاب ہیں۔ اس سند سے کم از کم یہ بات تو ظاہر ہو گئی کہ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ عبدالقادر کے درمیان کم از کم دس گیارہ راوی ہونے چاہئیں اور واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ کیونکہ شیخ صاحب کی وفات سنہ ۵۶۱ھ میں ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ اسم اعظم صرف منازل کو بتایا تھا اور اپنے بیٹوں سے بھی اسے مخفی رکھا تھا۔ اسی لیے حضرت حسینؓ کو منازل سے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی۔ یعنی اگر یہ اسم اعظم منازل نہ بتاتا تو حضرت حسینؓ تو اس سے لاعلم ہی رہتے۔ عیاذاً باللہ

نیز راوی نے یہ روایت بیان کر کے یہ بھی ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؓ منازل جیسے جاہلِ مطلق کے شاگرد ہیں۔ اسے کسی صوفی کی عقل تو تسلیم کر سکتی ہے، لیکن کسی سمجھ دار انسان کی عقل اسے ہرگز قبول نہ کرے گی۔

اس روایت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شیخ عبدالقادر کو راویوں کے صحیح نام تک معلوم نہیں۔ ایسی صورت میں حدیث کے معاملے میں ان پر کیسے اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

صلوٰۃ الفیہ

کذابین و وضاعین نے جہاں ماہ شعبان اور شب برات کی فضیلت میں متعدد احادیث روایات کی ہیں۔ وہاں اس شب کے لیے مخصوص نمازیں بھی وضع کی ہیں۔ بلکہ ہر ماہ اور ہر روز اور ہر رات کی جداگانہ نمازیں وضع کی گئیں۔ جن کی تفصیل احیاء العلوم، غنیہ اور تصوف کی دیگر کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ہم ان تمام نمازوں پر بحث کریں تو اس کے لیے ایک جداگانہ کتاب درکار ہوگی۔ اس وقت ہم صرف وہ نمازیں قارئین کے سامنے پیش کریں گے جو شب براءت کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

امام ابن الجوزی ۵۹۷ھ نے اپنی "موضوعات کبیر" میں ایک نماز اپنی سند سے ان الفاظ میں پیش کر کے اس پر جرح کی ہے۔

انبانا محمد بن ناصر الحافظ انبانا ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن الحداد انبانا ابو بکر احمد بن الفضل بن محمد المقرئ انبانا ابو عمرو عبدالرحمٰن بن طلحۃ الطلیحی انبانا الفضل بن محمد الزعفرانی۔ حدثنا ھارون بن سلیمان نا علی بن الحسن عن سفیان الثوری عن لیث عن مجاھد عن علی بن ابی طالب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یا علی من صلی مائۃ رکعۃ فی لیلۃ النصف من شعبان ویقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد عشر مرات قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا علی ما من عبد یصلی ھذہ الصلوٰۃ قضی اللہ لہ عزوجل کل حاجۃ طلبھا تلک اللیلۃ قیل یا رسول

الله وان کان الله تعالیٰ جعله شقیا یجعله سعیدا
قال والذی بعثنی بالحق نبیا یا علی انه مکتوب
فی اللوح ان فلان بن فلان خلق شقیا یمحوه الله
ویجعله سعیدا ویبعث الله الیه سبعین الف
ملک یکتبون له الحسنات ویمحون عنه السیات
ویرفعون له الدرجات الی راس السنة ویبعث
الله فی جنة عدن سبعین الف ملک اوسبع مائة
الف ملک یبنون له المدائن والقصور ویغرسون له
الاشجار ما لاعین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی
قلب المخلوقین مثل هذا الجنان فی کل جنة علی ما وصفت
لکم من المدائن والقصور والاشجار فان مات من
لیلته قبل ان یحول الحول مات شهیدا ویعطیه الله
بکل حرف من قل هو الله احد فی لیلته من ذلک
سبعین الف حوراء لکل حوراء وصیف ووصیفة
وسبعون الف قهارمة وسبعون الف حجاب وکل
من قرا قل هو الله احد فی تلک اللیلة یکتب
له اجر سبعین شهید وتقبل صلاته التی صلاها
قبل ذلک ویقبل ما صلی بعدها وان کان والداه
فی النار دعا لهما اخرجهما الله من النار بعد ان لم
یشرکا بالله شیئا ویدخلان الجنة ویشفع کل
واحد منهما فی سبعین الفا الی اخر ثلاث مرات
والذی بعثنی بالحق ان الله یبعث فی کل ساعة من
ساعات اللیل والنهار وهی اربع وعشرون ساعة

سبعین الف ملک یسلمون علیہ ویصافحونہ ویدعون لہ الی ان ینفخ فی الصور و یحشر یوم القیمۃ مع الکرام البررۃ و یامر الکاتبین ان لا تکتبوا علی عبدی سیئۃ واکتبوا الیہ الحسنات الی ان یحول علیہ الحول ومن صلی ھذہ الصلوۃ وھو یرید الصلوۃ والدار الاخرۃ یجعل اللہ لہ نصیبا من عندہ تلک اللیلۃ۔ موضوعات کبیر ج ۲ ص ۱۲۷

ہمیں محمد بن ناصر الحافظ نے خبر دی، انھیں ابو علی الحسن بن احمد بن الحسن الحداد نے انھیں ابو بکر احمد بن الفضل بن محمد المقری نے انھیں ابو عمرو عبد الرحمان بن طلحۃ الطلیحی نے، انھیں فضل بن محمد محمد الزعفرانی نے، انھیں ہارون بن سلیمان نے انھیں علی بن الحسن نے وہ سفیان ثوری سے ناقل ہیں وہ لیث سے وہ مجاہد سے وہ علی بن ابی طالب سے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ نے فرمایا اے علی جس نے نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قل ہو اللہ احد دس بار پڑھی۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے علی جو بندہ یہ نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر وہ حاجت پوری فرماتا ہے جو وہ اس رات طلب کرتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسولؐ اللہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو بد بخت بنایا ہو تو کیا اسے نیک بخت بنا دے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اے علیؓ لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ فلاں بن فلاں بد بخت پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اسے مٹا کر نیک بخت لکھ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے پاس ستر ہزار فرشتے

بھیجتا ہے جو اس کے لیے نیکیاں لکھتے، اس کی برائیاں مٹاتے اور اس کے درجات بلند کرتے ہیں۔ آئندہ سال تک یہی ہوتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنت عدن میں ستر ہزار فرشتے یا سات لاکھ فرشتے بھیجتا ہے جو اس کے لیے شہر اور محلات تعمیر کرتے اور اس کے لیے ایسے پودے لگاتے ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھے، نہ کانوں نے سنے اور نہ بشر کے قلب پر ایسے باغوں کا خیال گزرا کہ جن میں اس قسم کے شہر، محلات اور درخت ہوں اور اگر وہ سال پورا ہونے اور آئندہ یہ رات آنے سے پہلے مرجاتے تو وہ شہید مرے گا اور اللہ تعالیٰ اسے قل ہو اللہ احد کے ہر حرف کے بدلہ میں ستر ہزار حوریں عطا فرماتے گا۔ ہر حور کے لیے ستر ہزار بناؤ سنگار کرنے والیاں، ستر ہزار بناؤ سنگار کرنے والے، ستر ہزار غلام، ستر ہزار لونڈے، ستر ہزار داروغہ اور ستر ہزار دربان ہوں گے اور جو شخص بھی اس رات قل ہو اللہ احد پڑھے گا اس کے لیے ستر شہدا کا اجر لکھا جائے گا اور اس کی وہ تمام نمازیں قبول کی جائیں گی جو اس سے قبل پڑھی ہیں یا اس کے بعد پڑھیگا۔ اگر اس کے ماں باپ دوزخ میں ہوں گے اور یہ ان کے لیے دُعا کرے گا۔ اللہ تعالےٰ انھیں دوزخ سے نکال دے گا بشرطیکہ وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار کی تین بار شفاعت کرے گا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے اللہ تعالیٰ شب و روز کی ہر ساعت میں اور شب و روز میں چوبیس ساعتیں ہوتی ہیں اس کے پاس ستر ہزار فرشتے بھیجے گا۔ جو اسے سلام کریں گے، اس سے مصافحہ کریں گے اور اس کے لیے

صور پھنکنے تک دعا کرتے رہیں گے اور وہ قیامت کے روز معزز اور بہترین لوگوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم دے گا کہ میرے بندے کی کوئی برائی نہ لکھو۔ بلکہ ایک سال پورا ہونے تک اس کے لیے نیکیاں لکھتے رہو۔ جو شخص بھی یہ نماز پڑھے گا اور اس کا ارادہ نماز اور آخرت ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنے پاس سے اس رات کا حصہ لکھ دیں گے۔ موضوعات کبیر ج۔۲ ص۱۲۷

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا فیصلہ

اس روایت پر بحث کرنے اور امام ابن جوزی کا فیصلہ سننے سے بیشتر شیخ عبدالقادر جیلانی ۵۶۱ھ کا فیصلہ بھی دیکھ لیجئے۔ فرماتے ہیں۔

فاما الصلوٰۃ الواردۃ فی لیلۃ النصف من شعبان فھی مائۃ رکعۃ بالف مرۃ قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ فی کل رکعۃ عشر مرات وتسمی ھذہ الصلوٰۃ صلوٰۃ الخیر وتتفرق برکتھا وکان السلف الصالح یصلونھا جماعۃ یجتمعون لھا وفیھا فضل کثیر وثواب جزیل۔

وہ نماز جو نصف شعبان کی شب میں وارد ہے وہ سو رکعت نماز ہے جس میں ایک ہزار بار قل ھو اللہ احد پڑھی جائے گی۔ ہر رکعت میں دس مرتبہ اس نماز کو صلوٰۃ الخیر کہتے ہیں۔ اس کی برکات پھیلتی ہیں اور سلف صالح اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے اس کے لیے جمع ہوتے۔ اس میں بہت بڑی فضیلت اور بہت بڑا ثواب ہے۔

روی عن الحسن البصری انہ قال حدثنی ثلاثون من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من صلی ھذہ الصلوۃ فی ھذہ اللیلۃ نظر اللہ الیہ سبعین حاجۃ ادناھا المغفرۃ

حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا مجھ سے تیس سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بیان کیا کہ جو شخص اس رات میں یہ نماز پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی ستر حاجتیں قبول فرماتے گا۔ جس میں ادنیٰ حاجت مغفرت ہے

والمستحب ان تصلی ھذہ الصلوۃ وایضا فی الاربع عشرۃ لیلۃ اللتی یستحب احیاء ھا اللتی ذکرنا ھا فی فضائل ھذہ الفضیلۃ والمثوبۃ

غنیہ جلد نمبر ا صفحہ نمبر ا ۶۹۵

مستحب یہ ہے کہ یہ نماز بھی پڑھی جاتے اور ان چودہ راتوں میں بھی نماز پڑھی جاتے جن کی شب بیداری مستحب ہے اور جن کا ذکر ہم نے اس کی فضیلت و ثواب میں کیا ہے۔

محدثینِ کرام کے فیصلے

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں۔

ھذا حدیث لانشك انہ موضوع وجمھور رواتہ مجاھیل وفیھم ضعفاء بمرۃ والحدیث محال قطعا وقد رأینا کثیرا ممن یصلی ھذہ الصلوۃ ویتفق قصر اللیل فیفوتھم صلوۃ

الفجر ویصبحون کسالی وقد جعلها جہلة
ائمة المساجد مع صلوٰۃ الرغائب ونحوها من
الصلوٰۃ شبکة لجمع العوام وطلب الریاسة
التقدم وملأ بذکرها القصاص مجالسہم
وکل ذلک عن الحق بمعزل موضوعات کبیر ج۔۲ ص۱۲۹

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کے تمام رواۃ مجہول ہیں۔ اور چند ضعیف ہیں اور یہ حدیث محال قطعی ہے اور ہم نے اکثر یہ نماز پڑھنے والوں کو دیکھا ہے جو اس کی تعداد پوری کرنا چاہتے ہیں اور اتفاق سے رات چھوٹی ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے صبح کی نماز فوت ہو جاتی ہے اور صبح کو ان لوگوں پر سستی چھا جاتی ہے مساجد کے جاہل اماموں نے یہ نماز، صلوٰۃ الرغائب اور اس قسم کی دوسری نمازوں کو عوام کے پھانسنے کا ایک جال بنا رکھا ہے۔ اور اپنے اقتدار و ریاست کی خواہش اس قسم کی باتوں سے پوری کرتے ہیں۔ ان کی مجلسیں قصہ گو لوگوں سے بھری ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر شخص حق سے دور ہے۔

امام ابن الجوزی نے اس کے اکثر رواۃ کو مجہول اور ضعیف قرار دیا ہے ہم سب سے قبل ان راویوں کے حالات عرض کریں گے۔ اس کے بعد اس نماز کے بارے میں دیگر محدثین اور علماء کے فیصلے نقل کریں گے۔

اس کا اصل راوی علی بن الحسن بن علی بن یعمر الشوری ہے جو اسے امام سفیان ثوری سے روایت کر رہا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں اس کی حدیث لکھنا بھی جائز نہیں ہاں اگر تنقید مقصود ہو تو جائز ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ روایت باطل ہے۔ ذہبی فرماتے ہیں۔

ھذا الحدیث باطل وھو علی ھذا فی عداد المتروکین
میزان ج۔۳ ص۱۱۹

یہ حدیث باطل ہے اور علی بن الحسن کا متروکین میں شمار ہوتا ہے علی بن الحسن کے نیچے جتنے راوی ہیں سب مجہول ہیں اور سفیان ثوری ١٦١ھ کے استاد لیث بن ابی سلیم ١٤٨ھ بعض کے نزدیک ثقہ اور اکثر کے نزدیک ضعیف ہیں اور ان کی آخر عمر میں عقل جاتی رہی تھی۔

سب سے آخر راوی مجاہد بن جبر المکی ١٠٤ھ ہیں جو مشہور تابعی اور مفسر قرآن ہیں۔ لیکن انھیں حضرت علی یا کبار صحابہ سے سماع حاصل نہیں انھیں صغار صحابہ سے سماع حاصل ہے مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ وغیرہ

جلال الدین سیوطی ٩١١ھ نے اپنی "اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعۃ" میں اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ علامہ ابن عراق الکنانی نے اپنی "تنزیہ الشریعہ فی احادیث الموضوعہ" میں اسے موضوع قرار دیتے ہوئے اس کا واضع علیؓ بن حسن بن علی بن یعمر کو بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قال الامام الذهبی انه من وضع علی بن الحسن بن یعمر بن علی الشوری

"تنزیہ الشریعہ۔ ج۔ ٢ ص ٢٠

امام ذہبی فرماتے ہیں یہ علی بن الحسن بن علی بن یعمر الشوری کی وضع کردہ ہے۔

ملا علی قاری حنفی ١٠١٤ھ نے اپنی "موضوعات کبیر" میں امام ابن القیم جوزی ٧٩١ھ کا ایک مضمون نقل کیا ہے۔ جس میں ابن قیم نے موضوع روایات کا تذکرہ کیا ہے فرماتے ہیں۔

ومن ذلك احادیث لیلة النصف من شعبان
كحدیث یاعلی من صلی لیلة النصف من شعبان
مأئة ركعة بالف قل هوالله احد فقضی الله
كل حاجة طلبها تلك اللیلة وساق خرافات

کتیوۃ۔ موضوعات کبیر مترجمہ ص۱۴۱

ان موضوعات میں پندرھویں شعبان کی شب کی نمازیں ہیں جیسے یہ حدیث "اے علیؓ جس نے نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز پڑھی اور اس میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھی تو اللہ تعالیٰ ہر وہ حاجت پوری فرمائے گا جو اس رات طلب کرے گا پھر اس راوی نے بہت بکواس کی۔

اس کے بعد علامہ ابن القیم ۷۹۱ھ نے چند اور تمثیلات بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے۔

ومن شم رائحۃ العلم بالسنۃ ان یغتر بمثل ھذا الھذیان ویصلیہا وھذہ الصلوۃ وضعت فی الاسلام بعد الاربع مائۃ ونشأت من بیت المقدس فوضع لھا عدۃ احادیث۔

موضوعات کبیر مترجمہ ص۱۴۲

جس شخص کو علم سنت کی خوشبو بھی پہنچی ہوگی وہ اس قسم کی بکواس سے دھوکہ نہ کھائے گا اور نہ ہرگز یہ نماز پڑھے گا۔ اور یہ نماز اسلام میں چار سو سال بعد وضع کی گئی اور اس کی ابتدا بیت المقدس سے ہوئی اس کے لیے چند احادیث وضع کی گئیں۔

"حصن حصین" کے مصنف اور قراءت کے امام جزری رحمہ اللہ ۸۳۳ھ فرماتے ہیں۔

وکذا صلوۃ عاشوراء وصلوۃ الرغائب موضوع بالاتفاق وکذا البقیۃ صلوات لیالی رجب ولیلۃ السابع والعشرین من رجب ولیلۃ النصف من شعبان مائۃ رکعۃ فی کل رکعۃ عشر مرات

بالاخلاص ولا تغتر بذکرها فی قوت القلوب
واحیاء العلوم ولا بذکر الثعلبی فی تفسیرہ
وکذا فی شرح الاوراد — موضوعات کبیر ص۴۷

اسی طرح نماز عاشورا اور صلوۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں
اور اسی طرح رجب کی بقیہ راتوں کی نمازیں، اور ستائیس رجب
کی نماز اور نصف شعبان کی شب میں سو رکعت نماز اور ہر
رکعت میں دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنا یہ سب موضوع ہیں
"قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" میں جو ان کا تذکرہ ملتا ہے۔
اسی طرح ثعلبی نے جو اپنی "تفسیر" میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یا
"شرح الاوراد میں" جو یہ مذکور ہیں ان سے دھوکہ نہ کھانا۔

علامہ محمد طاہر بن علی الہندی ۹۸۶ھ اپنی "تذکرۃ الموضوعات" میں
رقمطراز ہیں۔

فی المختصر حدیث صلوٰۃ نصف شعبان باطل ۰۰۰۰۰
وفی اللآلی مائۃ رکعۃ فی نصف شعبان بالاخلاص
عشر مرات مع طول فضلہ للدیلمی وغیرہ موضوع
وجمہور رواتہ من الطرق الثلاثۃ مجاہیل وضعفاً
والحدیث محال۔ — تذکرۃ الموضوعات ص۴۵

مختصر میں ہے نصف شعبان کی نماز باطل ہے اور "اللآلی"
میں ہے کہ نصف شعبان میں سو رکعت نماز پڑھنا اور ہر
رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص پڑھنا اگرچہ دیلمی نے انھیں
روایت کیا ہے اور اگرچہ وہ صاحب علم وفضل بھی ہیں۔ لیکن
یہ سب روایات موضوع ہیں اور اس کی تینوں سندات کے
تمام رواۃ مجہول یا ضعیف ہیں اور یہ حدیث محال ہے۔

آگے فرماتے ہیں ۔

قال علی بن ابراهیم ومما احدث فی لیلة النصف الصلوة الالفية مائة رکعة بالاخلاص عشر مرات بالجماعة واهتموا بها اکثر من الجمع والاعیاد ولم یات بها خبر ولا اثر الاضعیف او موضوع ولا یغتر بهذه لها صاحب القوت والاحیاء وغیرهما ولا بذکر تفسیر الثعلبی انها لیلة القدر وکان العوام بهذه الصلوة افتتان عظیم حتی التزم بسببها کثرة الوقود وترتب علیه من الفسوق وانتهاك ما یغنی عن وصفه حتی خشی الاولیاء (ای العلماء) من الخسف وهربوا فیها الی البراری واول حدوث هذه الصلوة ببیت المقدس سنة ثمان واربعین واربع مائة ...... وقال ابن رحیة احادیث صلوة لیلة البراءة موضوعة رواحد مقطوعة ومن عمل بخبر صح انه کذب فهو من خدم الشیطان ۔

علی بن ابراہیم کہتے ہیں نصف شعبان کی شب میں جو بدعات ایجاد ہوئیں ان میں صلوۃ الالفیہ بھی ہے جس میں سو رکعات پڑھی جاتی ہیں ۔ ہر رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص ۔ یہ نماز جماعت سے ادا کی جاتی ہے اور اس کا اہتمام جمعہ اور عیدین سے بھی زیادہ کیا جاتا ہے اس نماز کے بارے میں نہ کوئی حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا قول (جتنی روایات سب ضعیف یا موضوع ہیں) "قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" کے مصنفین نے اور "ثعلبی" نے اپنی تفسیر میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ شب لیلۃ القدر ہے اس

سے دھوکا نہ کھانا۔ عوام اس نماز کے ذریعہ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی وجہ سے بہت سے فسق و فجور پیدا ہو گئے اور بہت سے محرماتِ شرعیہ کی ہتک ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ اس نماز کے باعث اولیاء کو یہ خوف پیدا ہو گیا کہ وہ زمین میں نہ دھنسا دیئے جائیں اور یہ لوگ اس رات میں دھنسائے جانے کے خوف سے جنگلات کو بھاگ جاتے ہیں۔ اس نماز کی بدعت بیت المقدس میں ۴۴۸ھ میں جاری ہوئی۔ ابن دحیہ کہتے ہیں۔ شب برات کی نماز کی احادیث سب موضوع ہیں اور ایک روایت منقطع ہے اور جو شخص کسی جھوٹی خبر (حدیث) کو سچ سمجھ کر اس پر عمل کرے وہ شیطان کے خادموں میں داخل ہے۔

قال علی بن ابراهیم وقد رایتا کثیرا ممن یصلی هذه الصلوة فی اللیلة القصیرة تفوتهم الفجر ویصبحون الکسالی۔ قال وقد جعلها ائمة المساجد مع صلوة الرغائب ونحوها شبکة لجمع العوام وطلب ریاسة التقدم وملأ بذکرها القصاص مجالسهم وکل عن الحق بمعزل ثم انه تعالیٰ ائمة الهدی فی سعی ابطال فتلاشی امرها الی ان صارت تصلی لعبا ولهوا وتکامل ابطالها فی البلاد فی المصریة فی اوائل السنی المائة الثامنة وقد ضعف ابن العربی حدیث عائشة فی صلوة النصف مطلقا وعتقاء النار بعدد شعر غنم کلب

تذکرة الموضوعات ص۴۵، ص۴۶

علی بن ابراہیم کہتے ہیں ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ چھوٹی رات میں یہ نماز پڑھتے ہیں اور ان کی صبح کی نماز فوت ہو جاتی

ہے اور تمام دن سست رہتے ہیں۔ ان نمازوں کو ائمہ مساجد نے صلوٰۃ الرغائب اور اسی قسم کی نمازوں کے ساتھ شامل کر کے عوام کو جمع کرتے ہیں اور انھوں نے اپنی بڑائی قائم کرنے کا ایک جال پھیلایا ہے قصہ گو لوگ اپنی مجلسوں میں اس قسم کی روایات بیان کرتے ہیں اور یہ سب حق سے دور ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ائمہ حق کو ان نمازوں کے بطلان کی توفیق عطا فرمائی۔ انھوں نے اس کی حقیقت تلاش کر کے بیان کی۔ حتیٰ کہ اب ان نمازوں کا مقام کھیل کود سے زیادہ نہ رہا۔ اور آٹھویں صدی کی ابتدا میں مصری شہروں میں اس نماز کو مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ ابن العربی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو جو مطلق نصف شعبان کے بارے میں ہے اور جس میں بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر آگ سے آزادی کا ذکر ہے ضعیف قرار دیا ہے۔

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے۔

قال الملا علی قاری فی المرقاۃ ان مائۃ رکعۃ فی نصف شعبان او الصلوٰۃ لم یات بہا خبر ولا اثر الا ضعیف او موضوع، تحفۃ الاحوذی ج ۲ صـ۵۳

ملا علی قاری مرقات میں لکھتے ہیں کہ نصف شعبان میں سو رکعت پڑھنا یا کسی قسم کی نماز پڑھنا اس سلسلہ میں نہ کوئی حدیث ہے اور نہ کوئی صحابی کا قول۔ جتنی روایات بھی ہیں سب ضعیف یا موضوع ہیں۔

علامہ عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ رقمطراز ہیں۔

و من ھذہ البدعات صلوٰۃ لیلۃ السابع والعشرین من رجب و منھا صلوٰۃ لیلۃ النصف من شعبان

الآثار المرفوعة فی احادیث الموضوعۃ ص ۱۰۸

ان بدعات میں سے ستائیس رجب کی شب میں نماز پڑھنا اور شعبان کی نصف شب میں نماز پڑھنا بھی ہے۔

ان فیصلوں کی روشنی میں شیخ عبدالقادر کے فیصلے پر غور کیجئے کہ وہ اس کے مدعی ہیں کہ اسلاف یہ نماز باجماعت ادا کرتے اور پھر حسن بصری کا بلا سند یہ قول کہ تیس صحابہ نے ان سے فرمایا کہ اس نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سترحاجتیں پوری فرماتا ہے۔ حالانکہ گذشتہ روایت کا واضع علی بن الحسن بن بعمر الشنوری ہے اور اس کی جماعت کے ساتھ ابتداء ۴۴۸ھ میں بیت المقدس میں ہوئی اور بعد میں اس کے لیے مختلف روایات وضع کر لی گئیں۔ اتفاق سے شیخ صاحب کی پیدائش ۴۷۱ھ ہے۔ یعنی یہ عمل ان کی پیدائش سے صرف بائیس سال قبل شروع ہوا لیکن انھوں نے اس کے نام بھی تجویز کر ڈالے اور صحابہ کرام کو بھی اس میں گھسیٹ لیا گیا۔ حالانکہ ان کے ہم عصر اور ہم مسلک امام ابن الجوزی اس قسم کی نمازوں کو باطل قرار دے رہے ہیں۔

۲۔ شیخ صاحب نے حضرت علیؓ اور حسن بصری کی روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ اس طرح یہ دونوں روایات بلا سند اور معلق ہوئیں۔ کیونکہ حضرت علی ۴۰ھ میں شہید ہوتے اور حسن بصری کا انتقال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ اور شیخ صاحب ۴۷۱ھ میں پیدا ہوتے اور ۴۸۸ھ میں تحصیل علم شروع فرماتی۔ اس طرح حضرت علیؓ اور شیخ صاحب کے درمیان چار سو چھیالیس سال کے رواۃ ہونے چاہئیں اس لحاظ سے شیخ صاحب اور حسن بصری کے درمیان تین سو چھتیس سال ہوتے۔ اور وہ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ اور جب ہم اُوپر سے یہ دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ ان کی بیان کردہ روایات کے اکثر رواۃ یا کذاب ہوتے ہیں یا مجہول تو اس صورت میں حضرت علیؓ اور حسن بصری کی جانب ان اقوال کی نسبت ایک صریح جھوٹ ہے یہ ہماری کوئی ذاتی

رائے نہیں۔ آپ مختلف علماء کے فیصلے اس نماز کے سلسلہ میں پڑھ چکے ہیں۔
اب شیخ صاحب کی تصنیفات کے بارے میں امام ابن کثیر کا فیصلہ سنیے۔

وقد صنف کتاب الغنیۃ وفتوح الغیب وفیھما
اشیاء حسنۃ وذکر فیھما احادیث ضعیفۃ و
موضوعۃ البدایہ والنہایہ ج۔ ۱۲ ص ۲۵۲

عبد القادر نے غنیہ اور فتوح الغیب تصنیف کی۔ ان میں اگرچہ
کچھ اچھی باتیں بھی ہیں۔ لیکن انھوں نے دونوں کتابوں میں ضعیف
اور موضوع احادیث ذکر کی ہیں۔

۳: شیخ صاحب نے اتفاق سے ایک فتویٰ بھی دیا ہے کہ یہ نماز جماعت سے
پڑھی جاتے، تو نوافل کا جماعت سے ادا کرنا (بجز تراویح کے) تمام ائمۂ فقہاء کے
نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور شیخ صاحب کے امام یعنی امام احمد بن حنبل کا بھی یہی
فتویٰ ہے۔ کیونکہ فقہاء نے قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ جو شے شریعت سے عموم کے
ساتھ ثابت ہو اس کے لیے کسی مخصوص کیفیت کا اہتمام کرنا بدعت وحرام ہے
مثلاً نماز تہجد شریعت سے ثابت ہے۔ اس کے لیے جماعت کا اہتمام کرنا تمام
ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے، مجدد الف ثانی ایک ایسے فرقہ کی تردید کرتے ہوتے
فرماتے ہیں۔

"نماز تہجد را بجماعت می گزارند از اطراف وجوانب دراں وقت
مردم از برائے نماز تہجد جمع می گردند، وبجمعیت تمام ادا می نمایند و
ایں عمل مکروہ است بکراہت تحریمہ! جمع از فقہاء کہ تداعی شرط
کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیۂ مسجد ساختہ
زیادہ از سہ کس را باتفاق مکروہ گفتہ اند" مکتوبات حصہ سوم ص ۱

یہ لوگ نماز تہجد جماعت سے پڑھتے اور تہجد کے وقت نماز تہجد
کے لیے لوگ مختلف اطراف وجوانب سے جمع ہوتے اور اسے

جماعت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ تحریمی ہے۔ فقہاء کی وُہ جماعت جو کراہت کے لیے بلانے کو شرط قرار دیتی ہے۔ وہ بھی نفل نماز کی جماعت کے لیے دو قیود لگاتی ہے۔ ایک تو مسجد کے علیحدہ گوشے ہیں اور جماعت میں تین افراد سے زیادہ موجود نہ ہوں اگر تین سے زیادہ ہیں تو بالاتفاق مکروہ تحریمی ہے۔"

دیکھئے وتر واجب ہیں اور رمضان میں ان کا جماعت سے ادا کرنا ثابت بھی ہے، لیکن رمضان کے علاوہ کسی اور مہینہ میں ان کا جماعت سے ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ کبیری شرح منیۃ المصلی میں ہے۔

لانہ لم ینقل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن احد من الصحابۃ فتکون بدعۃ مکروھۃ۔

کبیری ص۴۰۱

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے کسی سے یہ منقول نہیں تو یہ بدعت مکروہ ہو گی۔

حنفی فقہ کی مشہور کتاب "رد المحتار" میں ہے کہ صلوٰۃ الرغائب اور نصف شعبان کی نمازیں بالتحقیق صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے منقول نہیں۔ رد المحتار ص۱۲۱۔ امام نووی فرماتے ہیں یہ دونوں نمازیں بدعت مذمومہ اور منکرہ قبیح ہیں۔

جب صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین سے یہ نمازیں مروی نہیں تو وہ کون سے اسلاف تھے جو اس نماز کو جماعت سے ادا کیا کرتے تھے۔ ہم نے تو اس کے رد میں اتنے نام گنا دیتے ہیں۔ لیکن شیخ صاحب نے تو ایک شخص کے نام تک کا ذکر نہیں کیا۔ کہیں اسلاف سے مراد ہبۃ اللہ اور ابو نصر جیسے لوگ تو نہیں۔ کیونکہ ان نمازوں کی جماعت کے ساتھ ابتدا انھی لوگوں کے زمانہ میں ہوئی۔ لیکن اتفاق سے ہبۃ اللہ کو اگرچہ محدثین نے کذاب کہا ہے۔ لیکن اس پر یہ الزام قائم نہیں کیا کہ وہ یہ نمازیں پڑھتا ہے۔

صوفیاء کے بارے میں مجددِ الف ثانیؒ کا فیصلہ

مجدد الف ثانیؒ نے ان بزرگوں کے بارے میں صحیح فرمایا تھا۔

عمل صوفیاء در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ مامعذور داریم و ملامت نکنیم، و مر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم، اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابوحسن نوری۔

مکتوبات دفتر اول ص ۳۳۵، مکتوب ص ۲۶۶

"حلت و حرمت میں صوفیاء کا عمل سند نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ ہم انھیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ اور انھیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کر دیں، اس جگہ امام ابوحنیفہ امام ابویوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہوگا۔ نہ کہ ابوبکر شبلی اور ابوحسن نوری کا عمل۔"

مجدد صاحب کے اس فرمان سے ہمیں ایک حد تک اتفاق ہے۔ لیکن اگر صوفیاء دوسروں کی گمراہی کا سبب بن جائیں تو انھیں معذور سمجھنے کی کیا دلیل ہوگی۔

۴۔ شیخ صاحب نے حسن بصری کا جو قول نقل کیا ہے اس میں لفظ نظر اللہ الیہ غلط ہے بلکہ قضی اللہ لہٗ ہونا چاہیے تھا۔

۵: حسن کا یہ دعویٰ کہ مجھ سے تیس صحابہ نے یہ بات بیان کی تو ان کا یہ جملہ بھی مشکوک ہے۔ کیونکہ اگر اس روایت کی سند بھی ثابت ہو جائے۔ تب بھی حسن بصری کا یہ دعویٰ قابلِ قبول نہیں۔ کیونکہ حسن مدلس ہیں اور عام طور پر درمیان سے کمزور راوی حذف کر کے اس قول کو صحابہ کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں حدثنا ابوھریرۃ۔ حالانکہ ابوہریرہؓ کو انھوں نے زندگی میں ایک بار بھی نہ دیکھا۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

مرسلات حسن بصریؒ

اضعف المرسلات مرسلات الحسن

سب سے کمزور ترین مرسلات حسن بصری کی مرسلات ہیں۔

امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں فرماتے ہیں

إن الحسن لم يسمع من ابی هريرة ولا من جابر ولا من ابن عمر ولا من ابن عباس. معرفۃ علوم الحدیث صـ۱۱۱

حسن بصری نے ابوہریرہؓ، جابرؓ، ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

حالانکہ یہ صحابہ ایک عرصہ دراز تک حیات رہے۔ نیز یہی امام حاکم فرماتے ہیں۔

ان الحسن كثيرا ما كان يدخل بينه وبين الصحابة اقواما مجهولين وربما دلس عن مثل عتى بن ضمرة وحنيف بن المنتجب ودعفل بن حنظلة وامثالهم

معرفۃ علوم الحدیث صـ۱۰۹

حسن اکثر اپنے اور صحابہ کے درمیان مجہول لوگوں کو داخل کر دیتے ہیں اور بسا اوقات عتی بن ضمرۃ، حنیف بن المنتجب اور دعفل بن حنظلہ جیسے لوگوں کو درمیان سے گرا کر تدلیس کرتے ہیں۔

موضوع حدیث بیان کرنا حرام ہے

تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جھوٹی حدیث گھڑنا یا اسے بیان کرنا دونوں حرام ہیں۔ حتیٰ کہ بعض علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص جھوٹی روایت بیان کرنے کو حلال سمجھتا ہو وہ کافر ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار

مسلم ج۔۱ ص۸ ۔ ترمذی ج۔۲ ص۱۰۶

جس شخص نے مجھ پر عمداً جھوٹ بولا۔ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔

امام نووی اِس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

یحرم روایۃ الحدیث الموضوع علی من عرف کذبہ موضوعا او غلب علی ظنہ وضعہ فھو مندرج فی الوعید قال ولا فرق فی تحریم الکذب علیہ السلام بین ما کان فی الاحکام وما لا حکم فیہ کالترغیب والترھیب والوعظ وغیر ذلک من انواع الکلام فکلہ حرام من اکبر الکبائر واقبح القبائح باجماع المسلمین الذین یعتد بھم فی الاجماع الی ان قال وقد اجمع اھل الحل والعقد فکیف ممن قولہ شرع وکلامہ وحی والکذب علیہ ککذب علیہ تعالی قال عز وعلا وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔

مسلم ج۔۱ ص۸

حدیث موضوع کا اس شخص کے لیے روایت کرنا حرام ہے جو اس کے موضوع ہونے کو پہچانتا ہو یا اسے ظن غالب حاصل ہو تو وہ اس وعید میں داخل ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ احکام میں حضور پر جھوٹ بولنا حرام ہو اور غیر احکام میں جیسے ترغیب ترہیب اور وعظ وغیرہ میں جائز ہو تو ایسا نہیں۔ سب صورتیں حرام ہیں اور سب سے بڑا گناہ اور سب سے قبیح ترین امر ہے اور اس پر تمام ان مسلمانوں کا اجماع ہے جن کا اجتماع قابلِ

اعتماد ہے اور تمام اہل حل وعقد اس پر متفق ہیں۔ بھلا جس کا ہر قول شریعت اور جس کا کلام وحی ہو اس پر جھوٹ بولنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

آپ خواہش نفس سے کلام نہیں کرتے وہ تو وہ وحی ہوتی ہے جو آپ کی جانب کی جاتی ہے۔

یہ بھی آپ حضرات اوپر پڑھ چکے ہیں کہ روافض اور زنادقہ کی طرح صوفیاء بھی احادیث وضع کرنے میں پیش پیش تھے، اسی لیے محدثین کے نزدیک ان کی بیان کردہ احادیث ناقابل اعتبار ہیں اور جو صوفیاء احادیث وضع کرنے سے پرہیز کرتے وہ بھی اپنی لاعلمی اور غفلت کے باعث موضوع احادیث روایت کرتے تھے۔ کیونکہ وہ جو کچھ سنتے اسے بلاتحقیق بیان کر دیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع مسلم ج ۱ ص ۸

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔"

"یہی سبب ہے کہ محدثین "قوت القلوب" "احیاء العلوم" "غنیۃ" اور تصوف کی دیگر کتابوں میں مروی روایات کو ناقابل اعتبار سمجھتے ہیں اور کوئی حدیث اس وقت تک قابل قبول نہیں سمجھتے۔ جب تک وہ حدیث کی مشہور کتابوں میں سند صحیح کے ساتھ مروی نہ ہو اور ائمہ محدثین نے اس کی تصحیح نہ کی ہو۔ کیونکہ روافض زنادقہ اور قصہ گو صوفیاء نے لاتعداد احادیث وضع کی ہیں۔ عقیلی نے حماد بن زید المتوفی ۱۷۹ھ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

وضعت الزنادقۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اثنی عشر الف حدیث موضوعات کبیر ص ۷۲ ملا علی

زنادقہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بارہ ہزار احادیث وضع کیں۔

ابن عدی المتوفی ۳۶۵ھ نے اپنی کامل میں جعفر بن سلیمان سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خلیفہ مہدی کو یہ کہتے سنا کہ ایک زندیق نے اسکے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے چار سو روایات وضع کر کے لوگوں میں پھیلاتی ہیں (اتفاق سے یہ جعفر بھی اسی گروہ میں داخل ہے)

ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کا بیان ہے کہ ایک شخص خلیفہ ہارون الرشید المتوفی ۱۹۲ھ کے سامنے پیش ہوا۔ جس پر احادیث وضع کرنے کا الزام تھا۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا تو وہ بولا۔

یا امیر المؤمنین این انت عن اربعۃ الاف حدیث وضعتہا فیکم احرم فیہا الحلال واحل فیہا الحرام ما قال النبی علیہ السلام منہا حرفا۔

اے امیر المؤمنین آپ ان چار ہزار احادیث کا کیا کریں گے جو میں نے وضع کی ہیں۔ جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔

اس پر ہارون الرشید نے جواب دیا۔

این انت یا زندیق عن عبد اللہ بن المبارک وابن اسحاق الفزاری ینخلانہ فیخرجانہ حرفا حرفا

موضوعات کبیر ص۷۵ ملا علی۔

اے زندیق تو عبد اللہ بن المبارک ۱۸۱ھ اور ابن اسحاق الفزاری کو کیوں بھول گیا۔ وہ ان موضوعات کا ایک ایک حرف نکال باہر پھینک دیں گے۔"

عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے کہ یعلی بن عبد الرحمان الواسطی

نے اپنی موت کے وقت اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے حضرت علیؓ کی فضیلت میں ستر احادیث وضع کی ہیں۔

قرآن کی ہر ہر سورت اور ہر ایک آیت کی فضیلت میں ابن عباسؓ سے جتنی روایات مروی ہیں وہ سب نوح بن ابی مریم صوفی نے وضع کیں اور اس نے خود اس کا اقرار کیا۔

اسی طرح ابن عباسؓ کی وہ تفسیر جو ان سے ابو صالح کے ذریعہ مروی ہے سب کلبی کی وضع کردہ ہے جو آج تفسیر ابن عباسؓ کے نام سے مشہور ہے ایسی صورت میں احادیث کے لیے کتنی احتیاط اور کتنی تحقیق کی ضرورت ہوگی۔

قارئین کرام اس کا خود اندازہ فرمالیں نہ کہ جو منہ میں آیا اسے حضورؐ کی جانب منسوب کر دیا جائے۔ تبلیغی جماعت کے ایک ایسے عالم نے کہ جو ایک عربی مدرسہ میں ایک مدت دراز تک درس دیتے رہے اور اب بھی ایک دوسرے مدرسہ میں اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا تھا حدیث موضوع اور جھوٹی کیوں نہ ہو، جب اس کی حضورؐ سے نسبت ہو گئی تو وہ بھی ہمیں محبوب ہے۔ ان حضرت نے یہ نہ سوچا کہ حضورؐ کی جانب اس کی نسبت کرنا جہنم کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی طرح میں نے متعدد تصوف زدہ علماء کو یہ کہتے سنا کہ جب ان سلسلوں کی حضورؐ کی جانب نسبت ہو گئی (خواہ وہ غلط ہوں) تو ہمارا بھی حضورؐ سے روحانی تعلق پیدا ہو گیا۔

تعجب ہے کہ جو سلسلے اور سندات صحت کے ساتھ ثابت ہیں ان کے ذریعہ تو روحانی تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن جھوٹے سلسلوں اور جھوٹی نسبتوں سے یہ تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ ضرور پیدا ہوتا ہوگا لیکن حضورؐ سے نہیں بلکہ شیاطین سے۔

جوزقانی کی روایت

انبانا ابراھیم بن محمد الاوزجی انبانا الحسین بن

ابراهیم انبانا ابو الحسین علی بن محمد بن حسین الکوجی نا ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن محمد الخطیب انبانا الحاکم ابو القاسم عبد اللہ بن علی بن احمد الحسکانی حدثنی ابو القاسم عبد الخالق بن علی المؤذن حدثنا ابو جعفر محمد بن بسطام القومسی نا ابو جعفر احمد بن محمد بن جابر نا احمد بن عبد الکریم نا خالد الحمصی عن عثمان بن ابی سعید بن کثیر عن محمد بن المہاجر عن الحکم بن عتیبۃ عن ابراهیم قال قال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ النصف من شعبان قام فصلی اربع عشرۃ رکعۃ ثم جلس بعد الفراغ فقرأ بام القرآن اربع عشرۃ مرۃ و قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اربع عشرۃ مرۃ وقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اربع عشرۃ مرۃ وآیۃ الکرسی مرۃ ولقد جاء کم رسول الآیۃ فلما فرغ من صلاتہ سالتہ عما رایتہ من صنعہ فقال من صنع مثل الذی رایت کان لہ کعشرین حجۃ مبرورۃ وکصیام عشرین سنۃ مقبولۃ فان اصبح فی ذلک الیوم صائما کان کصیام سنتین سنۃ ماضیۃ وسنۃ مستقبلۃ۔

ہم سے ابراہیم بن محمد الازجی نے بیان کیا، ان سے حسین بن ابراہیم نے، ان سے ابوالحسین علی بن محمد بن حسین الکرجی نے ان سے ابوعبداللہ الحسین بن علی بن محمد الخطیب نے، ان سے

حاکم ابوالقاسم عبداللہ بن احمد الحسکانی نے! ان سے ابوالقاسم عبدالخالق بن علی المؤذن نے، ان سے ابوجعفر محمد بن بسطام القومسی نے، ان سے ابوجعفر احمد بن محمد بن جابر نے، ان سے احمد بن عبدالکریم نے ان سے خالد الحمصی نے وہ عثمان بن ابی سعید بن کثیر سے روایت کرتے ہیں وہ محمد بن مہاجر سے وہ حکم بن عتبہ سے وہ ابراہیم سے، ابراہیم کہتے ہیں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصف شعبان کی شب میں دیکھا۔ آپ کھڑے ہوتے اور چودہ رکعت نماز پڑھی۔ پھر نماز سے فراغت پا کر آپ بیٹھ گئے اور چودہ بار سورۂ فاتحہ، چودہ بار قل ھو اللہ، چودہ بار قل اعوذ برب الفلق، چودہ بار قل اعوذ برب الناس اور ایک بار آیۃ الکرسی تلاوت فرمائی۔ پھر ایک بار یہ آیت تلاوت کی۔ ولقد جاءکم رسول آخر آیت تک۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے۔ میں نے آپ کو جو کچھ کرتے دیکھا تھا اس کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے اس طرح عمل کیا جس طرح تو نے مجھے کرتے دیکھا ہے۔ اسے بیس مقبول حج اور بیس سال کے مقبول روزوں کا ثواب ملے گا اور جو شخص اس روز صبح کو روزہ رکھے گا وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے ساٹھ سال قبل اور ساٹھ سال آئندہ کے روزے رکھے ہوں۔

امام ابن الجوزی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

ھذا موضوع ایضا واسنادہ مظلم وکان واضعہ یکتب من الاسماء ما وقع لہ ویذکر قوما مایعرفون وفی الاسناد محمد بن مہاجر قال ابن حنبل یضع الحدیث

وقد رویت صلوات اخر موضوعۃ فلم ارالتطویل بذکرہ

الا لخفی بطلانہ۔ موضوعات ابن جوزی ج ۲ ص ۱۳۰

یہ حدیث موضوع ہے اوراس کی سند تاریک ہے اس کا وضع کرنیوالا جو بھی نام خیال میں آتا گیا ہے وہ لکھتا چلا گیا ہے اور ایک ایسی جماعت کے اس نے نام لیے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا اوراس کی سند میں محمد بن مہاجر بھی ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں [redacted] احادیث وضع کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں اور بھی موضوعات مروی ہیں۔ میں نے طوالت کے خوف سے انھیں نظر انداز کردیا ہے۔ اور صرف ان روایات کا ذکر کیا جن کا بطلان ظاہر نہ تھا۔

حافظ ابن عراق الکنانی اپنی "التنزیہ الشریعۃ فی احادیث الشنیعۃ الموضوعۃ" میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

واسنادہ مظلمۃ وفیہ محمد بن مہاجر تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۹۳

اس کی سند تاریک ہے اوراس میں محمد بن مہاجر ہے۔

امام بیہقی شعب الایمان میں اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔

یشبہ ان یکون موضوعاً تنزیہ ج ۲ ص ۹۳

یہ موضوع ہونے کے لائق ہے

امام ذہبی محمد بن مہاجر کے حال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن مہاجر شیخ متاخر وضاع ھوالطالقانی

یعرف باخی حنیف یروی عن ابی معاویۃ وغیرہ کذبہ

صالح جزرۃ وغیرہ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۳۹

محمد بن مہاجر متاخرین میں سے وضاع الحدیث ہے یہ محمد بن مہاجر طالقانی ہے جو حنیف کے بھائی کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ ابومعاویہ وغیرہ سے روایت کرتا ہے۔ صالح جزرہ وغیرہ نے اسے

کذاب کہا ہے۔

ابن حبان المتوفی ۳۵۴ھ اور ابو الفضل المقدسی المتوفی ۵۰۷ھ فرماتے ہیں کہ وہ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔ اس روایت میں محمد بن مہاجر کے علاوہ بقیہ تمام رواۃ مجہول ہیں

نیز کوئی ابراہیم نامی ایسا شخص نہیں ہے جس نے حضرت علیؓ سے روایات سنی ہوں اور ابراہیم لاتعداد ہیں۔ جب تک اس کا اتا پتا معلوم نہ ہو اسے کیسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک روزہ اور ایک نماز سے زندگی بھر کے روزوں سے چھٹکارا مل گیا۔ پاکستانیوں کو تو بغلیں بجانی چاہئیں۔ دین اسلام میں ایسا سستا سودا نہیں پایا جاتا۔ ہاں دین صوفیاء میں پایا جاتا ہو تو جداگانہ بات ہے

باقرؒ ۱۱۰ھ کی روایت

انبانا محمد بن ناصر انبانا ابو علی بن البناء انبانا ابو عبد اللہ الحسین بن عمر العلاف نا ابو القاسم الشامی نا علی بن بندار البودعی نا ابو یوسف یعقوب بن عبد الرحمن نا محمد بن عبید اللہ قال سمعت ابی یقول نا علی بن عاصم عن عمرو بن مقدام عن جعفر بن محمد عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ لیلۃ النصف من شعبان الف مرۃ قل ھو اللہ احد عشر مرات لم یمت حتی یبعث اللہ الیہ مائۃ ملک ثلاثون یبشرونہ بالجنۃ وثلاثون یؤمنونہ من النار وثلاثون یقومونہ ان یخطئ وعشرۃ املاک یکتبون اعداءہ

موضوعات ابن الجوزی ج ۲ ص ۱۲۸

ہم سے محمد بن ناصر نے بیان کیا۔ ان سے ابو علی بن البناء نے
ان سے ابو عبداللہ الحسین بن عمر العلاف نے ان سے ابو القاسم
الغامی نے ان سے علی بن بندار البروعی نے۔ ان سے ابو یوسف
یعقوب بن عبدالرحمان نے، ان سے محمد بن عبید اللہ نے۔ اُس
سے اس کے باپ نے اس سے علی بن عاصم نے وہ عمرو بن مقدام
سے روایت کرتا ہے۔ وہ جعفر بن محمد سے وہ اپنے والد سے یعنی باقر
سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے نصف
شعبان کی شب میں ایک ہزار دس بار قل ہو اللہ احد پڑھی۔ وہ
اس وقت تک نہ مریگا جب تک اللہ تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے
نہ بھیجے۔ تیس تو اسے جنت کی بشارت دیں گے، تیس اسے جہنم
سے امن دیں گے، تیس اسے خطاؤں سے بچائیں گے اور دس
اس کے دشمنوں کو لکھیں گے۔

ابن الجوزی اس روایت کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

هذا حديث لا نشك انه موضوع وجمهور رواته
مجاهيل وفيهم ضعفاء

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں اور اس کے تمام
راوی مجہول اور ضعیف ہیں۔

اس کے تمام رواۃ مجہول ہونے کے علاوہ یہ روایت باقر پر ختم ہو جاتی
ہے اور آگے کی سند غائب ہے۔ کیونکہ باقر یا زین العابدین تو کجا حضرت حسینؓ
نے بھی حضورؐ سے کوئی روایت نہیں سنی۔

نیز جعفر بن محمد ۱۴۸ھ یعنی جعفر صادق کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام
مالک ۱۷۹ھ اور امام بخاری ۲۵۶ھ نے ان سے روایت نہیں لی اور یحییٰ بن سعید
القطان ۱۹۸ھ نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے (میزان ج ۱ ص ۱۹۲) اور جب

یہ روایت منقطع ہوئی تو کیسے قابلِ قبول ہو گی۔

جعفر سے روایت کرنے والا عمرو بن مقدام نام کا اسماء الرجال میں کوئی فرد بشر نہیں پایا جاتا۔ اور عمرو بن مقدام سے نقل کرنے والا علی بن عاصم ۲۰۱ھ ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔

یخطئ ویصر ورمی بالتشیع — تقریب ص۲۴۷

خطا کرتا ہے اور پھر اس پر اصرار بھی کرتا ہے اور اس پر تشیع کا الزام ہے۔

امام ذہبی میزان میں لکھتے ہیں۔ یزید بن ہارون ۲۰۶ھ فرماتے ہیں۔

ما زلنا نعرفه بالكذب وقال ابن معين ليس بشيئ و قال النسائي متروك الحديث وقال البخاري ليس بالقوي عندهم يتكلمون فيه — میزان ج ۳ ص۱۳۶

ہم ہمیشہ اسے جھوٹا سمجھتے رہے ہیں۔ یحیٰی بن معین کہتے ہیں وہ کچھ نہیں۔ نسائی کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ بخاری کہتے ہیں وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں۔ انھوں نے اُس میں کلام کیا ہے۔

فرضی نمازوں کی معنوی حیثیت

اب ان فرضی نمازوں کی معنوی حیثیت پر غور فرمائیے

۱۔ شب برات میں سو رکعت نفل ادا کرنے سے بدبخت انسان سعادتمند ہو جاتا ہے۔ حالانکہ سعادت عمل صالح پر موقوف ہے اور اس کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مرنے دم تک عمل صالح پر قائم رہے اور اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے۔ یعنی عمل صالح سے ایک ظن غالب تو ضرور پیدا ہوتا ہے لیکن اسے یقینی ذریعہ تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کسی گناہ کی پاداش میں اسے رد فرما دیں یا اس میں دنیا ہی مطلوب ہو تو ایسی صورت میں ایک رات کے نوافل سے ہمیشہ کی سعادت کیسے حاصل ہو گی۔

۱۲۔ اس نماز کو ادا کرنے والے کے لیے ستر ہزار فرشتے نیکیاں لکھتے رہتے برائیاں مٹاتے رہتے اور درجات بلند کرتے رہتے ہیں اور آئندہ شب برات تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص پورے سال بھی گناہ کرتا رہے کاتب بھی اس کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ ستر ہزار فرشتے اس کی برائیاں مٹانے میں مصروف رہتے ہیں۔ حالانکہ انسان دن بھر میں زیادہ سے زیادہ جتنی بھی برائیاں کر سکتا ہے اگر وہ دل کھول کر کرے تو اس کے مٹانے کے لیے ایک فرشتہ بھی کافی ہے۔ دراصل اس قسم کی روایات اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ حالانکہ برائیاں مٹانا اور درجات بلند کرنا فرشتوں کا فعل نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ فرشتوں کا کام تو صرف اتنا ہے کہ انسان جو فعل انجام دے یا جو الفاظ زبان سے نکالے اُسے تحریر کریں ارشاد ربانی ہے۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ ق

انسان جو لفظ بھی زبان سے نکالتا ہے تو اس کے پاس ایک سخت نگہبان ہوتا ہے۔

اور ارشاد ہے۔

كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝ مطففین

معزز کاتبین وہ تمام باتیں جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

۱۳۔ اعمال لکھنے والے فرشتے صرف دو ہوتے ہیں نہ کہ ستر ہزار

۱۴۔ ہم جب موضوعات پر غور کرتے ہیں تو بکثرت روایات میں ستر کا عدد نظر آتا ہے کہیں صرف ستر ہوتا ہے، کہیں ستر ہزار اور کہیں ستر لاکھ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے واضعین کسی مخصوص طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سب کے تخیلات ایک ہیں۔ یا تو یہ اول درجہ کے زندیق ہیں جن کا مقصد اسلام کی بیخ کنی ہے یا اول درجہ کے جاہل اور احمق ہیں اور ممکن ہے کہ دونوں ہی

صورتیں پائی جاتی ہوں۔

۱۵۔ ہم جب اس پر غور کرتے ہیں کہ فرائض کا درجہ نوافل سے بڑھ کر ہے لیکن کسی فرض کے بارے میں حضورؐ نے اس قسم کا کوئی ارشاد نہیں فرمایا تو نوافل پر اتنا اجر کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ تو اس لحاظ سے یہ تمام لغویات خود بخود باطل ہو جاتی ہیں۔

۱۶۔ نوافل میں سب سے اعلیٰ مقام شب قدر کی نوافل، رمضان کی تراویح اور تہجد کی نماز کا ہے۔ لیکن ان نمازوں میں سے کسی نماز کے بارے میں حضورؐ نے اس قسم کی کوئی بات نہیں فرمائی۔ بلکہ رمضان اور لیلۃ القدر کی عبادت کے سلسلے میں صرف اتنی بات فرمائی۔

من قام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔ مسلم ج۔ ا صفحہ ۲۵۹، بخاری ج۔ ا صفحہ ۲۶۹ نسائی ج۔ ا صفحہ ۲۲۱ ابوداؤد ج۔ ا صفحہ ۲۰۱

جس نے بھی رمضان میں ایمان لاتے ہوتے اور ثواب کی غرض سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا۔

من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ نسائی ج۔ ا صفحہ ۲۳۲، مسلم ج۔ ا صفحہ ۲۵۹ بخاری ج۔ ا صفحہ ۲۷، ابوداؤد ج۔ ا صفحہ ۲۰۱

جس نے لیلۃ القدر میں ایمان لاتے ہوتے اور ثواب کی غرض سے قیام کیا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

سوچیئے اور غور کیجئے کہ جس شب کی فضیلت قرآن نے بھی بیان کی حضورؐ نے اس کی فضیلت میں صرف چند جملوں پر اکتفا فرمایا۔ لیکن جس رات کا کوئی ثبوت ہی نہیں اس کے لیے کیا کیا خرافات وضع کی گئیں۔ ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان تمام امور سے غرض لیلۃ القدر کی عظمت گھٹانا اور لوگوں سے رمضان کی عبادت ترک

کرانا مقصود ہے۔ کیونکہ ان وضعی فضائل کی رُو سے شب برات کا مقام لیلۃ القدر سے لاکھوں گنا بڑھ جاتا ہے اور ایک اعلیٰ شے کو چھوڑ کر ادنیٰ شے کو اختیار کرنا ایک انتہائی احمقانہ فعل ہے۔

۷:۔ ہماری موجودہ سیاست کا ایک اصول ہے کہ جھوٹ اس حد تک بولو کہ لوگ اسے حقیقت سمجھ لیں۔ غالباً یہ اصول صوفیا کی انہی کہانیوں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل سیاست کے پیشوا اصل یہی لوگ ہیں۔ الفضل للمتقدم۔

۸:۔ اگر کوئی فرض ترک ہو جاتے تو اس کا گناہ بندے کے ذمّہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ تاوقتیکہ اس فرض کو ادا نہ کر لے کجا کہ فرضی نفلوں سے تمام سال نیکیاں لکھی جانا اور گناہ مٹاتے جانا یہ خلاف عقل ونقل ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمّہ کچھ فرض روزے باقی تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ اگر اس کے ذمہ کچھ قرض ہوتا تو کیا تو اُسے ادا نہ کرتا۔ اس نے عرض کیا ضرور ادا کرتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

فدین اللہ احق ان یقضیٰ بخاری ج ۱ ص ۲۶۲،
مسلم ج ۱ ص ۳۶۲

اللہ کا قرض اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے ادا کیا جائے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ حقوق العباد قطعاً معاف نہیں ہوتے اور نہ فرائض الٰہی معاف ہو سکتے ہیں۔ بلکہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کے وارث اسے ادا کریں گے، خواہ روزہ رکھ کر یا ابوحنیفہ کے نزدیک فدیہ دے کر وہ ستر ہزار فرشتے جو برائیاں مٹانے پر مامور کئے گئے تھے یا وہ ستر ہزار فرشتے جو نیکیاں لکھنے پر متعین تھے کہاں چلے گئے تھے جو حضورؐ نے اس کا ذکر نہیں کیا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ تھا۔ عیاذاً باللہ ہر دو صورت میں

یہ تمام کہانیاں باطل قرار پاتی ہیں۔ دراصل اس قسم کی تمام روایات بے دینی پھیلانے کے لیے وضع کی گئی ہیں۔

۹:۔ حافظ بیچارہ سالہا سال تک محنت کر کے قرآن حفظ کرتا ہے تو اس کے لیے ارشاد رسول ہے۔

من قرأ القرآن فاستظھرہ فاحل حلالہ وحرم حرامہ ادخلہ اللہ بہ الجنۃ وشفعہ فی عشرۃ من اھل بیتہ کلھم قد وجبت لہ النار ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴

جس نے قرآن پڑھا اور اس پر غور کیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام گردانا۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہو گی۔

اس غریب بے چارہ کو اتنی محنت شاقہ کے بعد صرف دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت دی جاتی ہے اور وہ بھی اس شرط سے کہ قرآن کے مفہوم اور معانی کو سمجھ کر اس پر عامل بھی ہو اس کے حلال کردہ امور کو حلال ماننے اور اس کے حرام کردہ امور کو حرام مانے۔ نہ زندگی میں کسی حرام کا ارتکاب کیا ہو اور نہ کسی حلال شے کو اپنی طبیعت سے اپنے اوپر حرام کیا ہو۔ تب اسے دس آدمیوں کی شفاعت کی اجازت ہو گی۔ لیکن وہ شخص جو شب برات میں سو رکعت نفلیں پڑھے خواہ وہ تمام زندگی دل کھول کر گناہ کرتا رہے تو اس کا مقام تو فہم و ادراک سے بھی بالاتر ہے۔ بلکہ اس کے ماں باپ کو بھی یہ حق دیا جائیگا کہ وہ تین بار ستر ستر ہزار انسانوں کی شفاعت کر سکتے ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک دو لاکھ دس ہزار انسانوں کی۔ گویا کہ مجموعی تعداد چار لاکھ بیس ہزار ہو گی اور ان کی شفاعت بھی قبول ہو گی۔ اس لحاظ سے ہمیشہ یہ نماز پڑھنے والا غالباً پوری نسل انسانی کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

کیونکہ جب سال بھر تک اس کی کوئی برائی نہیں لکھی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس اس کی نیکیاں لکھی جاتی رہیں اور درجات بلند ہوتے رہے اور بلا محنت مزدوری ملتی رہی۔ گویا یہ ایک رشوت تھی جسے ادا کرکے پورے سال کا ٹیکس جو عبادت کی صورت میں اس پر عائد تھا معاف کرا لیا گیا۔ حتی کہ کراماً کاتبین کو بھی اس کی بدعملی لکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ کیا خوب اللہ کا انصاف ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ

اللہ تعالیٰ ایک ذرّہ کے برابر بھی ظلم نہیں فرماتا۔

اگر اسی کا نام انصاف ہے تو پھر ظلم کی تعریف کیا ہوگی۔ اس کا فیصلہ خود قارئین فرمالیں۔ ہمارے نزدیک تو اللہ تعالیٰ ظلم سے منزہ ہے اور ظالم وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ط اعراف

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ نحل

اپنی زبان سے تم جو یہ باتیں کہتے ہو کہ فلاں شے حلال ہے اور فلاں حرام اور اس طرح اللہ پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہو۔ وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

۹:۔ ان روایات سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی کہ بیچارے فرشتے معماری کی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔ وہی جنت کے محل تیار کرتے ہیں تو عرض یہ ہے کہ مالی گیری اور مزدوری کی خدمات کون انجام دیتا ہے؟ اینٹیں کون بناتا ہے اور انھیں ڈھو کر کون لاتا ہے؟ پوری بات واضح ہونی چاہیئے تھی۔ یا ان بیانین کو اس کا علم نہ تھا۔ لیکن انھیں شاید یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان تمام احتیاجات

سے منزہ ہے اس کے ہاں نہ کوئی معمار ہے نہ کاریگر۔ وہاں تو صرف ایک حکم کی دیر ہے۔

اِذَا قَضٰٓی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ۝ بقرۃ

وہ جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

۱۰۔ قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جنت کے محل فرشتوں کی تعمیر کا نتیجہ نہیں ہوتے اور نہ وہاں کے درخت کسی باغبان کی کاریگری کا ثمرہ ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ سب انسان کی کاریگری اور ہنر مندی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ انھیں انسان اپنے ہاتھوں تیار کرتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جنت کی زمین بنجر ہے (نہ اس میں کوئی پودا ہے نہ کوئی محل)

وَغِرَاسُهَا سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَلَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکۡبَرُ ۔ ترمذی ج۔۲۔ ص۲۰۶

اس کے پودے سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر ہیں۔

جب ان تسبیحات سے جو ایک نفلی کام ہے جنت میں پودے اُگ آتے ہیں اس سے اندازہ فرمائیے کہ فرائض کے ذریعہ لازمًا محلات تیار ہوتے ہوں گے۔ اعمال صالحہ میں سے کچھ اعمال زیب و زینت کا ذریعہ ہوں گے۔ یعنی یہی اعمال ہیں جو ایک تمثیلی صورت اختیار کر لیں گے۔ اگر اعمال نہیں تو جنت کی زمین بنجر ہے۔ نہ اس میں حوریں ہیں، نہ غلمان، نہ نہریں ہیں، نہ باغات، نہ محلات ہیں اور نہ شراب طہور۔

۱۱۔ "صحیح بخاری" میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو جہاد کے برابر ہو (یعنی میں جہاد میں شرکت کئے بغیر اس کا اجر حاصل کر سکوں) آپ نے فرمایا۔

ھل تستطیع اذا خرج المجاھد ان تدخل مسجدک

فتقوم ولا تفتر وتصوم ولا تفطر قال ومن یستطیع
ذٰلک ۔ بخاری ج ۱ ص ۳۹۱، مسلم ج ۲ ص ۱۳۴

کیا تو اس کی طاقت رکھتا ہے کہ جب مجاہد گھر سے نکلے تو تو اپنے مصلّے پر پہنچ کر نماز کے لیے قیام کرے اور روزہ رکھ لے اور جب تک مجاہد واپس نہ آجائے اس وقت تک نہ نماز کا سلام پھیرے اور نہ روزہ افطار کرے۔

دُنیا جانتی ہے کہ شہادت کا درجہ جہاد سے بلند تر ہے بلکہ جہاد تو شہادت کا ایک ذریعہ ہے اور حضورؐ فرماتے ہیں۔ ایسا کوئی عمل نہیں جو جہاد کے مساوی ہو سکے۔ اگر جہاد کے مساوی کوئی عمل ہو سکتا ہے تو وہ عمل صرف ایک ہے کہ جس وقت مجاہد جہاد کے لیے نکلے اور جب تک واپس نہ آئے۔ خواہ پچاس سال کیوں نہ گزر جائیں۔ اس وقت سے ایک انسان روزہ رکھ کر نماز کی نیت باندھ لے اور جب تک مجاہد واپس نہ آجائے اس وقت تک نہ تو نماز کی نیت توڑے اور اور نہ روزہ افطار کرے۔ تو ایسا شخص تو جہاد کا ثواب حاصل کر سکتا ہے اور جس طرح یہ عمل محال ہے اسی طرح جہاد کیے بغیر جہاد کا ثواب حاصل کرنا بھی محال ہے۔

حضورؐ کے اس فرمان پر غور کیجیے اور سوچیے کہ ایک فرضی شب میں ایک فرضی نماز ادا کرنے سے سو شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔ گویا اگر اس نے دو رکعت بھی پڑھ لیں تو ایک شہید کا اجر اُس نے حاصل کر لیا۔ قربان جائیے ان صوفیا پر کہ جہاد سے فرار کا کیا بہترین طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ بھی سوچیے کہ ابتدائی دور میں مسلمانوں کی تمام شان و شوکت اور ان کا رعب و دبدبہ اسی جہاد کا رہینِ منت تھا اور اُسی جہاد کی اس فرضی نماز کے ذریعہ جڑ کاٹی جا رہی ہے۔ آپ حضرات یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ یہ نماز یں جیسا کہ محدثین نے بیان کیا ہے ۴۸۰ھ میں بیت المقدس میں وضع کی گئیں اور ۴۹۰ھ میں بیت المقدس پر عیسائیوں

نے قبضہ کر لیا یہ ان کا آخری قبضہ تھا اور نہ اس صلیبی جنگ کی ابتدا اس سے پیشتر ہو چکی تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ نمازیں عیسائیوں کی سازش سے تیار کی گئی ہوں اسی لیے لوگوں کو نماز اور چلہ کشی کا درس دے کر اپنی فتوحات کا دروازہ کھولا گیا ہو

یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں عیسائیوں کی سازش کو دخل نہ ہو بلکہ یہ ایک ایرانی سازش ہو اور یہ اسی سازش کا ایک ذریعہ ہو جو ابن سبا، ابو مسلم خراسانی اور برامکہ کے ذریعہ ظہور میں آئی اور برابر اندرون خانہ پھیلتی رہی جس کے نتیجہ میں مصر میں خلافت بنی فاطمہ قائم ہوئی اور جب ۵۷۰ھ میں عماد الدین زنگی نے عیسائیوں پر حملہ کیا اور صلاح الدین جو اس وقت مصر میں موجود تھا اس کو لکھا کہ مصر سے فوج لے کر تم دشمن کی پس پشت سے حملہ آور ہو تو عین اس وقت جب صلاح الدین نے کوچ کا ارادہ کیا تو فاطمیوں نے بغاوت کر دی اور عیسائیوں سے ساز باز کر لی جس کے نتیجہ میں صلاح الدین نے فاطمی خلافت کو ختم کیا اور پھر ۵۸۰ھ میں بیت المقدس فتح کیا۔

یہ وہی سازش ہے جو حضرت عثمان غنی کے خلاف کی گئی تھی اور اسی سازش کے ذریعہ ہزار ہا روایات وضع کر کے مسلمانوں کو جہاد سے متنفر اور دین سے بیزار بنایا گیا۔ جس کے نتیجہ میں چلہ کشی، خرقہ پوشی اور مجاورت وجود میں آئی جیسے بیعت اور شجرات کے ذریعہ فاطمی حکومت، خلافت بنی عبید اور قرامطیوں کی حکومت عمل میں آئی۔ یہ تمام امور عجمی سازش کا نتیجہ ہیں اور آج تک امت مسلمہ کو اس سے چھٹکارا نہیں ملا۔ بلکہ اب تو علماء بھی اس سازش کا شکار ہو چکے ہیں

۲اہ۔ یہ اجر تو سو رکعت پر ہے اور اگر کوئی چودہ رکعت نماز پڑھے تو اسے بیس مقبول حج اور بیس سال کے روزوں کا اجر مل جائے گا اور اگر اتفاق سے پندرہ شعبان کا روزہ بھی رکھ لیا تو اسے ایک سو بیس سال کے روزوں کا ثواب ملیگا کیا سستا سودا ہے کہ ایک روزہ رکھ لیا اور زندگی بھر کے لیے نجات مل گئی۔ ایک نماز پڑھ لی حج کا اجر بھی حاصل ہو گیا شہادت بھی مل گئی نہ تکلیف اٹھائی

پڑی نہ پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ گھر بیٹھے بیٹھے ہر شے کا پروانہ مل گیا۔

۱۳:۔ باقرؒ کی روایت میں ہے کہ تیس فرشتے اسے خطاؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے مامور کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ خطا و نسیان سے تو انبیاء بھی معصوم نہیں ہوتے حضرت آدمؑ سے بھی خطا ہوئی، حضرت یونسؑ سے بھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد خطائیں تو قرآن میں مذکور ہیں۔ ہاں انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ شیعوں کے نزدیک چونکہ انکے امام معصوم عن الخطا ہوتے ہیں تو ممکن ہے کہ ان کے طریقۂ کار پر چلنے والا بھی معصوم ہو۔

۱۴:۔ باقرؒ کی روایت میں ہے کہ جو شب برات میں ایک ہزار قل ہو اللہ پڑھے تو مرنے سے قبل تیس فرشتے آکر اسے جنت کی بشارت دیتے ہیں اور تیس اسے دوزخ سے امن دیتے ہیں۔ ہمیں تو اس کا قطعاً علم نہیں۔ ہاں آئندہ مرتے ہوتے کسی شب براتیئے سے ضرور پوچھیں گے کہ اب تجھے کتنے فرشتے نظر آرہے ہیں۔

۱۵:۔ جب گرمیوں میں رات چھوٹی ہوتی ہے تو عشاء کے بعد سے صبح صادق تک صرف چھ ساڑھے چھ گھنٹے کا وقفہ ہوتا ہے۔ اگر فی رکعت دو منٹ رکھے جائیں تو سو رکعت کے لیے دو سو منٹ درکار ہوتے ہیں۔ اس طرح سے تعداد پوری کرنے کے لیے وقفہ تو ضرور مل جائے گا۔ لیکن دو منٹ میں سورۂ فاتحہ اور دس بار قل ہو اللہ پڑھنا ممکن نہیں۔ پھر رکوع و سجود اور قومہ کس طرح ادا کیا جائے گا۔ اگر ان میں جلدی کی گئی جیسا کہ عام مرض ہے تو حضورؐ کا ارشاد ہے۔

لا تنقروا کنقرۃ الغراب   ابوداؤد ج۔۱ ص ۱۳۲

کوّے کی طرح ٹھونگے نہ مارو

نیز آپؐ نے صحابہ سے دریافت کیا۔ تم جانتے ہو کہ سب سے بدترین چور کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

من لا یتم الرکوع ولا السجود مؤطا امام مالک ص۵۹

جو رکوع اور سجدہ پورا نہ کرے۔

نیز صحابہ نے آپؐ کی نماز کی کیفیت یہ بیان کی ہے

قیامہ ورکوعہ وسجودہ سواء

آپؐ کا قیام اور رکوع وسجود مساوی ہوتے

یہی صورتحال تلاوت قرآن کے ساتھ ہوگی کہ وہ آرام وسکون کے ساتھ پڑھا گیا یا اس کے گلے پر چھری پھیری گئی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

رب قال یقراء القرآن والقرآن یلعنہ

بہت سے قرآن پڑھنے والے قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت بھیجتا ہے۔

ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر یہ سو رکعات ادا کی گئیں تو کم از کم ہر رکعت کے لیے پانچ منٹ درکار ہوں گے اور اس صورت میں پوری رات میں پچاس رکعات بھی ادا نہ ہو سکیں گی اور اگر ان امور کا قطعاً خیال نہیں کیا گیا تو وہ نماز نماز نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مذاق ہے۔

وَلَا تَتَّخِذُوا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا

اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ

۱۶:۔ غور فرمائیے کہ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ جتنے دربان ہوں اتنے ہی داروغہ ہوں یعنی ہر چوکیدار پر ایک افسر ہو۔ ایسا دنیا میں کہیں نہیں ہوتا۔ لیکن راوی کہتا ہے کہ ستر ہزار دربانوں پر ستر ہزار داروغہ ہوں گے۔ حالانکہ افسران کی تعداد ہمیشہ کم ہوتی اور ماتحتوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یہ روایت وضع کرنے والے یا تو اول درجہ کے احمق تھے جنہیں کسی بات کی خبر نہیں تھی یا پکے چالاک بدمعاش تھے جو دوسروں کو بیوقوف بنا کر چلے گئے۔

راوی کہتا ہے کہ قل ہو اللہ کے ہر حرف کے بدلے ستر ہزار حوریں۔

ستر ہزار سنگار کرنے والیاں، ستر ہزار سنگار کرنے والے، ستر ہزار لڑکے ستر ہزار دربان، ستر ہزار داروغہ اور ستر ہزار غلام ملیں گے ۔یہ تو صرف ایک حرف کا صلہ ہے اور سورہ اخلاص میں چھیالیس حروف ہیں اور اس سورت کو رات بھر میں ایک ہزار بار پڑھنا ہے ۔اس کا اندازہ ایک رات میں ملیں کھرب حوروں سے زیادہ ہوگا اور اسی تعداد میں دربان، داروغہ، غلام، لڑکے وغیرہ ہوں گے اور اگر کوئی شخص زندگی بھر اس نماز کو پڑھتا رہا تو اس کی تعداد کا اندازہ قارئین خود فرمالیں اور اگر قارئین سے اس کا حساب ممکن نہ ہو تو کمپیوٹر در آمد کرلیں

۱۷۱۔ راوی کہتا ہے۔

ان اللہ یبعث فی کل ساعۃ من ساعات اللیل والنہار وھی اربع وعشرون ساعۃ سبعین الف ملک یسلمون علیہ ویصافحونہ ویدعون لہ

اللہ تعالیٰ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر گھنٹے ستر ہزار فرشتے اس کے پاس بھیجتا ہے جو اسے سلام کرنے، اس سے مصافحہ کرتے اور اس کے لیے دُعا کرتے ہیں۔

گویا عالم آخرت میں بھی یہی شب و روز ہوں گے اور شب و روز کی گھنٹوں پر یہی تقسیم ہوں گی۔ وہاں بھی دھوپ نکلے گی، گرمی سردی ہوگی پھر ہر گھنٹہ میں ستر ہزار فرشتے آکر اس سے مصافحہ کریں گے۔ سلام کریں گے۔ اور اس کے لیے دعا کریں گے۔شب براتی بھائیوں کو چاہیئے کہ ابھی سے مشق شروع کردیں ورنہ ایک گھنٹہ میں دو چار ہزار کا نمٹانا بھی ناممکن ہوجائیگا اور جب یہ عمل مسلسل جاری رہے گا تو بیچاری حوریں تو راہ ہی تکتی اور کلیجہ مسوستی رہینگی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی ایسے شخص کے ساتھ فرار ہوجائیں جس کو ہمہ وقت مصافحہ کی زحمت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

۱۸۱۔ روایت میں ہے کہ ستر ہزار حوروں کا سنگار کرنے والے ہوں گے

وہ کوئی حور نہ ہوگی جو اپنے جسم پر اتنے مردوں کے ہاتھ لگواتی ہو وہ تو کوئی طوائف ہوگی ہمیں ایسی حوروں کی ہرگز بھی ضرورت نہیں وہ صوفیاء ہی کو مبارک ہوں جن کے نزدیک عشق مجازی عشق حقیقی کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی لیے حافظ شیرازی، اور سعدی جیسے صوفیاء تمام زندگی لونڈوں سے عشق کرتے رہے اور اُن کی شان میں اشعار لکھتے رہے۔

حضرت علیؓ کی ایک دُعا

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے "غنیہ میں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک عمل اور ایک دُعا بھی نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کان علی بن ابی طالب یفرغ نفسہ للعبادۃ فی اربع لیال فی السنۃ وھی اول لیلۃ من الرجب ولیلۃ الفطر ولیلۃ الاضحیٰ ولیلۃ النصف من شعبان وکان من دعائہ فیہ، اللھم صلی علی محمد والہ مصابیح الحکمۃ وموالی النعمۃ ومعادن العصمۃ واعصمنی بھم من کل سوء ولا تاخذنی علی غرۃ ولا علی غفلۃ ولا تجعل عواقب امری حسرۃ وندامۃ وارض عنی فان مغفرتک للظالمین وانا من الظالمین اللھم اغفر لی مالا یضرک واعطنی مالا ینفعک فانک الوسیعۃ رحمتہ، البدیعۃ حکمتہ، فاعطنی السعۃ والدعۃ والامن والصحۃ والشکر والمعافاۃ والتقویٰ والصبر والصدق علیک وعلی اولیائک ان اعطنی الیسر مع العسر واعمم بذلک اھلی وَوَلدی واخوانی فیک ومن ولدنی المُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ غنیہ ج ۱ ص ۶۵۶

حضرت علیؑ بن ابی طالب سال بھر میں چار راتوں میں اپنے آپ کو عبادت کے لیے فارغ کر لیا کرتے تھے۔ ماہ رجب کی پہلی شب شب عید الفطر، شب عید الاضحیٰ اور نصف شعبان کی شب"

اور اس رات میں حضرت علیؑ یہ دعا مانگتے اے اللہ محمد اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جو حکمت کے چراغ، نعمت کے مالک اور عصمت کی کانیں ہیں اور مجھے ان کے واسطہ سے ہر برائی سے محفوظ رکھ۔ مجھے دھوکہ اور فریب میں نہ پکڑ اور میرے کام کے انجام کو حسرت اور ندامت نہ بنائے اور مجھ سے راضی ہوجائیے۔ کیونکہ آپ کی مغفرت ظالموں کے لیے ہے اور میں ظالموں میں سے ہوں۔ اے اللہ میری ان گناہوں کی مغفرت فرما جو آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے اور مجھے مال عطا فرما جو آپ کو نفع نہیں دے سکتا۔ کیونکہ آپ کی رحمت وسیع اور آپ کی حکمت نئی ہے۔ مجھے وسعت، امن، صحت، شکر، عفو، تقویٰ، صبر اور صداقت عطا فرما۔ اپنے اور اپنے اولیاء پر لازم کر لے (اس کا کوئی مفہوم ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اس جملہ کے معنی یہی ہیں) یہ بات کہ مجھے تنگی کے ساتھ آسانی عطا فرما اور اسے میرے گھر والوں، میرے لڑکے اور میرے اُن بھائیوں پر بھی عام کر جو آپ کی وجہ سے میرے بھائی ہیں (ہم نے یہ معنی زبردستی کئے ہیں ورنہ لفظ فیک غلط ہے اور اگر یہی معنی مقصود ہیں تو اس کے لیے لک استعمال کرنا چاہیئے تھا) اور ان لوگوں پر بھی عام فرما جو مسلمان مردوں اور عورتوں، مومن مردوں اور عورتوں کے یہاں پیدا ہوئے۔

حضرت علیؑ کے اس عمل کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ شیخ صاحب

نے اس کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی اور بلا سند روایت کوئی قابل قبول نہیں۔ کیا شیخ صاحب نے حضرت علیؑ کو یہ عمل کرتے دیکھا تھا۔ آخر پانچ سو سال کے رواۃ کہاں گئے۔ ظاہر ہے کہ پہلی روایات کی طرح اس کے راوی بھی فرضی ہوں گے یا کذاب ہوں گے۔ پہلے تو اس کی سند بیان کی جائے۔ پھر ہر راوی کا ثقہ ہونا ثابت کیا جائے اور ان دونوں کاموں کے بعد یہ ثابت کیا جائے کہ ہر راوی نے دوسرے راوی سے حدیث سُنی ہے۔ صوفیاء اس جوتے شیر لانے میں جتنا وقت صرف کریں گے۔ اتنی دیر میں پیتزہ کسی اور کی ملکیت ہو جائے گی۔ ایسی کہانی حضرت علیؓ کی جانب منسوب کرنا ایک افترا ہے۔

آئیے ذرا اس کے معانی و مفہوم پر غور فرمایئے۔

دُعا کے ابتدائی الفاظ ہیں۔

اللھم صل علی محمد واٰلہ مصابیح الحکمۃ وموالی!

النعمۃ ومعادن العصمۃ واعصمنی بھم من کل سوء

اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمت بھیج جو حکمت کے چراغ، نعمت کے مالک اور عصمت کے کان ہیں، اور مجھے ان کے واسطہ سے ہر برائی سے محفوظ رکھ۔

یہاں آل محمد سے کیا مراد ہے۔ اگر آپ کی مراد حضورؐ کے نواسے ہیں تو اس سلسلہ میں چند معروضات ہیں۔

۱:۔ اگر وہ حکمت کے چراغ ہیں تو بقیہ صحابہ کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ اگر وہ بھی حکمت کے چراغ ہیں تو لفظ آل کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ اگر آپ کے نزدیک ایسا نہیں ہے تو حضورؐ کا ارشاد ہے۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اور فرمایا میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ایک فرقہ کے علاوہ باقی جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا۔

ما انا علیہ واصحابی جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

ان ہر دو احادیث میں ہدایت و نجات کے لیے حضورؐ نے کسی کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ پھر یہ تخصیص کیسے ثابت ہو گی یہ تو خالص شیعہ مذہب ہے۔

۲۔ نعمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے کسی مخلوق کو منعم قرار دینا کھلا شرک ہے۔ دراصل شیعہ حضرات نے جس طرح حضرت علیؓ کو "مولیٰ" بنایا ہے۔ اسی طرح ان کی اولاد کو بھی مولیٰ بنا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰـکُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ ۝ الانفال

اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے۔ وہ بہترین مولیٰ اور بہترین مددگار ہے

نیز ارشاد ہے۔

اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ بقرہ

آپ ہی ہمارے مولیٰ ہیں۔ کافروں کے مقابلہ پر ہماری مدد فرمائیے

اور ارشاد ہے۔

بَلِ اللّٰہُ مَوْلٰـکُمْ وَھُوَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ ۝ آل عمران

بلکہ اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہترین مددگار ہے۔

۳۔ عصمت کی کانیں انبیائے کرام ہیں۔ یہ بھی خالص شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ معصوم ہیں پھر ان میں بھی زبردست اختلاف ہے ایک فرقہ جسے کیسانیہ کہا جاتا ہے وہ تو حضرت علیؓ کے بعد محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو معصوم مانتا ہے حسنؓ و حسینؓ کو اس میں داخل تصور نہیں کرتا اور جو لوگ حسنؓ و حسینؓ کو معصوم سمجھتے ہیں وہ بھی حسنؓ کی اولاد کو معصوم نہیں سمجھتے۔ بلکہ اسے صرف حضرت حسینؓ کی اولاد کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ پھر ان میں سے اثنا عشریہ اس

عصمت کو بارہ اماموں پر ختم کر دیتے ہیں اور اسمٰعیلی یعنی آغاخانیوں کے ہاں اِس عصمت کا سلسلہ آج تک قائم ہے یہ دعا جس نے بھی وضع کی ہے وہ یا تو اسمٰعیلی ہے یا اثنا عشری شیعہ ہے۔

۴:۔ بقول راوی حضرت علیؓ یہ دعا فرما رہے ہیں کہ مجھے آل رسول کے واسطہ ہر برائی سے محفوظ رکھ۔ تو کیا آپ کے نزدیک اولاد علیؓ کا درجہ حضرت علیؓ سے زیادہ ہے۔ ذرا سوچ کر جواب دیا جائے وہ تو بقول مولائے کائنات ہیں۔

۵:۔ اگر اولاد علی کا مقام حضرت علیؓ سے زیادہ ہے تو دعا کے آخر میں ہے۔

وَاعمھم بذالک اھلی وولدی

اور اس نعمت کو میرے گھر والوں اور میرے لڑکے پر عام فرما۔

تو اب لڑکے کے لیے نعمت کی دعا کی کیا ضرورت ہے اور دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جو نعمت کا مالک نہ ہو اور جو خود نعمت کا مالک ہو اس کے لیے دُعا نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو سوال کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ نعمت کے مالک تھے تو حضرت حسنؓ کی دستبرداری کے بعد کیوں امیر معاویہؓ اور یزیدؒ سے خرچہ لیتے رہے؟

۶:۔ اس میں لفظ ولد قابلِ غور ہے۔ کیونکہ یہ لفظ واحد ہے اور حضرت علیؓ کی متعدد اولادیں تھیں۔ تو عرض یہ ہے کہ یہ کونسا لڑکا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ شیعوں کی مراد اس سے صرف حضرت حسینؓ ہوں گے۔ کیونکہ حضرت حسنؓ کی دستبرداری سے ان کی اولاد میں امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ بالکل اسی طرح کہ جیسے ہمارے علماء خطبوں میں بنو عباس کے لیے یہ دُعا پڑھتے ہیں۔

اللھم اغفر للعباس وولدہ

اے اللہ عباس اور ان کے بیٹے کی مغفرت فرما۔

یہ دعا خلفائے بنو عباسؓ نے شروع کرائی تھی اور چونکہ وہ عبد اللہ بن عباسؓ کی اولاد تھے اور حضرت عباسؓ کی بقیہ اولاد کو حقدارِ خلافت تصور نہ کرتے

تھے۔ اسی لیے ولد واحد کا لفظ استعمال کر کے عباسؓ کی بقیہ اولاد، فضلؓ، عبداللہؓ، قثمؓ اور تمام دیگر کو خارج کر دیا۔ اسی طرح شیعوں نے حضرت حسینؓ کے علاوہ حضرت علیؓ کے تمام لڑکوں کو ولدیت سے خارج کر دیا لیکن کربلا کے میدان میں پہنچ کر سترہ لڑکوں میں سے ایک لڑکا عباس یاد آیا اگر وہ بیچارہ کربلا نہ آتا تو وہ بھی کبھی کا عاق ہو چکا ہوتا۔ لیکن ہم نے شروع دعا کے جو الفاظ نقل کئے ہیں ان میں ہر جگہ جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہاں جو واحد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عربی سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیخ صاحب عجمی ہیں۔ عربی ان کی مادری زبان نہیں اور اس کے مزید ثبوت اس دعا میں موجود ہیں۔

۷۔ دعا میں ایک جملہ ہے والصدق علیک یہاں علیؑ ہونا چاہیئے تھا

۸۔ چوتھی صدی تک نیک اور پرہیزگار شخص کے لیے زاہد، عابد، متقی اور صالح وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں۔ اولیاء کی اصطلاح خالص عجمی اصطلاح ہے۔ ہاں دور جاہلیت میں کفار عرب یہ اصطلاح ضرور استعمال کرتے تھے۔ جس کی برائی قرآن میں جگہ جگہ کی گئی۔ ارشاد ہے۔

لَا تَتَّخِذُوا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْ اَوْلِیَاءَ

میرے علاوہ میرے بندوں کو اولیاء نہ بناؤ

نیز ارشاد ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖ اَوْلِیَاءَ   اعراف

اللہ کو چھوڑ کر اولیاء (دوستوں) کی اتباع نہ کرو۔

اور ارشاد ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْ اَوْلِیَاءَ

کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو

اولیاء بنا لیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ۔

ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں مکڑی کی طرح ہے۔

ایک مقام پر کفار کی اولیاء پرستی کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ۔ اعراف

اِن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو اولیاء بنا لیا تھا۔ اور یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہدایت پر ہیں۔

ایسی صورت میں کیا حضرت علیؓ یہ لفظ استعمال فرما سکتے تھے حاشا وکلا

۹۔ حضرت علیؓ نے آسانی کے ساتھ تنگی کی دعا بھی فرمائی ہے۔ حالانکہ ارشادِ رسولؐ ہے۔

سل ربک العافیۃ والمعافاۃ فی الدنیا والاخرۃ ترمذی ج۔۲ ص۲۱۳

اپنے پروردگار سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوال کر

اس صورت میں یہ دعا ہی ناجائز ہو گی۔ کیونکہ یہ حکم خلافِ رسول ہو گی۔

۱۰۔ حضرت علیؓ نے صبر کی دعا مانگی ہے اور صبر نزولِ مصیبت کے بعد ہوتا ہے۔ اس کی دعا مانگنا تاوقتیکہ مصیبت نازل نہ ہو حرام ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں صبر کی دعا آئی ہے وہ نزولِ مصیبت کے بعد آئی ہے۔ مثلاً جب حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والوں کو سولی دی جانے لگی تو انھوں نے دعا فرمائی۔

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِيۡنَ۔ اعراف

اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر بہا دیجئے اور ہمیں اسلام کی حالت میں وفات دیجئے۔

اور صحابہ کی دعا نقل کی گئی۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۱۱:۔ حضرت علیؓ چار راتوں کو شب بیداری فرماتے تو عرض یہ ہے کہ رمضان المبارک کی راتیں اور خاص طور پر لیلۃ القدر کہاں گئی؟ عرض یہ ہے کہ حضرت علیؓ لیلۃ القدر میں عبادت فرماتے تھے یا نہیں؟ اگر فرماتے تھے تو اس روایت کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگا اور اگر نہیں فرماتے تھے تو انھوں نے کیسے اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کی۔ عیاذاً باللہ

۱۲:۔ اس سے قبل حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں چار راتوں کا تذکرہ تھا لیکن ان میں رجب کی پہلی رات داخل نہ تھی۔ بلکہ اس کے بجائے شب عرفہ تھی اس طرح ان دونوں کی مجموعی تعداد پانچ ہوئی نہ کہ چار۔ ورنہ دوسری صورت میں ہر روایت دوسری روایت کی تردید کر رہی ہے۔ سچ ہے۔ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ آئندہ جو روایت آنے والی ہے اس میں چودہ راتوں کا ذکر ہے۔

۱۳:۔ شب عید الفطر، شب عید الاضحیٰ، شب عرفہ وغیرہ کے بارے میں جو روایات ہیں ان کا حال تو شب برات کی مرویات سے بھی بدتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا ثبوت پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

گمنام علماء کا فتویٰ

شیخ صاحب نے بعض گمنام علماء کا ایک فتویٰ بھی نقل فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

قد جمع بعض العلماء رحمہ اللہ علیہم اللیالی اللتی یستحب احیاءھا فقال انھا اربعۃ عشرۃ لیلۃ فی السنۃ وھی اول من شھر المحرم ولیلۃ عاشوراء واول لیلۃ من الشھر رجب ولیلۃ النصف منہ ولیلۃ سبع وعشرین منہ ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ العرفۃ ولیلتا العیدین وخمس لیال منھا رمضان وھن لیالی العشر الاخر وکذلک مواصلۃ سبعۃ عشر یوما بالاوراد والمواظبۃ علی العبادۃ فیھا وھی یوم عرفۃ ویوم عاشوراء ویوم النصف من شعبان ویوم الجمعۃ ویوم العیدین والایام المعلومات وھی عشر ذی الحجۃ والایام المعدودات وھی ایام التشریق واکدھا یوم الجمعۃ ورمضان
غنیہ ج ۱ ص ۶۵۴

بعض علماء نے ان راتوں کو جمع کیا ہے جن میں شب بیداری مستحب ہے! وہ کہتے ہیں کہ ایسی راتیں سال میں چودہ ہیں۔ محرم کی پہلی رات، عاشورا کی شب، رجب کی پہلی رات، رجب کی پندرھویں شب، شب عرفہ، شب عید الفطر، شب

عیدالاضحیٰ اور رمضان کی پانچ راتیں اور وہ آخر عشرہ کی راتیں ہیں۔ اسی طرح سترہ دن ایسے ہیں جو اوراد و وظائف اور عبادت کے لیے مخصوص ہیں۔ یوم عرفہ، یوم عاشوراء، پندرہ شعبان، یوم جمعہ، یوم العیدین، ایام معلومات یعنی ذی الحجہ کے دس دن۔ ایام معدودات یعنی ایام تشریق اور ان میں مؤکد جمعہ کا دن اور رمضان ہے۔

ہم علماء کے اس فتوے پر بحث کرنے سے قبل امام جزری کا ایک قول پیش کرتے ہیں۔ جسے ملا علی قاری حنفی نے اپنی موضوعات میں نقل کیا ہے۔

وکذا صلوٰۃ عاشوراء وصلوٰۃ الرغائب موضوع بالاتفاق کذا بقیۃ صلوات لیالی رجب ولیلۃ السابع والعشرین من رجب ولیلۃ النصف من شعبان۔ موضوعات کبیر ص ۴۷۵

اسی طرح نماز عاشوراء، صلوٰۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں، اسی طرح رجب کی باقی راتوں کی نمازیں، ستائیسویں رجب کی نماز اور شعبان کی پندرہویں شب کی نمازیں موضوع ہیں۔ موضوعات کبیر ص ۴۷۵

اس سے قبل ہم آپ کی خدمت میں ابن دحیہ، ابن حجر ۸۵۲ھ، ابن قیم ۷۵۱ھ، ابن جوزی ۵۹۷ھ، ذہبی ۷۴۸ھ، عینی حنفی ۸۰۰ھ، محمد طاہر پٹنی حنفی ۹۸۶ھ، ملا علی قاری حنفی ۱۰۱۴ھ، وغیرہ علماء کرام کے اقوال پیش کر چکے ہیں کہ یہ سب نمازیں موضوع اور باطل ہیں۔ ان مشہور علماء کے فتاویٰ کی موجودگی میں ان گمنام علماء کا فتویٰ کیا حیثیت رکھتا ہے اور وہ بھی بلا سند اور بلا دلیل۔

۲۔ اگر یہ فتویٰ امام احمد بن حنبل کا ہوتا جن کے مسلک پر شیخ عبدالقادر

ہیں تو ہم اس پر ضرور غور کرتے۔ لیکن اتفاق سے ذہبی، ابن جوزی اور ابن قیم بھی حنبلی ہیں۔ ان کے بقول تو امام احمد کے زمانہ میں ان کا وجود بھی نہ تھا۔ کہیں ان علماء سے مراد ہبتہ اللہ السقطی اور ابو نصر کذاب تو نہیں اگر ایسا ہے تو ان کے ناموں کو پردۂ اخفا میں کیوں رکھا گیا۔ کیا وہ ان سے بھی زیادہ جاہل اور بدنام ہیں۔

۲:۔ لطف یہ ہے کہ یہ فتوٰی دینے والے متعدد حضرات نہیں بلکہ ایک ہی حضرت ہیں، کیونکہ آگے جب شیخ صاحب نے قول نقل کرنا شروع کیا تو فرمایا فَقَالَ (اس نے کہا) یہ واحد کا صیغہ ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی صاحب کی گپ ہے۔ گویا شیخ صاحب کو جمع اور واحد کی بھی خبر نہیں۔

۳:۔ جب فضیلت کی راتیں چودہ تھیں تو کیا امام الاولیاء حضرت علیؓ کو اس کا علم نہ ہو سکا تھا۔ جو انھوں نے صرف چار راتوں پر اکتفا فرمائی۔ پھر یہ دس راتوں کا بعد میں کیسے اضافہ ہوا۔ اس طرح یہ فتوٰی حضرت علیؓ کے عمل کے خلاف ہونے کے باعث مردود ہوا۔ یا اس فتوٰے کی رُو سے حضرت علیؓ کا عمل غلط ہوا۔ اس کا فیصلہ شب براتیے خود فرمائیں۔ ہمارے نزدیک صحابی کا قول و عمل زیادہ قابلِ قبول ہے۔

۴:۔ اس سے قبل ایک حدیث نقل کر چکے ہیں جس میں چار رات کی فضیلت بیان کی گئی تھی۔ اور وہ چار راتیں، شبِ براَت، شبِ عرفہ، شب عید الفطر اور شب عید الاضحیٰ تھیں۔ لیکن حضرت علیؓ کا جو عمل ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ماہِ رجب کی پہلی شب بھی داخل تھی۔ اور شب عرفہ ان چار راتوں سے خارج تھی۔ اس صورت میں آپ حدیث کو قبول کریں گے یا حضرت علیؓ کے عمل کو، یا گمنام علماء کے فتوٰی کو جس میں یہ سب راتیں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے

۵:۔ اس فتوٰے میں رمضان کے آخر عشرہ کی پانچ راتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ پانچ راتیں کون سی ہیں۔ کیونکہ عشرہ میں دس راتیں

ہوتی ہیں اور بقیہ رمضان کی راتوں کو اس عبادت سے خارج کیا گیا ہے۔

۶:۔ جہاں تک ستره ایام کا تعلق ہے اس میں جمعہ کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن جمعہ کی خصوصی عبادت نماز جمعہ اور درود کی کثرت ہے نہ کہ اور قسم کے اوراد و وظائف۔ عیدین کے دن عبادت کے دن نہیں خوشی کے دن ہیں۔ اس روز صرف دو رکعت نماز عید کے علاوہ دوسری نماز نفل تا ظہر جائز نہیں اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے علاوہ سب سے بڑی عبادت قربانی ہے رہا عرفہ کا روز تو غیر حاجیوں کے لیے اس میں کوئی عبادت نہیں صرف روزہ مستحب ہے، اور حاجیوں کی عبادت تکبیر و تہلیل ہے۔ عاشورا، یعنی دس محرم کے دن صرف روزہ امیر معاویہؓ اور ابن عباسؓ کے نزدیک مستحب ہے اگرچہ عبداللہؓ بن مسعود، ام المؤمنین عائشہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ اس کے بھی منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور عبادت نہیں۔ ۱۵ شعبان کو روزہ رکھنے کی جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں اور کسی قسم کی عبادت موضوع روایات میں بھی موجود نہیں۔

۷:۔ عشرہ ذی الحجہ میں غیر حاجی کے لیے کوئی عبادت نہیں اور اس سلسلہ میں جتنی روایات ہیں سب باطل ہیں اور حاجی کے لیے عبادت اس وقت شروع ہوگی جب وہ احرام باندھے گا۔ خواہ وہ ذی الحجہ شروع ہونے سے قبل احرام باندھے یا آٹھ تاریخ کو احرام باندھے۔ جب تک احرام نہیں باندھتا اس وقت تک کوئی عبادت نہیں اور احرام باندھنے کے بعد ان کی عبادت راہ میں صرف تلبیہ ہے اور مکہ پہنچ کر طواف کعبہ، سعی بین الصفا و المروہ، قیام مزدلفہ، قیام عرفہ اور تسبیحات و تہلیلات ہی اصل عبادات ہیں۔ ان عبادات کا اوراد و وظائف سے کوئی تعلق نہیں۔

۸:۔ ایام معلومات سے مراد شیخ صاحب اور ان کے گمنام مفتی کے نزدیک عشرہ ذی الحجہ ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں قربانی کے دنوں کو ایام معلومات کہا گیا

ہے۔ ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى
مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ　　　الحج

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو جو چوپائے بطور رزق عطا فرمائے ہیں۔ ان پر معلوم دنوں میں اللہ کا نام لو (یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کرو)

اور یہ تاریخیں ۱۰۔ ۱۱ اور بارہ ہیں۔ اس طرح ۱۱ اور ۱۲ تو عشرۂ ذی الحجہ سے خارج ہوتیں اور ان ایام سے اوراد و ظائف کا کوئی تعلق نہیں۔ ان دنوں کی عبادت صرف قربانی ہے۔

۱۹۔ ایام معدودات سے ایام تشریق مراد لینا ایک حماقت ہے۔ قرآن میں ایام معدودات سے رمی کے دن مراد ہیں اور وہ تین دن ہیں۔ دس گیارہ اور بارہ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ
يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ
لِمَنِ اتَّقٰى ۝　　　بقرہ

اور گنتی کے دنوں کے بیچ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ پھر اگر جانے کی کوئی جلدی کرے تو دو دن ہیں اور اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اس شخص کے لیے جو پرہیزگاری اختیار کرے۔

تمام محدثین و مفسرین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ آیت رمی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اگر کوئی شخص مجبوری کے باعث تین دن کے بجائے دو دن رمی کر کے چلا جاتے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور ایام تشریق نو سے شروع ہو کر تیرہ پر ختم ہوتے ہیں۔ گویا ایام تشریق کا پہلا دن عرفہ ہوا اور دوسرا دن عشرہ میں

داخل ہوا۔ اور اگر انھیں داخل مانا جاتے۔ تب ان افضل دنوں کی تعداد اٹھارہ ہو گی۔ ورنہ انیس بنے گی۔ سترہ کسی صورت میں نہ ہو گی۔

۱۰:۔ جمعہ کے علاوہ بقیہ تمام دن سال بھر میں ایک بار آئیں گے اور جمعہ ہر ماہ میں کم از کم چار بار آتے گا۔ اس طرح پورے سال میں کم از کم ۴۸ جمعے آئیں گے۔ کیا یہ فرضی مفتی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ جمعہ بھی سال بھر میں ایک بار آتا ہے۔

۱۱:۔ ان تمام دنوں میں بقول مفتی سب سے زیادہ مؤکد جمعہ اور رمضان ہے اور رمضان کسی دن کا نام نہیں۔ بلکہ مہینہ کا نام ہے اور مہینہ کم از کم ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ اس طرح سال بھر میں عبادت کے دنوں کی تعداد ستر سے متجاوز ہو گی۔ پیران پیر کے مفتی صاحب کو چاہیئے تھا کہ تھوڑی بہت گنتی ہی سیکھ لیتے۔

ان امور سے یہ بات ضرور ثابت ہو گئی ہے کہ ہمارے صوفیاء جہاں قرآن، حدیث اور تاریخ و رجال سے محض جاہل تھے وہاں وہ حساب سے بھی کورے تھے اور قرآن وسنت کے عام احکامات کا بھی انھیں علم حاصل نہ تھا۔ اعاذنا اللہ من ھذا الھذیان

عمر بن عبدالعزیز پر افترا

روی ان عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کتب الی الحجاج بن ارطاۃ وھو علی البصرۃ وقیل الی عدی بن ارطاۃ علیک باربع لیال فی السنۃ فان اللہ تعالی یفرغ فیھن الرحمۃ افراغا وھی اول لیلۃ من رجب ولیلۃ النصف من شعبان ولیلۃ السابع والعشرین من رمضان ولیلۃ الفطر۔

غنیہ ج۔ ۱ ص ۶۵۳

روایت کیا گیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے حجاج بن ارطاۃ کو خط لکھا جو بصرہ کا امیر تھا۔ ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ یہ خط عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ سال میں چار راتوں کو پکڑ لے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان راتوں میں خوب رحمت بہاتا ہے۔ رجب کی پہلی شب، شعبان کی پندرھویں شب، رمضان کی ستائیسویں اور عید الفطر کی رات۔

ہمیں اس قول پر متعدد اعتراضات ہیں۔

۱۔ حضرت عائشہؓ سے جن چار راتوں کے بارے میں روایات ذکر کی گئی تھیں ان میں لیلۃ الفطر، لیلۃ الاضحیٰ، شب عرفہ اور شب برارت کا ذکر تھا۔ اور حضرت علی کی روایت میں لیلۃ الفطر، لیلۃ الاضحیٰ، شب برأت اور رجب کی پہلی تاریخ تھی اور عمر بن عبد العزیز کے قول میں شب عید الفطر، شب عید براءت، رمضان کی ستائیسویں شب اور رجب کی پہلی شب ہے اس طرح یہ تینوں روایات باہم متضاد ہوئیں۔ صرف دو راتیں ایسی باقی رہیں جو تینوں روایتوں میں مشترک ہیں اور وہ شب برامت اور شب عید الفطر ہیں۔ بقیہ راتیں روایات میں اختلافات ہونے کے باعث ثابت نہیں ہوتیں حالانکہ ان میں رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتیں بھی ہیں جن میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ اتفاق سے شب براءت سے ہمیں اختلاف ہے اور شب عید الفطر کے بارے میں اتنی روایات بھی نہیں پائی جاتی ہیں اور اگر شب عید الفطر عبادت کی رات ہوتی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو شوال کا چاند دیکھ کر اعتکاف ختم فرمایا کرتے تھے تو آپ کو یہ اعتکاف عید کی صبح کو ختم کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ کوئی عالم بھی اس کا قائل نہیں، اس لحاظ سے یہ ایک رات بھی ثابت نہ ہو گی۔

۲۔ اصول یہ ہے کہ تابعی کا قول صحابی کے قول کے مقابلہ میں رد ہو جاتا

ہے اور صحابی کا قول وعمل حدیث رسول کے مقابلہ میں مردود ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے عمر بن عبد العزیز کا قول اور حضرت علیؑ کا عمل اس حدیث عائشہ کے باعث جو پیش کی جاتی ہے، رد ہو گیا ہے۔ حدیث کے مقابلہ میں کسی صحابی یا تابعی کا قول پیش کرنا حدیث کا انکار اور حضورؐ پر اس شخص کی فوقیت جتانا ہے اور یہ کھلا کفر ہے۔

۱۳۔ جب آپ کے بعض علماء کے بقول چودہ راتوں کی شب بیداری مستحب تھی تو عمر بن عبد العزیز اور حضرت علیؑ نے اس استحباب کو کیوں ترک کیا اور جب انھوں نے اسے ترک کیا تو کیا ان فرضی علماء کا یہ قول باطل نہیں ہو گیا؟ کیونکہ یہ قول صحابی اور قول تابعی کے خلاف ہے۔

۱۴۔ شیخ صاحب نے اس قول کی بھی کوئی سند بیان نہیں کی تو یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ یہ عمر بن عبد العزیز سن ۱۰۱ھ ہی کا قول ہے۔

۱۵۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ خط حجاج بن ارطاۃ کو تحریر کیا۔ یہ حجاج وہی راشی ہے جس نے حضرت عائشہؓ کی پہلی حدیث روایت کی ہے اور جس پر جرح گذر چکی اور وہ عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں کسی عہدہ پر فائز نہ تھا بلکہ گورنر تو وہ زندگی میں کبھی نہیں بنا۔ بلکہ مہدی عباسی کے زمانہ میں بصرہ کا قاضی بنا ہے۔ امام ذہبی نے عبد اللہ بن ادریس کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كنت ارى الحجاج بن ارطاة يفلى ثيابه ثم خرج
الى المهدى ثم قدم معه اربعون راحلة عليها احمالها

میزان ج۔ ا ص۲۱۶

میں حجاج بن ارطاۃ کو دیکھتا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگایا کرتا تھا۔ پھر وہ خلیفہ مہدی کے پاس گیا جب واپس آیا تو اس کے ساتھ چالیس اونٹوں پر سامان لدا ہوا تھا۔

مہدی ۱۵۸ھ میں خلیفہ ہوا جب کہ عمر بن عبد العزیز کی وفات سنہ ۱۰۱ھ

ہے ۔جہاں تک عدی بن ارطاۃ ۱۰۲ھ کا تعلق ہے وہ ضرور عمر بن عبدالعزیز کے عامل تھے ۔لیکن آپ نے خود اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے ۔کیونکہ عدی کا نام لفظ قیل سے نقل کیا گیا ہے جو ضعف کے لیے آتا ہے ۔گویا گنگا الٹی اوپر کو بہہ رہی ہے کہ صحیح تو ضعیف اور ضعیف صحیح ۔پھر عدی بن ارطاۃ بھی اتفاق سے ضعیف ہے۔

۶:۔لیلۃ القدر رمضان کے آخر عشرہ میں طاق راتوں میں گھومتی رہتی ہے ستائیسویں شب کے ساتھ مخصوص نہیں ۔یہ مسلک شیخ صاحب کے امام، امام احمد بن حنبل کا ہے ۔گویا شیخ صاحب کو اپنے امام کا مسلک بھی معلوم نہیں، اور اگر معلوم ہے تو شیخ صاحب ان کے قول کا کیا جواب دینگے رہا احناف کا سوال تو امام ابوحنیفہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ۔

انہا تدور فی السنۃ کلھا

وہ تمام سال میں گھومتی رہتی ہے۔

اس صورت میں ابوحنیفہ کے نزدیک کسی رات کی کوئی خصوصیت نہیں، ان خاص راتوں میں مختلف عبادتیں انجام دینے والے اپنے امام کو کیا جواب دیں گے یا یہ ثابت کریں گے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول غلط ہے اور اس صورت میں یہ بھی بیان فرمادیں کہ ابوحنیفہ کے قول کو رد کرنے کے بعد وہ حنفی باقی رہیں گے یا نہیں؟

ایک نیا شگوفہ

لطف یہ ہے کہ شیخ صاحب نے جہاں بہت سی موضوع روایات اور اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں ایک ایسا قول بھی نقل کیا ہے جس سے تمام صوفیاء اور علماء کی کری کرائی محنت سب اکارت جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قیل ان للملائکۃ لیلتی عید فی السماء کما ان للمسلمین یومی عیدین فی الارض لیلۃ البرأۃ

ولیلتا القدر وعید المؤمنین یوم الفطر و

الاضحٰی وعید الملائکۃ باللیل لانھم لاینامون

وعید المؤمنین بالنھار لانھم ینامون غنیۃ ج ۱ ۶۹۴

کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کے لیے آسمان میں دو راتیں عید کی

ہوتی ہیں۔ جس طرح زمین میں مسلمانوں کے لیے دو دن عید کے

ہوتے ہیں۔ وہ دو راتیں شب برات اور شب قدر ہیں۔ اور

مؤمنین کی عید، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔ فرشتوں کی

عید رات میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ سوتے نہیں اور مؤمنین کی

عید دن میں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ سوتے ہیں۔

چونکہ بیچارے مؤمنین راتوں کو سوتے ہیں اور شب بیداری سے انھیں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے پیرانِ پیر نے اپنے ماننے والوں کے لیے آسان ذریعہ آرام کرنے کا بتا دیا ہے۔ ان کے معتقدین کو چاہیئے کہ وہ شب برات اور شب قدر میں آرام کی نیند سوئیں خواہ قوالی میں بلیشک ساری رات جاگتے رہیں۔ لیکن ان راتوں میں انھیں جاگنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ راتیں فرشتوں کے لیے مخصوص ہیں اور قرآن میں جن احکامات کے نزول کا ذکر ہے یا جن روایتوں میں موت و رزق وغیرہ لکھے جانے کا ذکر ہے وہ انسانوں کے لیے نہیں بلکہ فرشتوں کے لیے ہے۔ شیخ صاحب کی محبت کا دعویٰ کرنیوالے فضول یہ محنت برداشت کرتے ہیں اور شیخ صاحب بلا وجہ ایک عرصۂ دراز تک ایک ٹانگ پر کھڑے رہے۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے تو ہمارے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کے علاوہ کسی کا قول حجت نہیں اور شیخ صاحب کے قول کے مقابلہ میں ہم امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ اور امام احمد بن حنبل ۲۴۰ھ کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ان حضرات نے ہمیں شب برات کے بارے میں کسی قسم کا کوئی حکم نہیں دیا۔ افسوس اس پر ہے کہ یہ سب کام

عنفی انجام دیتے ہیں، حالانکہ امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ تو اس بات کے قائل ہیں کہ تمام سال شب بیداری کرو تب شب قدر حاصل ہو گی۔

کتب احادیث میں جہاں اِس شب کی فضیلت میں روایات آرہی ہیں۔ ہم نے آج تک ان کتابوں میں اِس رات کا کوئی نام نہیں پڑھا۔ اِس رات کو شب برات سے موسوم کرنے والے صرف صوفیا ہیں اور صوفیاؑ پر ہمیشہ تشیع کا غلبہ رہا ہے اور شیعیت نے اس شب تبرا کی فضیلت کی اشاعت انھی صوفیاء کے ذریعہ کی ہے۔ کیونکہ تصوّف تشیع کی اشاعت کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ بلکہ تشیع کی ایک بہت بڑی شاخ ہے۔

ابراہیم بن ابی نجیح کا قول

شیخ عبدالقادر جیلانی نے حضرت عائشہؓ کی وہ روایت جس میں چار راتوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ شب عید الاضحیٰ، شب عید الفطر، شب نصف شعبان، اور شب عرفہ اور جس کی حیثیت پر پہلے بحث کی جا چکی ہے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

قال سعید قال لی ابراهیم بن ابی نجیح خمس فیها لیلة الجمعة غنیہ ج ۱ ص ۱۹۱

سعید کہتا ہے مجھ سے ابراہیم بن ابی نجیح نے کہا کہ وہ پانچ راتیں ہیں۔ جن میں شب جمعہ بھی داخل ہے۔

یعنی فضیلت کی پانچ راتیں ہیں۔ شب عید الاضحٰے، شب عید الفطر، شب نصف شعبان، شب عرفہ۔ ان راتوں کی فضیلت اتفاق سے حضورؐ کی جانب منسوب کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی تکمیل نہیں فرمائی تھی اور آپؐ کا دین ناقص تھا اور نہ آپؐ اتنا علم رکھتے تھے۔ (عیاذاً باللہ) اس لئے تکمیل دین کے لیے دوسروں کے اقوال کی ضرورت پیش

آئی۔ اسی لیے ابراہیم نے اس میں شبِ جمعہ کا بھی اضافہ کیا۔

حضرت علیؓ نے یہ چار راتیں بیان فرمائیں۔ شبِ عید الفطر، شبِ عید الاضحیٰ شبِ نصف شعبان اور شبِ یکم رجب۔ اس طرح یہ چھ ہو گئیں اور گمنام علماء نے چودہ راتیں بیان کیں۔ شبِ یکم محرم، شبِ عاشورہ، شبِ یکم رجب، شبِ نصف رجب، ستائیس رجب، ۱۵ ر شعبان کی شب، شبِ عرفہ، شبِ عید الفطر اور شبِ عید الاضحیٰ اور رمضان کی پانچ راتیں۔

گویا ان علماء نے تمام راتوں کو تو جمع کیا، لیکن شبِ جمعہ کو بھول گئے جسے ابراہیم بن ابی نجیح نے پورا کر دیا۔ اس طرح کل پندرہ ہوئیں۔ ہماری سمجھ سے یہ باہر ہے کہ کس کے قول پر عمل کریں۔ کیونکہ بقول شیخ عبد القادر حضورؐ نے تو صرف چار راتیں بیان کی تھیں اب یہ پندرہ ہو گئیں اور اگر ان میں رمضان کی بقیہ راتوں کو داخل کر لیا جائے کیونکہ حضورؐ نے ان میں قیام کا حکم دیا ہے تو ان کی تعداد چالیس ہو جائے گی۔

اب آئیے ذرا ابراہیم کے قول پر غور کریں۔

۱:۔ شیخ صاحب نے سعید تک کوئی سند ذکر نہیں کی حتیٰ کہ یہاں تو ابو منصر اور اس کے باپ کا بھی ذکر نہیں کیا اور پھر سعید کا کوئی اَتہ پتہ نہیں بتایا کہ یہ سعید کون ذات شریف ہیں۔ ان کے ابا جان کون تھے اور یہ کہاں کے باشندے تھے، تاکہ کوئی زندگی میں اس قول کی حقیقت معلوم نہ کر سکے۔ "میزان الاعتدال" میں ذہبی نے ایک سو اٹھتر ان سعید نامی اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ جن پر جرح ہے اور جو سعید جرح سے پاک ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں اور کچھ ایسے سعید بھی ہیں جن کا ذہبی نے ذکر نہیں کیا۔ اس طرح ان کی تعداد کم از کم تین سو ہو گی۔ حافظ ابن حجر نے "تقریب التہذیب" ۱۷۷ سعید نامی اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ سعید ہیں جن کی روایات، امام مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے لی ہیں اور وہ سعید جن سے اوروں نے روایات لی ہیں یا جو تیسری

صدی ختم ہونے کے بعد گذرے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اس طرح شیخ صاحب نے سعید کے باپ کا نام حذف کر کے پوری امت کو ایک زبردست فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔

۲:۔ ہم نے آج تک ابراہیم بن ابی نجیح نام کا تاریخ میں کوئی شخص نہیں پایا

۳:۔ شریعت میں کسی کا قول حجت نہیں تاوقتیکہ وہ قول قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو۔ ورنہ ہر وہ قول مردود ہوگا جو حدیث کے خلاف ہوگا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

اذا جاء قولی خلافا للحدیث فاضربوہ بالحجر

جب میرا کوئی قول خلاف حدیث ہو تو اسے پتھر پہ مار دو

اسی طرح یہ قول خلاف حدیث ہونے کے باعث بھی پتھر پر مار دینے کے قابل ہے۔ کیونکہ امام مسلم ۲۶۱ھ نے حضرت ابوہریرہ ۵۷ھ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من الایام الا ان یکون فی صوم یصوم احدکم۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۱

جمعہ کی شب کو قیام کے لیے خاص نہ کرو، اور نہ روز جمعہ کو روزے کے لیے خاص کرو۔ لیکن اگر کوئی شخص روزے رکھتا آرہا ہو اور درمیان میں جمعہ آجائے تو درست ہے۔

اس لحاظ سے اگر کوئی شخص شب جمعہ میں مخصوص طور پر نفلیں پڑھنے کا حکم دیتا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف اول سمجھا جائے گا اور دین میں اختراع کرنے والا اور ایسا شخص زندیق و دجال کہلائے گا۔

امام نووی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

وفی ھذا الحدیث النھی الصریح من تخصیص

لیلۃ الجمعۃ من بین اللیالی و یومہا بصوم و
ھذا متفق علی کراھتہ — مسلم ج ۱ ص ۳۶۱

اس حدیث میں شب جمعہ کو قیام کے لیے مخصوص کرنے اور روزِ جمعہ کو روزے کے لیے مخصوص کرنے کی ممانعت ہے اور اس کی کراہت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔

بقول امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ اس رات کو عبادت کے لیے مخصوص کرنا تمام علماء کے نزدیک متفقہ طور پر مکروہ تحریمی ہے اور امام نووی کے نزدیک اتفاق سے متاخرین علماء کا اتفاق مراد نہیں بلکہ چاروں ائمہ کرام یعنی امام ابو حنیفہ ۱۵۰ھ، امام مالک ۱۷۹ھ، امام شافعی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل ۲۴۰ھ اور ان علماء کا اتفاق مراد ہے۔ جو ان حضرات کے دور میں فقیہہ و محدث گذرے ہیں۔ مثلاً مکحول ۱۱۸ھ، اوزاعی ۱۵۷ھ، سفیان ثوری ۱۶۰ھ، لیث بن سعد ۱۷۵ھ، ابن ابی لیلیٰ ۱۴۸ھ، ابو ثور ۲۴۰ھ، ابو یوسف ۱۸۲ھ اور محمد بن الحسن ۱۸۹ھ وغیرہ اور جس شیئے کے ناجائز ہونے پر ان تمام حضرات کا اجماع ہو چکا ہو۔ اس کی مخالفت خیر القرون کی مخالفت ہے اور اتفاق سے شیخ عبد القادر حنبلی ہیں اور حنابلہ کا بھی اس کی کراہت پر اتفاق ہے اور شیخ صاحب نے بلا دلیل اپنے امام کا قول ترک کیا ہے یا ان کو اپنے امام کی قول کی بھی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی جہالت سے محفوظ رکھے۔

قاری شریف احمد صاحب خطیب مسجد سٹی ریلوے اسٹیشن کراچی نے اپنے رسالہ فضیلت ماہ شعبان و شب برات میں تحریر کیا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ماثبت بالسنۃ میں امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے۔

امام شافعی کے قول کی تحقیق

ان الدعاء یستجاب فی خمس لیال لیلۃ الجمعۃ

والعیدین واول لیلۃ من رجب ونصف شعبان

رسالہ فضیلت ماہ شعبان ص ۲۲

پانچ راتوں میں دعا قبول ہوتی ہے، شب جمعہ، عیدین کی
دونوں راتیں، رجب کی پہلی اور شعبان کی پندرھویں شب،

لیکن قاری صاحب نے کتابوں کے نام تو ضرور تحریر کر دیتے ہیں لیکن پوری کتاب میں کسی صفحہ کا حوالہ تحریر نہیں کیا۔ اور جو روایات مختلف حوالات سے نقل کی ہیں ان میں سے بہت سے حوالے غلط ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ غلطی قاری صاحب کی ہے یا عبدالحق دہلوی کی۔ کیونکہ شافعی مذہب کے زبردست فقیہہ و محدث یعنی امام نووی جمعہ کی شب میں کسی خاص قسم کی عبادت کو حرام سمجھتے ہیں اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق نقل کرتے ہیں۔ افسوس کہ عبدالحق دہلوی ۱۰۵۲ھ اور قاری شریف صاحب کو اپنے امام کے مسلک تک کی خبر نہیں۔ ان لوگوں کی عقل کو شوق عبادت اور تصوف نے سلب کر لیا ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف ج۔۴ ص ۳۱۷ پر اس قول کو حضرت عبداللہ بن عمر کی جانب منسوب کیا ہے اور اس کی سند بھی بیان کی ہے۔ اس سند پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے وہ فرماتے ہیں۔

مجھ سے ایک ایسے شخص نے بیان کیا جس نے بیلمانی سے سُنا تھا
اور بیلمانی اپنے باپ کے واسطہ سے ابن عمر سے روایت کرتا ہے
کہ پانچ راتیں ایسی ہیں جن میں دعا رد نہیں ہوتی۔ شب جمعہ،
ماہ رجب کی پہلی شب، نصف شعبان کی شب اور عید الفطر اور
عید الاضحےٰ کی راتیں۔

عبدالرزاق نے کس سے یہ حدیث سُنی ہے۔ اس کا نام انھوں نے غائب کر دیا ہے، ممکن ہے کہ وہ امام غائب کا کوئی نمائندہ ہو، کیونکہ عبدالرزاق خالص شیعہ ہے۔ اس طرح پہلا راوی مجہول ہوا۔ اور مجہول کی روایت قطعاً

قابلِ قبول نہیں۔ ممکن ہے اس روایت کا واضع وہی شخص ہو جسے غائب کر دیا گیا ہے۔ اور اگر وہ کسی زمانہ میں حاضر بھی ہو جاتے اور اس کا ثقہ بھی ہونا ثابت ہو جائے۔ تب بھی یہ روایت صحیح نہ ہو گی۔ اس لیے کہ اس کا دوسرا راوی بیلمانی ہے۔

بیلمانی کا اصل نام محمد بن عبدالرحمان ہے یہ اپنے باپ سے روایت کرتا ہے ہے۔ بخاری اور ابو حاتم کہتے ہیں یہ منکر الحدیث ہے۔ دار قطنی وغیرہ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس نے اپنے باپ سے دو سو کے قریب موضوع احادیث روایت کی ہیں۔ میزان ج ۳ ص ۱۱۷ گویا اس روایت کا واضع یہ خود بیلمانی یا اس کا باپ ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں یہ بیلمانی جتنی بھی روایات بیان کرتا ہے ان میں تمام آفات اسی کی ڈھاتی ہوئی ہوتی ہیں۔ گویا یہ خود ان کا واضع ہوتا ہے۔

اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ امام شافعی کا قول نہیں بلکہ یہ بیلمانی کی بکواس ہے اور امام شافعی بیلمانی کے ہم عصر ہیں اور چونکہ بیلمانی بدنام تھا۔ اسی لیے کسی افترا پرداز نے اس کا قول امام شافعی کی جانب منسوب کر دیا اور وہاں سے عبدالحق دہلوی اسے لے اڑے اور پھر قاری شریف صاحب لمبے لمبے بزرگ پرستی کے مرض میں مبتلا ہو کر بلا سوچے سمجھے نقل کر دیا۔

سب سے مزید لطف کی بات یہ ہے کہ ابو نجیح کے بیٹے کا نام ابراہیم نہیں بلکہ عبداللہ ہے۔ یہ تبع تابعی ہے۔ اگرچہ اس سے تمام صحاح ستہ میں روایات مروی ہیں، لیکن یہ پکا معتزلی اور قدری تھا اور فرقہ معتزلہ کے بانی مبانی عمرو بن عبید کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ فرماتے ہیں۔ معتزلہ مذہب کے جو داعی تھے ان کا سردار تھا۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔

عبد اللہ بن ابی نجیح کان یتھم بالاعتزال والقدر   میزان ج ۲ ص ۵۱۵

عبداللہ بن ابی نجیح پر اعتزال اور قدر کی تہمت ہے۔
۱۳۱ھ یا ۱۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

ہمیں شیخ عبدالقادر، غزالی، ابوطالب مکی اور سلمی اور دیگر صوفیاء سے یہی شکایت ہے کہ جب آپ حضرات کو حدیث و تاریخ اور رجال سے قطعاً واقفیت نہیں رہتی کہ یہ لوگ ایک نام تک صحیح یاد نہیں رکھ سکتے تو ان لوگوں کو حدیث روایت نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ تاکہ حضورؐ پر جھوٹ لازم نہ آتا۔ آخر آن کا زہد و تقویٰ اور خوفِ الٰہی حضورؐ پر جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں کہاں چلا جاتا ہے۔ ہماری عقل آج تک یہ سمجھنے سے قاصر ہے اور یہ انھی کی خصوصیت نہیں بلکہ تابعین ہی کے دور سے جن پر غلبہ عبادت رہا ہے وہ اس موذی مرض میں ضرور مبتلا ہو کر رہے ہیں اور یہ جھوٹ کی بیماری ایک سے دوسرے کو لگتی رہی۔ یہ حضرات تبع متاخرین میں سے ہیں جو صرف ناقل اور اندھے مقلد ہیں۔

روایت حضرت اُم سلمہؓ

اس زیر بحث مضمون میں ایک روایت ام المومنین حضرت ام سلمہؓ ۶۲ھ کی جانب بھی منسوب کی جاتی ہے جو ہم ذیل میں غنیہ کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔

اخبرنا ابونصر عن والدہ باسنادہ عن عطاء بن یسار عن ام سلمۃ قالت لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم فی شہر بعد رمضان اکثر من صیامہ فی شعبان وذلک انہ کلہ من یموت فی ذلک السنۃ فینسخ اسمہ فی شعبان من الاحیاء الی الاموات وان الرجل یسافر وقد ینسخ اسمہ فی من یموت۔

غنیہ ج ۱ ص ۶۷۷

ہم سے ابو نصر نے بیان کیا وہ اپنے باپ کی سند کے ذریعہ
عطاء بن یسار سے روایت کرتا ہے وہ ام سلمہؓ سے حضرت
ام سلمہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے
علاوہ شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے نہ رکھتے۔ اور
اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سال مرنے والوں کے نام شعبان میں
زندوں کی فہرست سے کاٹ کر مردوں کی فہرست میں تحریر
کر دیئے جاتے ہیں بعض انسان سفر کرتے ہیں۔ لیکن ان کے
نام مردوں کی فہرست میں درج ہوتے ہیں۔

۱۔ اس سلسلہ میں پہلی عرض یہ ہے کہ اس کے ابتدائی راوی وہی ابو نصر اور اس کے ابا جان ہیں اور ان کے ابا جان نے اپنے اور عطاء بن یسار کے درمیان سے تمام راوی حذف کر دیتے ہیں عطاء کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ابو نصر کے گمنام ابا جان یہ وصیت کر کے مرے تھے کہ بیٹا میری سند کبھی نہ بیان کرنا۔ کہیں اتفاق سے اگر تم نے راویوں کے نام لے دیئے تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

۲۔ اس روایت میں ابو نصر نے تحریف سے کام لیا ہے۔ ورنہ اصل حدیث کتب احادیث میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے

عن ام سلمۃ قالت ما رایت النبی صلی اللہ علیہ
وسلم یصوم شہرین متتابعین الا شعبان
ورمضان ترمذی ج۔ ۱ ص ۱۲۲

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو لگاتار دو ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے شعبان
اور رمضان کے۔

اور نسائی کی روایت میں یہ جملہ بھی ہے۔

کان یصل شعبان برمضان نسائی ج۔ ۱ ص ۲۴۸

آپ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے۔

اس حدیث میں حضورؐ نے کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی اور جو وجہ بیان کی جا رہی ہے وہ حضور کا فرمان نہیں بلکہ راوی کی خود ساختہ وجہ ہے۔

۳:- اس روایت کو امّ سلمہ سے نقل کرنے والے عطاء بن یسار نہیں بلکہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف الزہری ہیں۔ جن کی وفات سنہ ۹۴ھ میں ہوئی۔ اور عطاء بن یسار کی روایت میں ام سلمہؓ کا کوئی ذکر نہیں۔ کیونکہ عطاء کی روایت عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف ج۔۴ ص ۳۱۷ پر ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

روایتِ عطاء بن یسار

عبد الرزاق عن ابن عیینۃ عن مسعر عن رجل عن عطاء بن یسار قال تنسخ فی النصف من شعبان الاجال حتی ان الرجل لیخرج مسافرا وقد نسخ من الاحیاء الی الاموات ویتزوج وقد نسخ من الاحیاء الی الاموات

عبد الرزاق نے ابن عیینہ کے واسطہ سے مسعر سے روایت کیا ہے مسعر ایک نامعلوم شخص کے ذریعہ عطاء بن یسار سے نقل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ نصف شعبان میں اموات لکھی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک شخص سفر میں جاتا ہے اور اس کا نام زندوں میں سے کاٹ کر مُردوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ کوئی نکاح کرتا ہے۔ حالانکہ اس کا نام زندوں کی فہرست سے کاٹ کر مُردوں کی فہرست میں لکھ دیا جاتا ہے۔

یہ روایت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس قول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین ام سلمہؓ سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ عطاء بن یسار

کا اپنا قول ہے اور عطاء بن یسار تابعی ہیں۔

الغاقی سے اس کے رواۃ میں امام سفیان بن عیینہ اور مسعر بن کدام جیسی ہستیاں ہیں۔ لیکن مسعر نے یہ نہیں بتایا کہ عطاء سے نقل کرنے والا کون ہے اور خود انھوں نے عطاء سے سنا نہیں۔ کاش وہ اس کا نام بیان کر دیتے تو اس روایت کی اصل حقیقت ظاہر ہو جاتی۔ اب یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس غائب شخص کی بکواس ہے اور عطاء کی جانب اس کی غلط نسبت کی گئی ہے اور اگر یہ نسبت درست ہے تب بھی غیبی امور میں تابعی یا بعد کے کسی شخص کا قول کوئی درجہ نہیں رکھتا اور نہ ان کا قول شریعت میں حجت ہو سکتا ہے

پھر لطف یہ ہے کہ انہی کے ہم عصر عبداللہ بن ابی ملیکہ ہیں عبدالرزاق نے ان سے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ کسی نے ان سے عرض کیا کہ زیاد المنقری جو ایک قصہ گو واعظ تھا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ شب برات کی فضیلت شب قدر کی طرح ہے۔ ابن ابی ملیکہ نے یہ سن کر فرمایا۔

لو سمعتہ یقول ذلک وفی یدی عصا لضربتہ بہ

کہ اگر میں اسے یہ بات کہتے ہوئے سنتا اور میرے ہاتھ میں لاٹھی ہوتی تو میں اس کا سر توڑ دیتا۔ مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۳۱۷

یہ واقعہ عبدالرزاق نے معمر کے ذریعہ ایوب سے روایت کیا ہے اور معمر اور ایوب کا وہی مقام ہے جو مدینہ میں امام مالک کا ہے۔

یہ زیاد المنقری کون تھا جس نے یہ بکواس کی تھی۔ عبدالرزاق کے الفاظ ہیں

وکان قاصا — یہ ایک قصہ گو واعظ تھا

یہ ایک داستان گو تھا۔ محدثین کے نزدیک ان لوگوں کو قاص کہا جاتا تھا جو بغیر تحقیق کے منبر پر چڑھ کر احادیث بیان کرتے۔ محدثین نے ایسے لوگوں کو بدترین قسم کا کذاب قرار دیا ہے۔ بلکہ وضاعین حدیث میں یہ پورا طبقہ شامل ہے گویا محدثین کی نظر میں اس قسم کی روایت کی حیثیت ایک داستان سے زیادہ نہیں

یہی وجہ ہے کہ عبدالرزاق نے شب براءت کی تمام روایات نقل کر کے آخر میں ابن ابی ملیکہ کا یہ جملہ نقل کر دیا ہے گویا بالفاظ دیگر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان تمام روایات کی حیثیت افسانوں سے زیادہ نہیں عبدالرزاق بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ ہیں۔

۴:۔ اس روایت میں کسی دن یا تاریخ کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مردوں کے نام پورے مہینے میں لکھے جاتے ہیں اور اس کے لیے کوئی دن مخصوص نہیں۔ اس طرح یہ روایت دیگر موضوع روایات کے خلاف ہو گی اور اس پر عمل اسی وقت ممکن ہو گا جب پورے شعبان کے روزے رکھے جائیں۔ حالانکہ اس کے شب براتیے بھی قائل نہیں۔ کیونکہ متواتر دو ماہ کے روزے اور شب بیداریاں ان کے نصب العین کے خلاف ہیں اور بس سے باہر ہیں۔

۵:۔ اس روایت سے ایک فائدہ تو ضرور ہوا کہ شب براءت کی شب بیداری سے نجات مل گئی۔ کیونکہ مرنے والوں کے نام دن میں لکھے جاتے ہیں رات میں نہیں۔ اگر رات میں لکھے جاتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان روزے رکھنے کے بجائے پورے شعبان شب بیداری فرماتے اور ایسا نہیں ہوا معلوم ہوا کہ وہ نام دن میں لکھے جاتے ہیں۔ اس لیے شب براتیوں کو بوقت مغرب نہ قبرستان جانے کی ضرورت ہے اور نہ کراچی کے نئی جٹی پل بھاگنے کی۔ اس روایت سے اتنا ہمارا مقصود حل ہو گیا ہے کہ اس رات کی کوئی فضیلت نہیں۔

۶:۔ اس روایت میں ایک نکتہ اور قابلِ غور ہے وہ مسلمان جو عیش و عشرت کی زندگی گذار رہے ہیں یا جن کا بینک بیلنس ابھی پورا نہیں ہوا انہیں چاہیئے کہ وہ اس ماہ کے پورے روزے رکھا کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا نام مردوں کے دفتر میں تحریر کر دیا جائے اور ان کو پتہ تک نہ چلے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ

یہ ایک قسم کی جسمانی رشوت ہے اور جو لوگ مفلوک الحال ہیں اور اپنی زندگی سے نالاں ہیں وہ خودکشی کرنے کے بجائے شعبان میں مطلقاً روزے نہ رکھیں کہ ان کا نام داخل دفتر کر دیا جائے اور اس طرح حرام موت کے بجائے حلال موت نصیب ہو۔

حضرت سہل بن سعد ۸۸ھ کی روایت

طبرانی ۳۶۰ھ نے اپنی "معجم اوسط" اور "معجم کبیر" میں حضرت سہل رض بن سعد سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم حتی نقول لا یفطر و یفطر حتی نقول لا یصوم وکان اکثر صومہ فی شعبان

مجمع الزوائد۔ ج ۳۔ ص ۱۹۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ اب آپ افطار نہ کریں گے اور افطار فرماتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزے نہ رکھیں گے اور آپ کے اکثر روزے شعبان میں ہوتے

امام ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

فیہ عمر بن صہبان متروک ج ۳۔ ص ۱۹۲

اس میں عمر بن صہبان متروک ہے۔

اس روایت پر کسی بحث کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر شعبان کے روزے رکھتے اس کی وجوہات کیا تھیں اس پر ہم حضرت عائشہ رض کی مرویات میں بحث کر چکے ہیں۔

ذہبی میزان ۷۴۸ھ میں لکھتے ہیں۔ یہ عمر بن صہبان الاسلمی المدنی ہے۔

اس کو عمر بن محمد بن صہبان بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی کنیت ابوجعفر اسلمی ہے۔ نافع اور زید بن اسلم سے روایت کرتا ہے۔ امام احمد ۲۴۱ھ فرماتے ہیں لم یکن بشیء (یہ کچھ نہیں) یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ کا قول ہے لا یساوی فلسا (یہ تو ایک پیسہ کے برابر بھی نہیں بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے ابوحاتم ۲۷۷ھ اور دار قطنی ۳۸۵ھ کہتے ہیں متروک الحدیث ہے۔ میزان ج۔۳ ص۲۰۷۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ ضعیف ہے ۱۵۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ تقریب ص۲۵۴

یہ حدیث اگرچہ روات کے لحاظ سے ضعیف ہے لیکن اکثر شعبان میں روزے رکھنا چونکہ حضرت عائشہ ۵۷ھ اور حضرت ام سلمہ ۶۲ھ سے صحیح طور پر ثابت ہے۔ اسی طرح لگاتار روزے رکھنا اور لگاتار افطار کرنا حضرت عائشہؓ، حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن عباس ۶۸ھ وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے اس لیے یہ روایت معنوی لحاظ سے صحیح ہے لیکن حضرت سہل بن سعد ۸۸ھ کی جانب اس کی نسبت مشکوک ہے۔ ہمارے خیال میں یہ حضرت عائشہ ۵۷ھ اور حضرت انس ۹۱ھ کی احادیث کا مکسچر تیار کر کے اسے حضرت سہلؓ کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔

پہلے بھی ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ ہمیں مطلق شعبان کے روزوں سے انکار نہیں۔ وہ خود ہمارے نزدیک ثابت شدہ ہیں۔ بلکہ ہمیں اختلاف چودہ یا پندرہ شعبان کے روزے سے ہے اور اس کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ یہ بلا دلیل آباؤ اجداد اور پیروں کی رسم پر عمل ہو رہا ہے۔

حضرت انس ۹۱ھ کی مرویات

امام احمد نے اپنی "مسند" اور طبرانی نے "اوسط" میں انس بن سیرین سے روایت کیا ہے۔

اتينا انس بن مالك في يوم خميس فدعا بمائدة ثم
فدعاهم الى الغداء فتناول القوم وامسك بعض
فقال لهم انس لعلكم اثنانيون لعلكم خميسون
كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
يصوم ولا يفطر حتى نقول ما في نفس رسول الله
صلى الله عليه وسلم ان يفطر العام ثم يفطر
حتى نقول ما في نفسه ان يصوم العام وكان احب
الصوم اليه في شعبان مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۲

ہم جمعرات کے روز حضرت انس رض کی خدمت میں پہنچے انھوں نے دستر خوان لگوایا اور لوگوں کو صبح کے کھانے کی دعوت دی، بعض نے کھانا کھایا اور بعض نے ہاتھ روک لیا۔ حضرت انس رض نے فرمایا شاید تم لوگ دوشنبہ والے ہو اور شاید تم جمعراتی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے اور افطار نہ کرتے حتی کہ ہم کہتے کہ اس سال آپ افطار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور جب افطار کرتے تو روزے نہ رکھتے حتی کہ ہم کہتے کہ اس سال آپ روزے ہی نہ رکھیں گے اور آپ کو شعبان میں روزے رکھنا زیادہ محبوب تھا۔

امام ہیثمی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

فيه عثمان ابن رشيد الثقفي وهو ضعيف

اس روایت میں عثمان بن رشید الثقفی ضعیف ہے۔

ذہبی میزان میں فرماتے ہیں

يروي عن انس بن سيرين ضعفه يحيى بن معين
میزان ج ۳ ص ۳۳

عثمان بن رشید انس بن سیرین سے روایت کرتا ہے، یحیی بن

معین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، نے دوشنبہ اور جمعرات کے روزے پر تو اعتراض فرمایا حالانکہ وہ حضورؐ سے ثابت ہیں۔ اس کی تفصیل حضرت اسامہؓ کی حدیث میں آتے گی۔ صحیح مسلم میں ابو قتادہؓ انصاری سے مروی ہے۔ آپؐ سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا

فیہ ولدت وفیہ انزل علی۔ مسلم ج۔۱ ص ۳۶۸

اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی۔

شعبان کے روزے اگرچہ حضورؐ سے ثابت ہیں۔ لیکن اس کی وجہ شعبان کی محبت نہیں۔ اس کی وجہ پر کسی اور جگہ تبصرہ کیا جا چکا اور حضرت انسؓ کا یہ فرمان کہ حضورؐ کو شعبان میں روزے محبوب تھے۔ اول تو یہ ان کی ذاتی رائے ہوگی جس سے حضرت عائشہؓ کو اختلاف ہے۔ ثانیاً حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ عثمان بن رشید نے زیادہ کیے ہیں۔ ورنہ اصل حدیث بخاری میں اس طرح مروی ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يفطر من الشهر حتى نظن ان لا يصوم منه ويصوم حتى نظن ان لا يفطر منه، وكان لا تشاء تراه من الليل مصليا الا رايته ولا نائما الا رايته۔

بخاری ج۔۱ ص ۲۶۴، ترمذی ج۔۱ ص ۱۲۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ افطار فرماتے حتی کہ ہم یہ خیال کرتے کہ اس ماہ آپؐ روزے نہ رکھیں گے اور جب آپؐ روزے رکھتے تو ہم گمان کرتے کہ اب آپ افطار نہ فرمائیں گے اور جب کوئی رات کو آپؐ کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتا تو نماز پڑھتے دیکھ لیتا اور جب آپؐ کو سوتے دیکھنا چاہتا تو سوتا دیکھ لیتا

اس حدیث میں حضرت انسؓ نے مہینہ کا ذکر کیا ہے نہ کہ سال کا، یعنی

ہر ماہ آپؐ کی یہی صورت حال ہوتی۔ یہ نہیں کہ جب آپؐ روزے رکھتے تو پورے سال رکھتے رہتے اور جب افطار کرتے تو پورے سال افطار کرتے رہتے یہ عثمان بن رشید کی جہالت کا کرشمہ ہے کہ اس نے لفظ شہر کو عام سے تبدیل کر دیا اس طرح واقعہ کا تعلق مہینہ کے بجائے سال بھر سے پیدا ہو گیا وھذا افک عظیم اور نہ اس حدیث میں شعبان کی محبوبیت کا ذکر ہے۔ یہ بھی عثمان بن رشید نے اضافہ کیا ہے۔

حضرت انسؓ[۹۱] کی ایک اور روایت

اس مضمون کی ایک اور روایت، ترمذی میں بھی پائی جاتی ہے جسے حافظ منذری نے "ترغیب وترہیب" میں اور شیخ عبدالقادر نے "غنیہ" میں ذکر کیا ہے۔ حافظ منذری اور شیخ صاحب کے الفاظ ہیں۔

سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان

غنیہ ج۔۲ ص ۶۷۸، ترغیب وترہیب ج۔۲ ص ۲۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے۔ آپؐ نے فرمایا رمضان کی تعظیم کے باعث شعبان کا روزہ۔

حافظ منذری ۶۵۶ھ اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔ امام ترمذی ۲۷۹ھ کا قول ہے۔

هذا حديث غريب — یہ حدیث خبر واحد ہے۔

حافظ منذری نے اس میں دو غلطیاں کی ہیں۔

۱: ترمذی کی پوری روایت نقل نہیں کی۔

۲: ترمذی نے جو اس پر جرح کی تھی وہ بھی ادھوری نقل کی۔ ہم ذیل میں

ترمذی کی پوری روایت نقل کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن اسمعیل نا موسی بن اسمعیل نا صدقة بن موسٰی عن ثابت عن انس قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الصوم افضل بعد رمضان قال شعبان لتعظیم رمضان قال فای الصدقة افضل قال صدقة فی رمضان۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۱۲

ہم سے محمد بن اسمٰعیل بخاری نے بیان کیا، ان سے موسٰی بن اسمٰعیل نے، ان سے صدقہ بن موسٰی نے وہ ثابت سے روایت کرتے ہیں وہ حضرت انسؓ سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ رمضان کے بعد کون سا روزہ افضل ہے آپؐ نے فرمایا رمضان کی تعظیم کے لیے شعبان کا روزہ سوال کیا گیا۔ کونسا صدقہ افضل ہے آپؐ نے فرمایا۔ رمضان میں صدقہ کرنا۔

اس کے بعد امام ترمذی ۲۷۹ھ فرماتے ہیں۔

ھذا حدیث غریب وصدقة بن موسٰی لیس عندھم بذلک القوی

یہ حدیث خبر واحد ہے اور صدقہ بن موسٰی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

اتفاق سے یہ روایت طحاوی ۳۲۱ھ نے "معانی الآثار" میں ان الفاظ میں روایت کی ہے۔

حدثنا ابن ابی داؤد نا موسٰی بن اسمعیل نا صدقة بن موسی عن ثابت عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال افضل الصیام بعد رمضان شعبان معانی الآثار ج ۱ ص ۳۴۱

ہم سے ابن ابی داؤد نے بیان کیا۔ ان سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے
ان سے صدقہ بن موسیٰ نے وہ ثابت کے ذریعہ حضرت انسؓ سے
نقل کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے
بعد شعبان کا روزہ افضل ہے۔

طحاوی کی روایت میں تعظیم رمضان کا کوئی ذکر نہیں۔ جب کہ ترمذی کی روایت میں تعظیم رمضان کا ذکر ہے۔ اِس طرح ایک ہی روایت میں تضاد پیدا ہو گیا اور پہلی روایت جو حضرت انس سے مروی تھی وہ اس کے بالکل خلاف تھی اِس روایت سے محسوس ہوتا ہے کہ شعبان کو بالزات کوئی فضیلت حاصل نہیں اور صرف رمضان کی عظمت میں شعبان کے روزے رکھے جاتے ہیں اور پہلی روایت سے معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کو شعبان کے روزے محبوب تھے۔

۲:۔ حضرت انس سے اِس حدیث کو۔ سوائے ثابت ۱۲۰ھ کے کوئی روایت نہیں کرتا۔ کیونکہ انس بن سیرین ۱۱۸ھ نے شعبان کے روزے محبوب ہونے کی روایت بیان کی اور حمید ۱۴۳ھ نے شعبان کا کوئی ذکر تک بھی نہیں کیا جیسا کہ بخاری کی روایت میں گذر چکا ہے۔ پھر ثابت سے بجز صدقہ کے اسے کوئی روایت نہیں کرتا اور صدقہ ضعیف ہے اور صدقہ سے موسیٰ بن اسمٰعیل کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اِس طرح یہ روایت تین زمانوں تک خبر واحد رہی۔ موسیٰ بن اسمٰعیل سے اسے روایت کرنے والے دو شخص ہیں۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری اور احمد بن ابی داؤد۔ اور ان دونوں کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ ایسی صورت میں یہ روایت کیسے حجت ہو گی۔

۳:۔ صدقہ بن موسیٰ بقول امام ترمذی محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے امام ذہبی فرماتے ہیں یہ صدقہ بصرہ کا باشندہ ہے۔ اس کی کنیت ابو المغیرہ ہے امام ابو حاتم فرماتے ہیں۔

یکتب حدیثہ ولیس بقوی — میزان ج ۲ ص ۳۱۲

اس کی حدیث تو لکھ لی جاتی لیکن یہ قوی نہیں ہے۔
اور نسائی اور ابن معین وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ہیثمی مجمع الزوائد میں فرماتے ہیں۔

اخرجہ الترمذی وغرب حدیثہ ولیس بذلک القوی عندھم وقال البیہقی ضعفہ احمد وابن معین

مجمع الزوائد ج۔ ۳ ص ۱۹۰

ترمذی نے اس سے روایت لی ہے اور اس کی حدیث کو غریب قرار دیا ہے اور یہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے، بیہقی کہتے ہیں۔ اسے امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے

۴۔ یہ روایت حدیث صحیح کے بھی خلاف ہے۔ بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

افضل الصیام بعد صیام شھر رمضان شھر اللہ المحرم مسلم ج۔ ا ص ۳۶۸، ترمذی ج۔ ا ص ۱۲۲

رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ محرّم کا روزہ ہے۔

حدیث صحیح کی موجودگی میں حدیث ضعیف کو کیسے قبول کیا جاسکتا ہے اسی باعث حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں ابوہریرہؓ کی روایت پر بحث کرتے ہوتے ترمذی کی اس روایت کا رد کیا ہے۔

۵۔ اس حدیث سے پورے شعبان کے روزے ثابت ہوں گے نہ کہ صرف پندرہ شعبان کا۔ اور بحث پندرہ شعبان کے روزے اور پندرھویں شب کی شب بیداری پر ہے۔ پورے شعبان پر بحث نہیں۔ اگر ہمارے علماء یہ سوچ کر کہ حضورؐ نے شعبان کے روزے رکھے ہیں پورے شعبان کے روزوں کا حکم دیں تو ہمیں ہرگز کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ تکلیف آپ ہی کو ہوگی۔

۱۶۔ مصنف "غنیہ" نے اِس روایت کو حسبِ عادت ابو نصر اور اس کے باپ سے روایت کیا ہے اور اُوپر کی سند غائب کردی ہے۔ اس لیئے "غنیہ" کی روایت کو کسی نتیجے کے ثبوت میں پیش کرنا حلال نہیں۔

حضرت انسؓ پر ایک نیا بہتان

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فضل رجب علی سائر الشهور كفضل القرآن على سائر الكلام وفضل شعبان على سائر الشهور كفضلى على سائر الانبياء وفضل رمضان على سائر الشهور كفضل الله على سائر خلقه

غنیہ ج۔ ۱ صنہ ۶۸

رجب کی تمام مہینوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے قرآن کی تمام کلاموں پر اور شعبان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مجھے تمام انبیاء پر اور رمضان کو تمام مہینوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے اللہ کو تمام مخلوق پر۔

شیخ صاحب نے اس کی سند ہی غائب کردی ہے۔ لیکن یہ روایت دیلمی نے بھی نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا راوی ہبۃ اللہ السقطی ہے جسے شیخ صاحب اپنا امام اور شیخ قرار دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جن روایتوں کی شیخ صاحب نے سندات ذکر نہیں کیں وہ سب اسی سے مروی ہوں۔ حافظ ابن عراق الکنانی نے اپنی کتاب "التنزیہ الشریعہ" میں فرماتے ہیں۔

رواه الديلمي فى مسند الفردوس من حديث انس وفى سنده من لم اعرفه وفيه هبة الله السقطى

قال ابن ناصر لیس بثقة وظهر کذبہ ۔

تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۲۳

دیلمی نے اسے فردوس میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔
اس کی سند میں بعض رواۃ ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔
اور اس میں ہبۃ اللہ السقطی ہے۔ ابن ناصر کہتے ہیں وہ ثقہ نہیں
ہے اور اس کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے۔

حافظ ابن حجر "تبیین العجب فی ماورد فی رجب" میں رقم طراز ہیں۔
فیہ ھبۃ اللہ السقطی فھو الاٰفۃ تنزیہ الشریعہ ج ۱ ص ۱۱۶
اس میں ہبۃ اللہ السقطی ہے وہ تو آفت ہے۔

علامہ ابن السمعانی المتوفی ۵۰۳ھ جو اس ہبۃ اللہ کے ہم عصر ہیں اور
شیخ صاحب سے عمر میں بہت بڑے ہیں اور شیخ صاحب کی جوانی میں ان کا
انتقال ہوا ہے فرماتے ہیں۔

غیر انہ ادعی اسماءً من شیوخ لم یرھم ا
فرأیت فی معجمہ اخبرنا ابو محمد الجوھری قرأۃ
علیہ وھذا محال ما لحقہ ولا سنہ تحتملہ ۔

میزان ج ۴ ص ۲۹۲

اس نے ایسے شیوخ سے سماع حدیث کا دعوٰی کیا جنہیں اس نے
دیکھا تک نہ تھا۔ میں نے اس کی معجم میں دیکھا ہے وہ کہتا ہے
ہمیں ابو محمد الجوہری نے خبر دی اور ان کے سامنے حدیث پڑھی
گئی۔ یہ محال ہے کیونکہ ہبۃ اللہ نے نہ تو ابو محمد سے ملاقات
کی اور نہ اس کی عمر اتنی تھی کہ ان سے ملاقات کر سکتا۔

اس ہبۃ اللہ کا انتقال ۵۰۹ھ میں ہوا اور حافظ جوہری ۲۴۷ھ میں
وفات فرما گئے۔ اس طرح ہبۃ اللہ کی عمر کم از کم دو سو ستر سال ہونی چاہیئے۔

ملا علی قاری حنفی اپنی موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں۔

قال العسقلانی ھو موضوع   موضوعات کبیر ص ۲۷۸

ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں یہ روایت موضوع ہے۔

۱۲۔ ان تین ماہ کی فضیلت تو بیان کر دی گئی کیونکہ اس وقت میلاد اور گیارہویں کا رواج نہ ہوا تھا۔ اب ان دونوں مہینوں کے لیے بھی کچھ نہ کچھ روایات ہونی چاہئیں۔ علماء اور صوفیاء اس پر بھی کچھ توجہ دیں۔ کیا یہ کہانیاں وضع کرنا پرانے پیروں ہی کا کام تھا؟ موجودہ دور کے پیر آخر کیا کرتے رہتے ہیں

۱۳۔ اللہ تعالٰے نے چار مہینوں کو محرم فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ عِدَّۃَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ

توبہ : ۳۶

یقیناً اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں اس روز سے جب کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا مہینوں کی تعداد بارہ ہے جن میں سے چار مہینے محترم ہیں۔   توبہ ، ۳۶

یہ چار مہینے کون سے ہیں۔ ان کا بیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سن لیجئے۔ ارشاد ہے۔

ان الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق اللہ السموات والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدہ وذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی و شعبان۔   بخاری ج ۲ ص ۶۷۲ ، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۵

زمانہ آج کے دن گھوم کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر اس وقت تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرماتے

سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے جن میں سے چار محترم مہینے ہیں تین تو لگاتار ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا قبیلہ مضر کا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

اس خبیث راوی نے چار میں سے صرف ایک کا ذکر کیا اور تین کو نظر انداز کر کے ان کی جگہ شعبان کا اضافہ کیا۔ حالانکہ ماہ ذی الحجہ اور خصوصاً اس کے ابتدائی دس دن تو تمام ایام سے افضل ہیں۔ اس طرح حضورؐ نے جو ترتیب بیان فرمائی تھی یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم وہ صوفیار نے تبدیل کر کے رجب، شعبان، اور رمضان کر دی، گویا عیاذاً باللہ حضورؐ کا فرمان غلط تھا۔ ہمارے علماء و صوفیار نے حضورؐ کے فرمان کو چھوڑ کر ان زنادقہ کے اقوال کو اپنے سینوں سے لگا لیا ہے جو کہ لائق افسوس ہے۔

ان مہینوں کو محرم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اہلِ عرب ان میں جنگ حرام سمجھتے تھے ابتدا میں اسلام میں بھی یہی حکم رہا جو بعد میں منسوخ ہو گیا اس طرح ان مہینوں کی جو عظمت تھی وہ ختم ہو گئی۔ صرف ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی عزت حج کے باعث باقی رہی۔

طبرانی ۳۶۰ھ نے خرشتہ بن حر ۷۴ھ سے روایت کیا ہے۔ یہ خرشتہ یتیم تھے۔ انھیں حضرت عمرؓ نے پرورش کیا تھا۔ ابوداؤد کہتے ہیں یہ صحابی ہیں ۷۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ تقریب صـ۹۲

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم رجب حتی یضعوھا فی الطعام و یقول رجب و ما رجب انما رجب شھر کان یعظمہ اھل الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام ترک۔

مجمع الزوائد ج ۳ صـ۱۹۱

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھوں پر جو رجب

میں روزہ رکھتے لکڑیاں مارتے اور انہیں کھانا کھاتے اور روزہ توڑنے پر مجبور کرتے اور فرماتے یہ رجب رجب کیا بلا ہے۔
رجب ایسا مہینہ ہے جس کی اہلِ جاہلیت تعظیم کیا کرتے تھے۔
جب اسلام آیا تو وہ تعظیم ختم کر دی گئی۔
(گویا اسلام جن امور کو مٹانے آیا تھا۔ صوفیا ر نے انہی امور کو اسلام کا لبادہ اڑھا کر دوبارہ زندہ کر دیا۔ اب اسے تصوف کہا جاتے یا زندقہ و الحاد۔ اس کا فیصلہ ہم قارئین پہ چھوڑتے ہیں۔
امام ہیثمی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

فیہ الحسن بن جبلۃ ولم اجد من ذکرہ وبقیۃ رجالہ ثقات

اس میں ایک راوی حسن بن جبلہ ہے اور کسی نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ باقی تمام رواۃ ثقہ ہیں۔
ابن ماجہ نے ابن عمر سے روایت کیا ہے۔

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صیام رجب۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے سے منع فرمایا۔

۴:۔ ان تمام امور کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جاتے۔ تب بھی اس روایت سے کسی قسم کا کوئی عمل ثابت نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے بھی یہ روایت مہمل ہے اور پھر اس سے پورے شعبان کی فضیلت ثابت ہو گی اور اس صورت میں پورے شعبان کے روزے اور تمام شعبان کی شب بیداری لازم آئے گی اور فریق مخالف بھی اس کے قائل نہیں۔ ایسی صورت میں اس روایت کا پیش کرنا ہی حماقت ہے۔

صلوٰۃ الرغائب

یہ ایک ایسی مشہور نماز ہے جو صوفیاء کی اکثر کتابوں میں پائی جاتی ہے۔ اس کا واضع علی بن عبداللہ بن جہضم ہے جو ایک مشہور صوفی تھا اور "بہجۃ الاسرار" کا مصنف ہے جو تصوف کی ایک اہم ترین کتاب سمجھی جاتی ہے شیخ عبدالقادر نے بھی یہ روایت سند کے ساتھ اسی سے نقل کی ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

اخبرنا الشیخ ابوالبرکات ھبۃ اللہ السقطی انا القاضی ابوالفضل جعفر بن یحیی بن الکمال المکی انا ابوعبداللہ الحسین بن عبدالکریم بن محمد الجزری بمکۃ فی المسجد الحرام انا ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جھضم الھمدانی انا ابوالحسن علی بن محمد بن سعید السعدی البصری انا ابی قال انا خلف بن عبداللہ الصغانی عن حمید الطویل عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان شھر امتی قیل یارسول اللہ ما معنیٰ قولک شھر اللہ قال صلی اللہ علیہ وسلم لانہ مخصوص بالمغفرۃ وفیہ تحقن الدماء وفیہ تاب اللہ تعالیٰ علی انبیاءہ وفیہ نقض اولیاءہ من اعدائہ من صامہ استوجب علی اللہ تعالیٰ ثلاثۃ اشیاء مغفرۃ لجمیع ماسلف من ذنوبہ وعصمتہ مابقی من عمرہ واما الثالث یامن العطش یوم العرض الاکبر

فقام شیخ ضعیف فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم صم اول یوم منہ واوسط یوم فیہ واخر
یوم منہ فانک تعطی ثواب من صام کلہ فان
الحسنۃ بعشر امثالھا ولکن لا تغفلوا عن اول لیلۃ
جمعۃ فی رجب فانھا لیلۃ تسمیہا الملائکۃ الرغائب
وذالک انہ اذا مضی ثلث اللیل لا یبقی ملک
فی جمیع السموات والارضین الا ویجتمعون فی الکعبۃ
وحوالیھا فیطلع اللہ تعالی علیھم اطلاعۃ فیقول
ملائکتی سلونی عما شئتم فیقول ربنا حاجتنا ان
تغفر لصوام رجب فیقول اللہ تعالی قد فعلت ذلک
ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما من احد
یصوم یوم الخمیس اول خمیس فی رجب ثم یصلی فی
ما بین المغرب والعشاء العتمۃ یعنی لیلۃ الجمعۃ اثنتی
عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب مرۃ
وانا انزلناہ فی لیلۃ القدر ثلاث مراۃ وقل ھو
اللہ احد اثنتی عشرۃ مرۃ ویفصل بین کل رکعۃ
بتسلیمۃ فاذا فرغ من صلوتہ صلی علیؐ سبعین
مرۃ یقول اللھم صلی علی محمد نبی الامی وعلی الہ
وسلم ثم یسجد سجدۃ یقول فی سجدہ سبوح قدوس
رب الملائکۃ والروح سبعین مرۃ ثم یرفع راسہ
فیقول رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم فانک
انت العزیز الاعظم ثم یسجد الثانیۃ فیقول
فیھا ما قال فی السجدۃ الاولی ثم یسال اللہ تعالی

حاجتہ فی سجودہٖ فانہا تقضی، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہٖ مامن عبد ولا امۃ صلی ھذہٖ الصلوٰۃ الا غفر اللّٰہ لہٗ، جمیع ذنوبہٖ ولو کانت مثل زبد البحر والرمل ووزن الجبال وعدد قطر الامطار وورق الاشجار وشفع یوم القیمۃ فی سبع مائۃ من اھل بیتہٖ فاذا کان اول اللیلۃ فی قبرجاءہ ثواب ھذہٖ الصلوٰۃ بوجہ طلق ولسان ذلق فیقول یاحبیبی البشر فقد نجوت من کل شدۃ فیقول من انت فواللّٰہ ما رایت رجلا احسن وجھا من وجھک ولا سمعت کلاما احلی من کلامک ولا شممت رائحۃ اطیب من رائحتک فیقول لہٗ یا حبیبی انا ثواب تلک الصلوٰۃ التی فی لیلۃ کذا فی شھر کذا فی سنۃ کذا جئت اللیلۃ لاقضی حاجتک وانس وحدتک وارفع عنہ وحشتک فانا نفخ فی الصور اظللتک فی عرصۃ القیمۃ علی راسک فابشر فلن تعدم الخیر من مولاک ابداً۔

غنیہ ج ۱ ص ۲۶۱

ہم سے شیخ ابوالبرکات ہبۃ اللّٰہ السقطی نے بیان کیا۔ وہ ابوالفضل جعفر بن یحییٰ بن الکمان المکی سے نقل کرتا ہے وہ ابوعبداللّٰہ الحسین بن عبدالکریم بن محمد الجزری سے جس نے یہ روایت مکہ میں مسجد حرام میں بیان کی (جھوٹ کے لیے کیا مسجد حرام سے بڑھ کر کوئی اور جگہ نہ تھی۔ اللّٰہ تعالیٰ ان دروغ گوؤں پر اپنی لعنت نازل فرماتے) وہ کہتا ہے ہم سے علی بن عبداللّٰہ بن جہضم الہمدانی

نے بیان کیا۔ وہ ابوالحسن علی بن محمد بن سعید السعدی البصری سے روایت کرتا ہے۔ وہ اپنے باپ سے وہ خلف بن عبداللہ الصغانی سے وہ حمید الطویل سے وہ انس بن مالک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ رجب اللہ کا مہینہ، شعبان میرا مہینہ اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ دریافت کیا گیا یارسول اللہ! اللہ کے مہینے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا یہ مہینہ مغفرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی میں خونوں کا بدلہ لیا جاتا ہے اور اسی ماہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کی توبہ قبول کی اور اسی ماہ میں اپنے اولیاء کو اپنے دشمنوں سے بچایا۔ (نقض کے معنی بچانے کے نہیں آتے توڑنے کے آتے ہیں اور اس جگہ اولیاء اللہ سے مراد شیعہ ہیں اور دشمنوں سے مراد امیر معاویہؓ ہیں۔ کیونکہ ماہِ رجب میں ان کا انتقال ہوا۔ اور یہ کونڈے اسی خوشی میں کیے جاتے ہیں اسی لیے ماہِ رجب کو یہ تمام فضائل حاصل ہیں) جس شخص نے اس ماہ کے روزے رکھے اس کے لیے اللہ تعالیٰ پر تین چیزیں لازم ہونگی۔ اول تمام گذشتہ گناہوں کی مغفرت، دوئم باقی عمر گناہوں سے عصمت (یعنی یہ روزے رکھنے والے انبیاء کی طرح معصوم ہیں۔ لیکن انبیاء کی عصمت وہبی ہے اور انکی عصمت کسبی ہے، تیسری بڑی پیشی یعنی روزِ حساب میں پیاس سے مامون رکھنا۔ ایک کمزور بوڑھے نے کھڑے ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں تمام ماہ کے روزے رکھنے سے عاجز ہوں۔ آپؐ نے فرمایا۔ یکم، پندرہ اور آخر دن کا روزہ رکھ لیا کر۔ اس طرح تجھے پورے ماہ کے روزوں کا اجر دیا جائے گا۔ کیونکہ ہر نیکی کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ لیکن رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ ہو

کیونکہ فرشتوں نے اس کا نام رغائب رکھا ہے اور صورت یہ ہے کہ جب تہائی رات گذر جاتی ہے کہ ہر زمین اور ہر آسمان کے تمام فرشتے کعبہ میں یا اس کے ارد گرد جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر طلوع فرماتا ہے اور کہتا ہے تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو۔ وہ عرض کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری خواہش تو صرف یہ ہے کہ آپ رجب کے روزے رکھنے والے کی مغفرت فرما دیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ان کی مغفرت کی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص رجب کی پہلی جمعرات کا روزہ رکھے اور جمعہ کی شب میں مغرب و عشاء کے درمیان بارہ رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ ایک بار، انا انزلناہ فی لیلۃ القدر تیرہ بار اور قل ھو اللہ احد بارہ بار پڑھے اور ہر رکعت پر سلام پھیرے اور نماز سے فارغ ہو کر مجھ پر ستر مرتبہ درود پڑھے اور کہے۔ اے اللہ نبی امی محمد اور ان کی آل پر درود و سلام بھیج (پھر سجدہ کرے اور سجدہ میں ستر مرتبہ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح پھر اپنا سر اٹھا کر یہ دعا پڑھے۔ اے میرے پروردگار مغفرت فرما اور رحم فرما اور ان گناہوں سے درگذر فرما جنھیں آپ جانتے ہیں۔ کیونکہ آپ غالب اور بڑے ہیں۔ پھر دوسرا سجدہ کرے اور دوسرے سجدے میں بھی اسی طرح کہے۔ پھر سجدے میں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرے تو وہ سوال پورا کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کوئی بندہ اور بندی ایسی نہیں جو یہ نماز پڑھے

اللہ تعالیٰ اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔ خواہ وہ سمندر کے جھاگ یا ریت کے ذرات یا پہاڑوں کے وزن، یا بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کے برابر کیوں نہ ہوں۔ قیامت کے روز اس کے سات سو گھر والوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور جب قبر میں اس کی پہلی رات ہو گی تو اس نماز کا ثواب آئے گا۔ جس کا چہرہ نہایت حسین ہو گا اور شیریں زبان میں گفتگو کرتا ہو گا اور کہے گا اے میرے دوست خوش ہو جا تو نے ہر شدت سے نجات پائی۔ نماز پڑھنے والا سوال کرے گا تو کون ہے۔ اللہ کی قسم میں نے آج تک تجھ سے زیادہ حسین اور تجھ سے زیادہ شیریں کلام نہیں دیکھا اور نہ تیری خوشبو سے زیادہ بہتر کوئی خوشبو سونگھی وہ اس سے کہے گا کہ اے میرے دوست میں تیری اس نماز کا ثواب ہوں کہ جو تو نے فلاں فلاں مہینہ فلاں سال پڑھی تھی۔ میں تیرے پاس اس لیے آیا ہوں کہ تیری حاجت پوری کروں، تیری تنہائی میں تیرا مونس بنوں اور تیری وحشت دور کر دوں۔ جب قیامت کے روز صور پھونکا جائے گا تو میں میدانِ قیامت میں تیرے سر پر سایہ کروں گا۔ تو خوش ہو جا۔ تیرے مولا کی جانب سے تیرے لیے خیر کبھی معدوم نہ ہو گی۔

اس روایت کے بارے میں پہلے آپ دیگر علماء کے فیصلے ملاحظہ فرمائیں ملا علی قاری حنفی نے اپنی "موضوعات کبیر" میں امام محمد بن الجزری الشافعی مصنف "حصن حصین" سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وکذا صلوۃ عاشوراء وصلوۃ الرغائب موضوع بالاتفاق وکذا بقیۃ صلوات لیالی رجب ولیلۃ

النصف من شعبان مائة ركعة فی كل ركعة عشر مرات بالاخلاص ولا تغتر بذكرها فی قوت القلوب واحياء العلوم ولا بذكر الثعلبی فی تفسيره وكذا فی شرح الاوراد موضوعات كبير ص ۲۷۶

اسی طرح نماز عاشوراء اور صلوٰۃ الرغائب بالاتفاق موضوع ہیں جس طرح رجب کی بقیہ راتوں کی نمازیں موضوع ہیں۔ اسی طرح شعبان کی پندرھویں شب میں سو رکعت نماز اور ہر رکعت میں دس بار سورۂ اخلاص پڑھنا یہ بھی موضوع ہے۔ اور یہ روایات "قوت القلوب" اور "احیاء العلوم" میں دیکھ کر دھوکہ نہ کھانا۔ اور ثعلبی نے انھیں جو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے یا "شرح الاوراد" میں جو یہ روایات مذکور ہیں ان سے بھی دھوکہ نہ کھانا (اور غنیہ کے نام سے بھی دھوکہ نہ کھانا)

"قوت القلوب" ابو طالب مکی کی تصنیف ہے اور تصوف پر ایک قیمتی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ تصوف کی اکثر خرافات کا ماخذ یہی ہے۔

"احیاء العلوم" امام غزالی المتوفی ۵۰۵ھ کی مشہور کتاب ہے "غنیہ" کی طرح اس میں اگرچہ کچھ باتیں عمدہ ہیں۔ لیکن یہ تمام موضوعات اس میں بھری ہوئی ہیں۔ بلکہ یہ کتاب صوفیاء کی خلاف علم وعقل کہانیوں کا مجموعہ ہے، حافظ عراقی المتوفی ۸۰۶ھ نے اس پر تخریج لکھی ہے۔ جس میں "احیاء" کی روایات پر بحث کی گئی ہے اور امام ابن الجوزی المتوفی ۵۹۷ھ نے اپنی "تلبیس ابلیس" میں احیاء کی ان کہانیوں کا فقہی لحاظ سے رد کیا ہے جو انھوں نے صوفیاء کے بارے میں لکھی تھیں۔ حاصل کلام یہ کہ محدثین اور فقہاء محققین کے نزدیک یہ کتابیں ناقابل اعتبار ہیں۔

امام ذہبی نے حافظ سعید بن عمرو البردعی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں

امام الرجال، حافظ الحدیث ابوزرعہ رازی المتوفی ۲۶۴ھ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے صوفی حارث محاسبی المتوفی ۲۴۳ھ کی کتابوں کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے فرمایا۔

ایاک وھذہ الکتب ھذہ کتب بدعۃ وضلالات علیک بالاثر فانک تجد فیہ مایغنیک۔

تو ان کتابوں سے پرہیز کر، یہ بدعت و گمراہی کی کتابیں ہیں تو حدیث کو لازم پکڑ، تجھے احادیث میں ہر وہ شئے مل جائے گی جو تجھے دوسری چیز دل سے بے نیاز کردے گی۔

امام ذہبی ۷۴۸ھ امام ابوزرعہ رازی کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

این مثل الحارث فکیف لورای ابوزرعۃ تصانیف المتاخرین کالقوت لابی طالب واین مثل القوت کیف رای بھجۃ الاسرار لابن جھضم وحقائق التفسیر للسلمی طارلبہ کیف لورای تصانیف ابی حامد الطوسی (غزالی) فی ذلک علی کثرۃ ما فی الاحیاء من الموضوعات کیف لورای الغنیۃ للشیخ عبدالقادر کیف لورای فصوص الحکم وفتوحات المکیۃ بلی لما کان الحارث لسان القوم فی العصر کان معاصرہ الف امام فی الحدیث مثل احمد بن حنبل وابن راھویہ ولما صار ائمۃ الحدیث مثل ابن الدخمیسی وابن شمانۃ کان قطب العارفین کصاحب الفصوص وابن سفیان نسال اللہ العفو والمسامحۃ آمین میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۳۱

حارث کی کیا مثال۔ اگر ابوزرعہ متاخرین کی کتابیں دیکھ لیتے جیسے ابوطالب کی "قوت القلوب" اور یہ بھی کوئی اتنی گری ہوئی نہیں ہے۔ اگر ابوزرعہ ابن جہضم کی "بہجۃ الاسرار" اور ابوعبدالرحمان سلمی کی "حقائق التفسیر" دیکھ لیتے تو ان کی عقل ہی اُڑ جاتی اور اگر بالفرض وہ ابو حامد غزالی کی کتابیں دیکھ لیتے کہ کس طرح انھوں نے "احیاء العلوم" میں موضوعات کا انبار لگایا ہے۔ اگر وہ عبدالقادر کی "غنیہ" دیکھ لیتے اور اگر وہ ابن عربی کی "فصوص الحکم" اور "فتوحات المکیہ" کا مطالعہ کر لیتے تو ان کا کیا حال ہوتا۔ حالانکہ حارث جب اپنے ہم خیال لوگوں کی زبان بن کر سامنے آتے تو اس وقت ایک ہزار حدیث کے امام ان کے معاصر تھے (یعنی ان کا جواب دینے کے لیے) جیسے امام احمد بن حنبل المتوفی سنہ ۲۴۰ھ اور امام اسحاق بن راہویہ سنہ ۲۳۸ھ۔ لیکن جب ابن الدخمیسی اور ابن شحانہ جیسے (لاعلم) لوگ حدیث کے امام بن گئے تو "فصوص الحکم" کا مصنف (ابن عربی) اور ابن سفیان جیسے لوگ قطب العارفین بن گئے۔ ہم اللہ سے معافی اور درگذر کے طالب ہیں۔ آمین

ملا علی قاری حنفی المتوفی سنہ ۱۰۱۴ھ نے اپنی "موضوعات کبیر" کے آخر میں علامہ ابن قیم جوزی سنہ ۷۵۱ھ کا ایک مضمون نقل کیا ہے۔ موصوف اس میں فرماتے ہیں۔

وکذلک احادیث صلوٰۃ الرغائب اول جمعۃ من رجب کلھا کذب وامثلھا ما رواہ عبد الرحمن بن مندۃ وھو صدوق عن ابن جھضم وھو واضع الحدیث حدثنا علی بن محمد بن

سعید البصری ثنا ابی ناخلف بن عبد اللہ الصغانی
عن حمید بن انس یرفعہ رجب شہر اللہ وشعبان شہری
ورمضان شہر امتی الحدیث وفیہ لا تغفلوا عن
اول جمعۃ من رجب فانہا تسمیہا الملائکۃ الرغائب
وذکر الحدیث بطولہ قال ابن الجوزی اتہموا
بہ ابن جہضم ونسبوہ الی الکذب قال وسمعت
عبد الوہاب الحافظ یقول رجالہ مجہولون
فتشت علیہم جمیع الکتب فما وجدتہم۔
موضوعات کبیر مترجمہ ص ۵۳۹

اسی طرح صلوٰۃ الرغائب کی احادیث جو رجب کے پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی ہیں سب جھوٹ ہیں اور اس کی مثال وہ روایت ہے جو عبد الرحمان بن مندہ نے جو بالذات سچے آدمی ہیں روایت کی ہے۔ وہ ابن جہضم سے نقل کرتے ہیں جو واضع الحدیث ہے۔ وہ علی بن محمد بن سعید البصری سے وہ خلف بن عبد اللہ الصغانی سے وہ حمید بن انس سے وہ اسے مرفوعاً بیان کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا مہینہ، اور رمضان میری امت کا مہینہ (اور بقیہ مہینے کس کے ہیں) رجب کے پہلے جمعہ کی شب سے غافل نہ ہو۔ کیونکہ فرشتوں نے اس رات کا نام رغائب رکھا ہے۔ پھر اس نے ایک طویل حدیث بیان کی۔ ابن جوزی فرماتے ہیں۔ محدثین کہتے ہیں کہ اس روایت کو صوفی ابن جہضم نے وضع کیا اور ان محدثین نے اس ابن جہضم کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں۔ میں نے حافظ عبد الوہاب سے سنا

وہ فرماتے تھے اس کے تمام رواۃ مجہول ہیں۔ میں نے تمام کتابیں تلاش کیں۔ لیکن ان ناموں کے افراد میں نے کسی کتاب میں نہیں پاتے۔

(میں نے تمام کتب رجال کا مطالعہ کیا ہے لیکن جعفر بن یحییٰ بن الکمال اور عبد الکریم بن محمد الجزری کا حال کہیں نظر نہیں آیا یہ اس روایت کو ابن جہضم سے نقل کر رہے ہیں)

امام ذہبی ان رواۃ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بل لم یخلقوا — بلکہ یہ وجود میں بھی نہ آتے تھے

حافظ ابن حجر "تبیین العجب فی ما ورد فی رجب" میں فرماتے ہیں۔

ان ابن جہضم مشہور بوضع الحدیث وشیخہ والبوہ وشیخ ابیہ مجہولون — تنزیہ الشریعہ ج۔۲۔ص۹۰

ابن جہضم احادیث وضع کرنے میں مشہور ہے اور ابن جہضم کا شیخ اور اس کے شیخ کا باپ اور اس کے باپ کا شیخ تینوں مجہول ہیں۔

حافظ ابن عراق الکنانی رقم طراز ہیں۔

علی بن عبد اللہ بن جہضم الزاہد متہم بالوضع للحدیث — تنزیہ ج۔۲۔ص۹۰

علی بن عبد اللہ بن جہضم جو ایک زاہد (یعنی صوفی) ہے اس پہ وضع حدیث کا اتہام ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں اس کا ذکر خیر کرتے ہوتے لکھتے ہیں۔

قاتل اللہ واضعہا ومخترعہا — صحیح مسلم ج۔۱۔ص۳۶۱

اللہ تعالیٰ اس روایت کے وضع کرنے والے اور بنانے والے کو قتل کرے۔

امام ابن القیم فرماتے ہیں۔

کذاب خبیث کذاب ہے، جھوٹا ہے

اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولنے اور افترا بازی میں سب سے اول نمبر صوفیاء کا ہے۔ اگرچہ شیعہ اس مرض میں مشہور ہیں لیکن ان کا جھوٹ اہل بیت کی مدح اور صحابہ کرام کی اہانت تک محدود ہے جبکہ صوفیاء نے اپنے جھوٹ میں کسی مضمون کو باقی نہیں چھوڑا۔ ان میں سے بعض حضرات عمداً تو جھوٹ نہ بولتے تھے اور نہ ان پر وضع حدیث کا اتہام ہے۔ بلکہ ان کا جھوٹ صرف اس حد تک تھا کہ جو کچھ سنا بلا تحقیق روایت کر دیا۔ خواہ بیان کرنیوالا کذاب وخبیث ہی کیوں نہ ہو۔ شیخ عبد القادر جیلانی اور غزالی وغیرہ کا یہی حال ہے۔ ان لوگوں کا حدیث اور رجال سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان میں ایک گروہ ایسا ہے کہ اس نے روایات تو مشہور محدثین سے سنیں لیکن انھیں صحیح طور پر یاد نہیں رکھ سکے۔ جنید بغدادی، عبد الواحد بن زید وغیرہ اس صف میں داخل ہیں۔ تیسرا گروہ ان نادان صوفیاء کا ہے کہ جس نے حدیث سننے کے بعد جب اسے بیان کیا اور کسی نے ان کو لقمہ دیا کہ یہ الفاظ نہیں بلکہ "فلاں الفاظ ہیں" تو ان لوگوں نے اسے قبول کر کے اصل حدیث کے بجائے اسے بیان کرنا شروع کر دیا۔ ان تینوں طبقوں میں ایک شے سب میں مشترک ہے اور وہ ہے علم حدیث سے ناواقفیت اور بالاتے حیرت یہ ہے کہ ابن جہضم خبیث کی کتاب "بہجۃ الاسرار" کا شیخ صاحب نے باقاعدہ درس دیا اور شاگردوں کو اس کے درس کی اجازت دی۔ جیسا کہ صوفی نیاز احمد دہلوی نے شاہ عبد القادر وغیرہ سے نقل کیا ہے۔

ان میں سب سے بدترین فرقہ وہ ہے جو احادیث وضع کرتا اور اسے جائز تصور کرتا اور جب اس کی گرفت کی جاتی تو یہ عذر تراشتا کہ ہمارا مقصود حضورؐ پر جھوٹ بولنا نہیں۔ بلکہ ہم حضورؐ کی مدد کے لیے جھوٹ بول رہے ہیں

ہیں۔ اس طبقہ میں ابو عبد الرحمان سلمی، اور ابن جہضم وغیرہ ہیں۔ ابو داؤد الاعمی صوفی، غیاث بن ابراہیم، نوح بن ابی مریم اور سعید المصلوب نے ہزار ہا احادیث گھڑیں اور اسی جرم میں خلفائے بنو امیہ اور بنی عباس نے سعید المصلوب اور نوح بن ابی مریم وغیرہ کو پھانسی پر چڑھایا۔

ہمارے نزدیک اس جھوٹ کی ایک مخفی وجہ یہ بھی ہے کہ تمام صوفیاء عجمی النسل تھے یا جن کا عرب قبائل سے تعلق بھی تھا۔ لیکن ان قبائل نے حضورؐ کی حیات میں اسلام قبول نہ کیا تھا اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کے رعب و دبدبہ سے مرعوب ہو کر بظاہر تو اسلام لے آئے لیکن بباطن اسلام کے پردہ میں اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے۔ عبد اللہ بن سبا، حسن بن صباح، برامکہ اور ابو مسلم خراسانی وغیرہ کی مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان سب کے پس پشت وہی شیعوں کی سیاست کار فرما تھی۔ اسی لیے ہر پیر کو زبردستی سید بنایا گیا۔ حالانکہ ان میں سے اکثر و بیشتر کا اہل عرب سے کوئی دور کا بھی تعلق نہ تھا جیسے شیخ عبد القادر جیلانی۔ جو ترک غلاموں کی نسل سے تھے

اسلام نے علم کی روشنی پھیلا کر زمانہ جہالت کی تمام رسومات کا قلع قمع کر دیا تھا۔ لیکن جن لوگوں نے دل سے اسلام قبول نہ کیا تھا انھوں نے خلفائے ثلثہ کے خاتمہ کے بعد انہی مردہ رسومات کو اسلام کا لبادہ پہنا کر اور حضورؐ و صحابہ کا نام لے کر پیش کرنا شروع کیا اور بعد میں یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا۔

ماہ رجب کی کفار کے دلوں میں بہت عظمت تھی۔ اس ماہ میں جنگ حرام تھی۔ کفار عرب اس ماہ میں مختلف قسم کی قربانیاں اور نذر و نیاز دیتے۔ اور اس ماہ کے روزے رکھتے۔ ان کی ان رسومات کو فرع، عتیرہ اور رجبیہ کہا جاتا اسلام نے ان سب کو ختم کر دیا تھا اور اعلان کیا تھا۔

لا فرع ولا عتیرۃ فی الاسلام نسائی ج ۲۔ ص ۱۶۶

ابو داؤد ج ۲۔ ص ۳۵

اسلام میں فرع اور عتیرہ نہیں

لا رجبیۃ فی الاسلام اسلام میں رجبیہ نہیں

اسی باعث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں کی ممانعت فرمائی۔ ابن ماجہ نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صیام رجب۔ ابن ماجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرمایا۔

طبرانی ۳۶۰ھ نے خرشتہ بن حر ۷۴ھ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم رجب حتی یضعونہ فی الطعام ویقول رجب ومارجب انما رجب شھر کان یعظمہ اھل الجاھلیۃ فلما جاء الاسلام ترک۔

مجمع الزوائد۔ ج ۳۔ ص ۱۹۱

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ رجب میں روزہ رکھنے والوں کے ہاتھوں پر ڈنڈے مارتے حتیٰ کہ وہ کھانے پر ہاتھ نہ بڑھا دیتے اور فرماتے یہ رجب رجب کیا شے ہے۔ رجب ایک ایسا مہینہ ہے۔ جس کی اہل جاہلیت تعظیم کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا وہ تو وہ عظمت ترک کر دی گئی۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان صوفیاء کو یہ روایات بیان کرتے دیکھ لیتے تو کذب علی الرسول کے جرم میں شاید ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے اور جب محدثین کرام نے ان روایات کی تردید شروع کی تو انہوں نے پینترا بدل

کہ ماہ رجب کو معراج کا مہینہ قرار دیدیا اور اس طرح ستائیسویں رجب کی فضیلت بظاہر ثابت کر کے لکھی روزہ وضع کر لیا گیا۔ اعاذنا اللہ من ھذا الطغیان۔

صحیح مسلم میں ہے کہ امام سعید بن جبیر ۹۴ھ تابعی سے کسی نے رجب کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا مجھ سے ابن عباسؓ ۶۸ھ نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص دن یا کسی خاص ماہ کے روزوں کے پابند نہ تھے۔ بلکہ آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپؐ روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے چلے جاتے اور جب چھوڑتے تو لگاتار چھوڑتے۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۵

حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ کے خاص طور پر روزے رکھتے۔ انھوں نے فرمایا۔

لا واللہ ان صام شھرا معلوما سوا رمضان
حتی مضی لوجھہ ولا افطر حتی یصیب منہ
مسلم ج ۱ ص ۳۲۵ ، نسائی ج ۱ ص ۲۲۰

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے علاوہ کسی متعینہ مہینے کے کبھی روزے نہیں رکھے اور نہ کوئی ایسا مہینہ گذرا جس میں مکمل افطار کیا ہے۔

یعنی آپؐ کی یہ عادت نہ تھی کہ پندرہ شعبان، یا رجب کی پہلی جمعرات یا ستائیسویں تاریخ ہی کو روزہ رکھا جاتے۔ بلکہ جب بھی موقعہ ملتا تو نفلی روزے رکھ لیتے اور جب رکھتے تو صرف ایک یا دو روزہ رکھ کر نہ چھوڑتے۔ متعینہ مہینہ تو صرف رمضان کا ہے جس میں آپؐ روزے رکھتے۔

ان دشمنانِ دین نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر جھوٹی روایات گھڑ لیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی جانب منسوب کر دیا ان

کے چیلوں نے انھیں اولیاء اللہ اور پیر بنا کر پیش کیا اور اس جھوٹ کا نام علم سینہ بسینہ اور کشف رکھا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ زہر اتنا پھیلا کہ ہمارے علماء بھی اس رَو میں بہہ گئے۔ انھیں بھی اپنے آباؤ اجداد اور احبار و رہبان کی اندھی تقلید یاد آنے لگی۔ نتیجتہً سب کے سب اس آیت کا مصداق بن گئے

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے پادریوں اور بزرگوں کو رب بنا لیا ہے۔

۱۲۔ ابن جہضم نے اس نماز کے لیے رجب کے پہلے جمعہ کی شب کو خاص کیا ہے۔ حالانکہ "صحیح مسلم" میں حضورؐ کا یہ فرمان موجود ہے۔

لا تختصوا لیلۃ الجمعۃ بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعۃ بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصوم احدکم

راتوں میں سے جمعہ کی رات کو قیام کے لیے خاص نہ کرو۔ اور دنوں میں جمعہ کے دن کو روزے کے لیے خاص نہ کرو۔ ہاں اگر جمعہ تمہارے روزوں کے درمیان واقع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

مسلم ج۔۱ ص۳۶۱

امام نووی رحمۃ اللہ المتوفی ۶۷۶ھ "شرح صحیح مسلم" میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوتے رقم طراز ہیں۔

وفی ھذا الحدیث النھی الصریح عن تخصیص لیلۃ الجمعۃ من بین اللیالی ویومھا بصوم و ھذا متفق علی کراھیۃ واحتج بہ العلماء علی کراھیۃ ھذہ الصلوۃ المبتدعۃ اللتی تسمی الرغائب قاتل اللہ واضعھا ومخترعھا فانہ بدعۃ

منکرۃ من البدع التی ھی ضلالۃ وجہالۃ وفیہا منکرات ظاہرۃ وقد صنف جماعۃ من الائمۃ مصنفات نفیسۃ فی تقبیحہا وتضلیل مصلیہا ومبتدعہا ودلائل قبحہا وبطلانہا وتضلیل فاعلیہا اکثر من ان تحصر مسلم ج ۱ ص ۳۶۱

اس حدیث میں قیام کے لیے جمعہ کی رات کو خاص کرنے اور روزوں کے لیے جمعہ کے دن کو خاص کرنے کی صریح ممانعت ہے اور اس کی حرمت پر اتفاق ہے۔ علماء نے اسی حدیث کے ذریعہ اس بدعت نماز کی حرمت پر استدلال کیا ہے جسے صلوٰۃ الرغائب کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس نماز کے وضع کرنے والے اور گھڑنے والے کو قتل کرے۔ کیونکہ یہ ایک بدعت منکرہ ہے اور ان بدعات میں داخل ہے جو خالص گمراہی اور جہالت پر مبنی ہوتے ہیں۔ ائمہ کرام کی ایک جماعت نے اس نماز کے رد میں عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں اس نماز کی قباحت اس نماز پڑھنے والے کی گمراہی اس کے بدعت باطل ہونے اور یہ نماز پڑھنے والے کے گمراہ ہونے پر اتنے دلائل پیش کیے ہیں جو حد و شمار سے باہر ہیں۔

بقول امام نووی رحمہ اللہ متقدمین نے اس مفروضہ نماز کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں لیکن ہمیں افسوس موجودہ دور کے علماء پر ہے جنہوں نے آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ کر ان کتابوں کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور ان سے زیادہ تعجب غزالی ۵۰۵ھ اور عبدالقادر ۵۶۱ھ جیسے لوگوں پر ہے جنہوں نے بلا تحقیق اپنی کتابوں میں اس قسم کی روایات کو جگہ دی اور خصوصاً غزالی پر بہت ہی زیادہ تعجب ہے کہ وہ فقہ شافعیہ کے امام تھے اور

سب سے زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو اپنے آپ کو اہل حدیث کے نام سے منسوب کرتے ہیں اور غنیہ جیسی مہمل کتاب کا ترجمہ کر کے اپنے مکتبہ سے شائع کرتے ہیں۔ جس کی صرف دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

۱۔ یا تو یہ کتاب شائع کرنے والوں کے پیش نظر دین نہیں بلکہ تجارت ہے۔ کیونکہ ان کی جماعت ان مہملات کی قائل نہیں۔ تو اگر یہ غرض ہے تو اس سے کہیں بہتر تھا کہ ابن صفی کے جاسوسی ناول شائع کرتے۔ آمدنی بھی زیادہ ہوتی اور بدعات کی ترویج سے بھی محفوظ رہتے۔

۲۔ چونکہ شیخ عبد القادر نے "غنیہ" کے شروع میں رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ کے موضوع پر مردود روایات جمع کی ہیں۔ اس لیے انھوں نے اسے احناف کا جواب تصور کر لیا۔ نیز عبد القادر جیلانی نے امام ابو حنیفہؒ اور ان کے متبعین کو گمراہ فرقوں میں شمار کیا ہے۔ اس لیے غیر مقلدین نے اپنی ابو حنیفہ دشمنی کے باعث اس کتاب کا ترجمہ کرا کر شائع کیا اور یہ سمجھے کہ ہم نے میدان سر کر لیا ہے۔ لیکن کجا ابو حنیفہ اور کجا عبد القادر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

اگر بریلوی انہی روایات کو پیش کر کے غیر مقلدین سے جواب طلب کریں تو غیر مقلدین بغلیں جھانکتے نظر آئیں گے۔ ہمیں ان باتوں سے غرض نہیں صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں کھانے کے اور۔

۳۔ ابن جہضم صوفی سے اوپر کے تمام رواۃ عالم وجود میں بھی نہ آتے تھے۔ وہ تو فرضی نام ہیں۔ رہا ابن جہضم اس کا پورا نام علی بن عبد اللہ بن جہضم ہے۔ جو مکہ میں صوفیاء کا شیخ سمجھا جاتا تھا۔ حدیثیں گھڑنے میں مشہور تھا۔ ۴۱۴ھ میں اس کی موت واقع ہوئی۔ (میزان ج ۳ ص ۱۴۲) شیخ صاحب اور ابن جہضم کے درمیان اس روایت میں تین راوی ہیں۔ پہلا راوی وہی ابو البرکات

ہبتہ اللہ ہے جو مشہور کذاب ہے۔ بقیہ دونوں راوی یعنی ابو الفضل جعفر بن یحییٰ بن الکمال المکی اور ابو عبداللہ حسین بن عبدالکریم بن محمد الجزری دونوں مجہول ہیں۔ گویا وہ بھی عدم سے وجود میں نہ آتے تھے۔

۴: ابن جہضم نے بیان کیا تھا کہ حضرت انسؓ سے ۹۱ھ سے اس حدیث کا راوی حمید بن انس ہے جو ایک فرضی نام تھا لیکن ہبتہ اللہ نے اسے حمید الطویل سے تبدیل کر دیا اور حمید الطویل ۱۴۳ھ حضرت انسؓ کے شاگرد ہیں۔ لیکن خالی حمید کی تبدیلی سے روایت صحیح نہ ہو جائے گی۔ بقیہ رواۃ کا کیا کیا جائے گا۔

ہم نے اس روایت پر جو یہ طویل بحث کی ہے بظاہر یہ مضمون سے غیر متعلق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس روایت کے ابتدا میں یہ الفاظ تھے کہ شعبان شہری۔ جس سے واضع نے شعبان کی فضیلت کی جانب اشارہ کیا تھا۔ ہم نے سوچا کہ دونوں کام ایک ساتھ ادا ہو جائیں۔ ورنہ اگر رجب پر بحث ہوتی تو ہم اس روایت کی اور بھی خامیاں پیش کرتے۔ لیکن چونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔ اس لیے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

شعبان کی وجہ تسمیہ

عبدالقادر جیلانی نے غنیہ میں اور ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔

تدرون لم سمی شعبان لانہ یتشعب فیہ لرمضان خیر کثیر وانما سمی رمضان لانہ یرمض الذنوب ای یذھبھا عن الحی — غنیہ ج ۱ ص ۶۷۸

تم جانتے ہو کہ شعبان کو شعبان کس لیے کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں رمضان کے لیے خیر کثیر پھوٹتی ہے اور رمضان کو رمضان

اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ گناہوں کو جھاڑ دیتا ہے۔ یعنی گرمی سے دُور کرتا ہے۔

شیخ عبد القادرؒ نے تو بے پر اڑنے کی کوشش لاحاصل فرماتی ہے یعنی اس روایت کی کوئی بھی سند بیان نہیں کی۔ امام محمد بن سیرین المتوفی سنہ ۱۱۰ھ کا ارشاد ہے۔

الاسناد دینٌ فانظروا عمن تاخذون دینکم

سند بھی دین ہے۔ تم غور کر لیا کرو کہ اپنا دین کس سے حاصل کر رہے ہو۔

لیکن ابوالشیخ نے اس کی سند بیان کی ہے۔ ان کی سند میں زیاد بن میمون الثقفی البصری الفاکہی ہے۔ حافظ ابن عراق الکنانی "تنزیہ الشریعہ" میں اس روایت کے موضوع ہونے پر بحث کرتے ہوتے لکھتے ہیں۔

فیہ زیاد بن میمون الثقفی الفاکہی عن انس ویقالُ له زیاد بن ابی حسان وزیاد بن ابی عمار وزیاد ابو عمار ھالکٌ اعترف بالکذب۔

اس کی سند میں زیاد بن میمون الثقفی الفاکہی ہے جو حضرت انسؓ سے روایت کرتا ہے۔ اس کو زیاد بن ابی حسان، زیاد بن ابی عمار اور زیاد ابو عمار بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ایک تباہ کن شخص ہے۔ اس نے اپنے جھوٹ کا اعتراف کیا تھا۔

تنزیہ الشریعہ ج۔۲ ص۱۶

امام ذہبی رقم طراز ہیں کہ اس نے اپنے باپ کے مختلف نام اور مختلف کنیتیں رکھی تھیں تاکہ لوگوں کو اس کا صحیح حال معلوم نہ ہو۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ یہ تو ایک معمولی شے کے برابر بھی نہیں، یزید بن ہارون کہتے ہیں کذاب ہے۔ بخاری کہتے ہیں۔ محدثین نے اس کی روایت کو ترک

کردیا ہے دارقطنی کہتے ہیں ضعیف ہیں۔ ابوزرعہ ۲۶۴ھ کہتے ہیں۔ اس کی حدیث ردی ہے۔ ابوداؤد طیاسی ۲۰۴ھ کا بیان ہے۔

اتیتہ فقال استغفر اللہ وضعت ھذہ الاحادیث

میں اس کے پاس گیا۔ تو بولا میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں میں نے ہی یہ احادیث وضع کی ہیں۔

بشر بن عمر الزہرانی ۲۰۹ھ کا بیان ہے کہ میں ابن زیاد کے پاس گیا اور اس سے حضرت انس کے بارے میں دریافت کیا تو کہنے لگا۔

احسبونی کنت یھودیا او نصرانیا قد رجعت عما کنت احدث بہ عن انس لم اسمع من انس شیئا۔

تم مجھے یہودی سمجھو یا نصرانی۔ میں نے حضرت انسؓ سے جتنی احادیث بیان کی ہیں سب سے رجوع کر لیا ہے۔ کیونکہ میں نے حضرت انسؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

شیخ عبدالقادرؒ نے انہی باتوں کی وجہ سے سند ہی اڑا دی ہے۔ تاکہ ابن سمعانی اور ابن جوزی ۵۹۷ھ وغیرہ ان سے روات پر بحث نہ کرنے لگیں جو شیخ صاحب اور ان کے ہمنواؤں کے بس کا روگ نہیں۔

یزید بن ہارونؒ ۲۰۶ کا بیان ہے کہ میں نے اس سے روایت نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ کیونکہ اس نے مجھ سے ایک بار حدیث بیان کی اور بولا کہ یہ بکر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ جب میں اس کے پاس دوبارہ گیا تو میں نے اس سے اس حدیث کے بارہ میں دوبارہ پوچھا تو بولا مجھ سے یہ مورق نے بیان کی ہے۔ میں سہ بارہ گیا اور پھر اس سے اسی حدیث کے بارہ میں دریافت کیا تو کہنے لگا مجھ سے حسن بصری نے بیان کی ہے۔

ابوداؤد طیاسی ۲۰۴ھ کا بیان ہے کہ میں اور عبدالرحمان بن مہدی ۱۹۸ھ

زیاد بن میمون کے پاس گئے اور ہم نے اس سے دریافت کیا کہ تم یہ حضرت انس رضؓ سے کیسی حدیثیں بیان کرتے ہو۔ بولا۔ بتاؤ اگر کوئی توبہ کرے تو کیا اللہ اس کی توبہ قبول نہ کرے گا۔ ہم نے جواب دیا کیوں نہیں کہنے لگا۔

ما سمعت من انس من ذا قلیلا ولا کثیرا فانما الا تعلمان

انی لم الق انسا انا لم یعلم الناس

میں نے حضرت انس رضؓ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ نہ تھوڑی نہ زیادہ تم بھی اسی طرح یہ بات نہیں جانتے جس طرح اور لوگ نہیں جانتے کہ میں نے حضرت انس رضؓ سے ملاقات تک نہیں کی۔

ابوداؤد طیاسی سنہ ۲۰۴ھ کا بیان ہے کہ اس اقرار کے بعد بھی اس نے پھر دوبارہ حضرت انس رضؓ سے حدیثیں نقل کرنی شروع کر دیں۔ ہم دوبارہ اس کے پاس گئے وہ بولا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد پھر وہی حضرت انس سنہ ۹۱ھ سے روایات بیان کرنی شروع کر دیں۔ میزان ج ۲ ص ۹۴

یہ روایت ویسے بھی خلاف عقل ہے۔ اس لیے مہینوں کے یہ نام زمانۂ کفر سے چلے آرہے ہیں۔ لازماً ان کی وجہ تسمیہ کچھ اور رہی ہوگی۔ لغویین کا بیان ہے کہ رمض کے معنی چھوڑنا ہیں اور رمضان کو رمضان اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مہینہ عرب میں نہایت شدید گرمی میں آتا اور اونٹنی گرمی کے باعث اپنے بچوں کو بھی اپنے پاس نہ آنے دیتی اس لیے اسے رمضان کہا جاتا ہے اور رجب میں چونکہ جنگ حرام سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے جب شعبان شروع ہوتا تو قبائل جنگ کے لیے نکل کھڑے ہوتے اس لیے اسے شعبان کہا جاتا ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ چونکہ یہ مہینہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی اسے رمضان کہا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ علماء کی ایک رائے تھی جسے شیخ صاحب نے اپنی لاعلمی سے حدیث بنا کر پیش کر دیا۔

ایک دُعا

شیخ صاحب نے حضرت انسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب کا مہینہ آتا تو یہ دعا فرماتے۔

اللّٰھم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا رمضان

غنیہ ج ۱ ص ۱۵۳

اے اللہ ہمارے لیے رجب وشعبان میں برکت فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا۔

اِس روایت کا راوی وہی ہبۃ اللہ کذاب ہے اور اس نے اوپر کی سند بیان نہیں کی۔ ایسی روایت تو قابلِ غور بھی نہیں ہوتی حضورؐ کا ارشاد ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع مسلم ج ۱ ص ۸

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر سُنی ہوئی بات بیان کردے۔

صحابہ کرام کا دستور
شیخ عبدُالقادرؒ کی زبانی

عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت انسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے۔

کان اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا نظروا الی ھلال شعبان اکبوا علی المصاحف یقرؤنہا واخرج المسلمون زکوۃ اموالھم لیتقوی بہ الضعیف والمسکین علی صیام شھر رمضان

ودعا الولاة اهل السجن فمن کان علیہ حد قاموا علیہ والا خلوا سبیلہ وانطلق التجار فقضوا ما علیھم وقبضوا مالھم حتی اذا نظروا الی ہلال رمضان اغتسلوا واعتکفوا۔ غنیہ ج۔ ا ص ۶۸۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب شعبان کا چاند دیکھتے تو مصحفوں پر ان کو پڑھنے کے لیے جھک جاتے اور مسلمان اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالتے۔ تاکہ ضعیف و مسکین رمضان کے روزے رکھنے کی قوت حاصل کرلیں۔ حکام قیدیوں کو طلب کرتے اور اگر ان پر کوئی حد ہوتی تو اُسے قائم کرتے ورنہ ان کا راستہ چھوڑ دیتے یعنی بری کر دیتے، تاجر لوگ اپنا قرض ادا کرتے اور دوسروں سے اپنا قرضہ طلب کرتے۔ حتیٰ کہ جب رمضان کا چاند دیکھتے تو غسل کرتے اور اور اعتکاف فرماتے۔ غنیہ ج۔ ا ص ۶۸۱

۱:۔ شیخ صاحب نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں فرمائی اور بلا سند کوئی روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس روایت میں اور بھی ایسے امور پائے جاتے ہیں جو صراحتاً حدیث اور تاریخ کے خلاف ہیں۔

۲:۔ قرآن مجید باقاعدہ مصحف کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے یہ نسخہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہا۔ اگرچہ اوروں کے پاس کچھ لکھے ہوئے قرآن موجود تھے لیکن وہ کامل قرآن نہ تھے۔ بلکہ مختلف صحابہ نے اپنی یادداشت کے لیے مختلف صورتوں کو بلا ترتیب یکجا لکھ لیا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق کے بعد مصحف صدیقی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے یہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رہا۔

جب حضرت عثمانؓ کے دور میں افریقہ کے علاقہ میں مسلمانوں میں قرآن کے معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ اور حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے مصحف صدیقی منگاکر اس کی چار نقلیں کرائیں۔ جن میں سے ایک کوفہ، ایک بصرہ، ایک شام اور ایک مکہ روانہ کی گئی اور اصل مدینہ میں محفوظ رکھی گئی۔ حضرت عثمانؓ نے اس خطرہ کے باعث کہ کہیں امت میں قرآن کے معاملہ میں اختلاف نہ پیدا ہو جائے تو جن جن حضرات کے پاس اپنے اپنے تحریر کردہ قرآن موجود تھے وہ سب منگواکر جلوا دیئے (بخاری)

اس طرح تمام صحابہ قرآن مجید کی حفظ تلاوت کرتے اور جہاں اشتباہ واقع ہوتا یا تو کسی سے دریافت کر لیتے یا اصل میں جاکر دیکھتے۔ اس طرح دورِ صحابہ میں مصاحف کی تعداد صرف پانچ رہی اور تمام صحابہ کا صرف پانچ مصاحف میں دیکھ کر تلاوت کرنا اور ان پہ جھکنا خلاف عقل اور محال ہے اگر صرف یہ کہا جاتا کہ صحابہ اس میں قرآن مجید کی زیادہ تلاوت کرتے تو کچھ عقل کی بات ہوتی۔ لیکن جو الفاظ شیخ صاحب نے نقل کئے ہیں وہ خلافِ عقل بھی ہیں اور خلافِ تاریخ بھی اور جو روایت خلافِ عقل صریحہ یا خلاف تاریخ ہو وہ جھوٹی ہوتی ہے۔

۳:۔ کیا صحابہ کرام شعبان و رمضان کے علاوہ تلاوت نہ کیا کرتے تھے وہ چودھویں صدی کے ان حافظوں کی طرح نہ تھے جن کا گذارہ تراویح پڑھانے پر ہوتا ہے۔

۴:۔ صحابہ کرام کے دور میں نہ تو قید خانے عام تھے اور نہ محض شبہ پر کسی کو قید کیا جاتا تھا اور نہ قید خانے تعمیر کیئے گئے تھے۔ خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں از روئے تاریخ صرف دو شخصوں کو قید کیا گیا۔ جن میں ایک ابو محجن ثقفی تھے۔ جنھوں نے شراب پی تھی جنھیں حضرت سعد بن ابی وقاص ۱۵ھ نے

ایک مکان میں ان کو بند کر دیا تھا۔ کیونکہ جنگ قادسیہ جاری تھی۔ انھوں نے سوچا تھا کہ جنگ سے فراغت کے بعد ان پر حد جاری کی جائے گی لیکن جب جنگ نے شدت اختیار کر لی تو حضرت سعدؓ کی زوجہ سلمیٰ نے ابو محجن کو رہا کر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عمر ۲۳ھ شہید ہوتے تو عبید اللہ بن عمرؓ نے غصہ میں ان لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا جن پر اپنے والد کے قتل کا شبہ تھا مثلاً ہرمزان وغیرہ تو حضرت سعد بن ابی وقاص ۵۵ھ نے انھیں پکڑ کر اپنے گھر میں بند کر دیا اور جب حضرت عثمان خلیفہ ۳۵ھ ہو گئے تو ان کے سامنے پیش کر دیا۔ حضرت عثمان نے ہرمزان کی دیت دے کر انھیں رہا کر دیا۔ پوری تاریخ میں یہ صرف دو واقعات ملتے ہیں اور جب قیدخانوں کا وجود ہی نہ تھا تو کسی کو قید کرنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔

۵۔ اسلام ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ صرف شبہ میں کسی کو قید کر دیا جائے۔ اگر یہ جائز ہوتا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قاتل ابو لؤلؤ فیروز کو قید فرماتے جو انھیں قتل کی دھمکی دے کر گیا تھا اور حضرت عثمان غنی ان لوگوں کو قید فرماتے جو ان کے خلاف سازش میں شریک تھے اور جن میں سے بہت سوں کو وہ جانتے تھے۔ لیکن انھوں نے کسی کو قید نہیں کیا۔

۱۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں زکوٰۃ کی وصولیابی کے لیے کوئی مہینہ متعین نہ تھا۔ بلکہ جو قبیلہ اسلام لاتا گیا اس کے اسلام کے ایک سال بعد زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے آدمی روانہ کیا جاتا اور اس کا حساب ان کے اسلام سے ہوتا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے سہولت کے لیے ماہ رجب کا تعین فرمایا تاکہ سہولت کے ساتھ سب جگہ سے زکوٰۃ وصول ہو جائے۔ شعبان کا تعین کسی دور میں نہیں ہوا۔ راوی نے یہ روایت گھڑ کر پوری تاریخ کو جھٹلایا ہے۔ اسی لئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ صوفیاء کرام

علم کے نام سے نابلد ہیں۔

۷:۔ تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں کہ صحابۂ کرام رمضان میں تجارت ترک کر دیا کرتے تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو تمام کاروبار بند ہو جاتا اور جب کاروبار بند ہوتا تو افطار و سحر بھی کہاں سے میسر آتا۔ چلیئے ایک تاجر پیشہ تو پہلے سے انتظام کر کے رکھ لیتا لیکن غریب اور مزدور طبقہ کیا کرتا۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رمضان میں مزدوری کرتا تو پھر یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوگا کہ سب ہی اعتکاف کرتے حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی سب صحابہ نے اعتکاف نہیں کیا۔ بلکہ جب ایک بار آپؐ نے اعتکاف کیا اور آپؐ کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے بھی اعتکاف فرمایا اور حضرت عائشہ کی دیکھا دیکھی حضرت حفصہؓ اور حضرت زینبؓ نے بھی اعتکاف کے لیے اپنے خیمے لگا لیے اور حضورؐ کی ان خیموں پر نظر پڑی۔ آپؐ نے دریافت کیا یہ کیسے خیمے ہیں صحابہ نے آپؐ کو بتایا کہ یہ فلاں فلاں کے خیمے ہیں۔ آپؐ نے غصہ میں فرمایا۔

البر ھٰذا البر ھٰذا   ابو داؤد ج ۱ ص ۳۳۱

بخاری ج ۱ ص ۲۷۲

کیا نیکی یہی ہے ؟ کیا نیکی یہی ہے ؟

اور اس کے بعد اعتکاف توڑ دیا اور خیمے اکھاڑنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ تمام مسلمانوں یا ان کی اکثریت کو اعتکاف میں بیٹھنا چاہئے نہیں اور نہ حضورؐ اسے پسند فرماتے۔ اسی لیے علماء کا قول ہے کہ اعتکاف فرض کفایہ ہے جو ایک شخص کے ادا کرنے سے پورے اہلِ محلہ پر سے فرض ساقط ہو جاتے گا۔ یہ کوئی سنت مؤکدہ یا واجب یا فرض عین نہیں جس کا کرنا ہر شخص پر ضروری ہو۔ غالباً شیخ صاحب نے اسے سنت مؤکدہ تصور کر لیا اور پھر اسے ثابت کرنے کے لیئے ایک فرضی کہانی بھی بیان کر ڈالی۔ ابھی تک تو ہم سمجھتے رہے تھے کہ صوفیاء علم حدیث سے

ناواقف ہوتے ہیں۔ لیکن ان واقعات نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ فقہ اور تاریخ سے بھی لاعلم ہوتے ہیں۔

۸:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ سے پورے ماہ رمضان کا اعتکاف قطعاً ثابت نہیں۔ کیونکہ اعتکاف میں سنت دس دن ہیں نہ کہ پورا ماہ۔ حضورؐ نے پوری زندگی میں صرف ایک بار بیس روز کا اعتکاف فرمایا اور آپؐ کے چند صحابہ بھی آپؐ کے ساتھ شریک تھے اور جس کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب آپؐ نے ایک سال اعتکاف شروع کرنے کے بعد توڑ دیا تھا جیسا کہ اوپر کے واقعہ میں گذرا ہے۔ آپؐ نے اگلے سال رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف فرمایا۔ گویا دس دن قضا کے تھے اور بقیہ دس دن اس سال کا اعتکاف تھا۔ اس طرح بیس دن ہوتے۔ حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے۔

اعتکفنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العشر الاوسط من رمضان قال فخرجنا صبیحۃ عشرین فقال انی رایت لیلۃ القدر وانی نسیتھا فالتمسوھا فی العشر الاواخر من رمضان۔

بخاری ج۔۱ ص۲۷۲، مسلم ج۔۱ ص۳۷۰ ابوداؤد ج۔۱ ص۲۰۳

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درمیان رمضان کا اعتکاف کیا۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ بیس تاریخ کو اعتکاف سے باہر نکلے اور فرمایا مجھے لیلۃ القدر بتائی گئی تھی لیکن میں اسے بھول گیا۔ تم رمضان کے آخر عشرہ میں اسے تلاش کرو۔

گویا اس اعتکاف سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ لیلۃ القدر کو معلوم کیا جائے اور آپ کو اس کا علم بھی دیدیا گیا تھا۔ لیکن آپؐ بھول گئے جس کی وجہ یہ پیش آئی تھی کہ جب آپؐ بیسویں تاریخ کی صبح کو اپنے خیمے

سے باہر نکلے تو دو شخصوں کو مسجد میں لڑتے دیکھا جن کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر فتلاحی فلان و فلان فرفعت وعسی ان یکون خیرا لکم فالتمسوھا فی التاسعۃ والسابعۃ والخامسۃ

بخاری ۔ ج ۔ ا ص ۲۷۱

میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لیے نکلا تھا تو فلاں فلاں شخص جھگڑ رہے تھے اس لیے وہ اٹھالی گئی (یعنی اس کا علم) اور ممکن ہے کہ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہو۔ اب تم لیلۃ القدر کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ کا بیان ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتکف الاواخر من رمضان حتی توفاہ اللہ ثم اعتکف ازواجہ من بعدہ ۔ بخاری ج ا ص ۲۷۱، مسلم ج ا ص ۳۷۱ ترمذی ج ا ص ۱۲۸، ابوداؤد ج ۔ ا ص ۳۳۱

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر رمضان کا اعتکاف فرماتے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات دی، پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج بھی آخر رمضان کا اعتکاف کرتی رہیں۔

گویا حضورؐ نے ہمیشہ ایک بار کے علاوہ صرف دس روز کا اعتکاف فرمایا اور ازواج مطہرات بھی آپؐ کے بعد صرف دس روز کا اعتکاف کرتی رہیں اب پورے ماہ کے اعتکاف کا کیا مسئلہ باقی رہ گیا۔ یہ صحابہ پر بہتان ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ مضمون اور صراحت کے

ساتھ مروی ہے۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعتکف فی کل رمضان عشرۃ ایام فلما کان العام الذی قبض فیہ اعتکف عشرین ۔ بخاری ج ۔ ا ص ۲۷۴، ترمذی ج ۔ ا ص ۱۲۸ ، ابوداؤد ج ۔ ا ص ۳۴۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس روز کا اعتکاف فرماتے لیکن جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اُس سال آپؐ نے بیس روز کا اعتکاف فرمایا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ دس روز کا اعتکاف فرمایا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام آپؐ کی سنت کے خلاف عمل کرتے اور یہ بھی یاد رکھیے کہ جب حضورؐ اور صحابہ سے پورے ماہ کا اعتکاف ثابت نہیں تو پورے ماہ کا اعتکاف کرنا بدعت و گمراہی ہے۔

۹۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ رمضان کے روزے ۲ھ میں فرض ہوتے اور اسی کے ساتھ اعتکاف کا حکم نازل ہوا۔ بشرطیکہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ روزے کے بارے میں جتنی آیات نازل ہوئیں سب ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ ورنہ ایک احتمال کا مزید اور اضافہ ہو جائے گا۔ تب بھی حضورؐ کی وفات تک آٹھ رمضان واقع ہوں گے۔ یہ بھی یاد رکھیے کہ فتح مکہ رمضان میں واقع ہوئی اس سال اعتکاف تو کجا روزے بھی قضا کئے گئے اور ایک سال اور بھی اعتکاف ترک فرمایا جس کا ذکر اُوپر بخاری کے حوالے سے گذر چکا۔ اس طرح حضورؐ نے زندگی میں کل چھ اعتکاف فرمائے۔ کیونکہ جب آپؐ جہاد وغیرہ میں ہوتے تو اعتکاف ترک فرما دیتے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اعتکاف اس وقت ہو گا جبکہ جہاد یا اسی قسم کا اور کوئی دینی فریضہ اس میں حارج نہ ہو۔ ورنہ اعتکاف ترک کر دیا جائے گا۔

صوفیاء صاحبان اب ہمیں یہ بتادیں کہ صحابہ کرام ابوبکرؓ ۱۳ھ کے زمانے سے خلافت بنوامیہ تک کس وقت آرام سے بیٹھے رہے۔ بلکہ ان کا تمام وقت جہادوں میں گذرا حتیٰ کہ دارمی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ جہاد کے باعث بارہ سال تک نماز قصر ادا کرتے رہے۔ یہ ہمیشہ کے اعتکافات اور وہ بھی پورے پورے ماہ کے صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی میدانِ جنگ کو دیکھ کر روح قبض ہوتی ہو۔ ایسے لوگ چلّہ کشی اور تسبیحات گھمانے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ کرام سے حضورؐ کی وفات کے بعد قطعاً اعتکاف ثابت نہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکرؓ ۱۳ھ، حضرت عمرؓ ۲۳ھ، حضرت عثمانؓ ۳۵ھ، حضرت علیؓ ۴۰ھ، حضرت ابوموسیٰ اشعری ۴۴ھ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۳۲ھ، حضرت زبیر ۳۶ھ، حضرت طلحہؓ ۳۶ھ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ۵۵ھ وغیرہ کسی ایک بڑے صحابی سے تو اعتکاف ثابت کیجئے۔ کجا کہ سب جہاد چھوڑ کر اعتکاف میں لگ جائیں۔

۱۰۔ یہ بھی بیان فرمادیجئے کہ کیا اعتکاف یا رمضان کے روزوں سے قبل غسل فرض ہے یا یہ بھی کوئی چلّہ ہے جس کے لیے صوفیاء کے یہاں غسل ضروری ہوتا ہے۔

عثمان بن مغیرہ کی روایت

عبداللہ بن صالح عن اللیث عن عقیل عن الزھری اخبرنی عثمان بن مغیرة بن اخنس قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقطع الآجال من شعبان الی شعبان حتی ان الرجل لینکح ویولد لہ وقد اخرج اسمہ فی الموتیٰ

عبد اللہ بن صالح ۲۲۲ھ نے لیث ۱۷۵ھ سے روایت کیا ہے وہ عقیل ۱۴۴ھ سے روایت کرتے ہیں وہ زہری سے، زہری ۱۲۳ھ کہتے ہیں مجھ سے عثمان بن مغیرہ بن اخنس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک اموات لکھی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ کوئی انسان نکاح کرتا اور کسی کی اولاد ہوتی ہے۔ حالانکہ اس کا نام مُردوں کی فہرست میں درج کیا جا چکا ہوتا ہے۔

اِس حدیث کا حوالہ حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں دیا ہے وہ سورۂ دخان کی اول آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اور یہ ثابت کرتے ہوئے کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے اس روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

فھو حدیث موسل ومثلہٗ لا یعارض بہ النصوص

ابن کثیر ج۔ ۴ ص ۱۳۸

یہ حدیث مرسل ہے اور اس قسم کی روایات نصوص قرآنیہ کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتیں۔

لیعنی یہ روایت نص قرآنی کے خلاف ہے۔ کیونکہ نص قرآنی سے یہ ثابت ہے کہ سال بھر کے احکامات لیلۃ القدر میں دیئے جاتے ہیں۔ اِس قسم کی روایات سے نص قرآنی کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ روایات نص قرآنی کے خلاف ہونے کے باعث خود مردود ہونگی۔

۲:۔ یہ روایت مرسل ہے کیونکہ عثمان بن مغیرۃ بن اخنس نے حضورؐ کو نہیں دیکھا۔ بلکہ حضورؐ کو دیکھنا تو کجا اس نے تو کسی صحابی کو بھی نہیں دیکھا حافظ ابن حجر ۸۵۲ھ تقریب میں فرماتے ہیں۔

عثمان بن مغیرۃ الثقفی مولاھم ابو المغیرۃ الکوفی وھو عثمان بن ابی زرعۃ ثقۃ من السادسۃ۔

میزان ج ۳ ص ۵۶ ، تقریب ص ۲۳۶

عثمان بن مغیرۃ الثقفی ان کے مالک ابوالمغیرۃ الکوفی ہیں۔ اور وہ عثمان بن ابی زرعہ ہے ثقہ ہے۔ چھٹے طبقہ کے راوی ہیں گویا یہ چھٹے طبقہ کا راوی ہے اور چھٹے طبقہ سے کیا مراد ہے یہ حافظ صاحب کی زبانی سُن لیجئے۔

السادسۃ طبقۃ عاصروا الخمسۃ لکن لم یثبت لھم لقاء احد من الصحابۃ۔ تقریب ص ۱

چھٹا طبقہ وہ ہے جو پانچویں طبقے کا ہم عصر ہو۔ لیکن اس طبقہ کے کسی شخص کا کسی صحابی سے ملنا ثابت نہ ہو۔

یعنی چھٹے طبقہ میں وہ حضرات ہیں جنہوں نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی۔ اگرچہ کچھ صحابہ ان کے دور میں موجود ہوں اور لطف یہ ہے کہ امام زہری سنہ ۱۲۳ جو اس عثمانؒ سے روایت کر رہے ہیں وہ خود پانچویں طبقہ کے ہیں اور پانچویں طبقہ سے مراد یہ ہے کہ جس نے ایک یا دو صحابی کو دیکھا ہو۔ اس طرح شاگرد کا مقام استاد سے بڑھ کر ہوا پھر عثمان کا نام لینا ہی بے کار ہے۔ اس طرح روایت میں سے کم از کم دو راوی چھوٹ گئے۔ ایک صحابی اور ایک تابعی۔ اس طرح یہ روایت منقطع و مُرسل ہوتی اور لطف یہ ہے کہ عقیل جو زہری سے روایت کر رہا ہے وہ بھی چھٹے طبقہ کا راوی ہے۔

حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ نے اس روایت پر صرف یہی ایک اعتراض فرمایا کیونکہ انھوں نے اسے نص قرآنی کے مخالف ہونے کے باعث قابلِ اعتنا ہی تصور نہیں کیا۔ اس طرح حافظ صاحب نے ایک اصول کی جانب اشارہ کر کے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ جن روایات میں تقدیر لکھے جانے رزق نازل ہونے، مردوں کی فہرست میں نام تحریر ہونے یا اور اسی قسم کے امور مذکور ہیں وہ سب روایات نص قرآنی کے مخالف ہونے کے

باعث مردود ہیں۔

اس کا آخری راوی عبداللہ بن صالح ہے جو امام لیث بن سعد ۱۷۵ھ کا کاتب تھا۔ اس کی وفات ۲۲۲ھ میں ہوئی۔ حافظ ابن حجر "تقریب" میں لکھتے ہیں کہ

صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ وکانت فیہ غفلۃ — تقریب التہذیب ص۱۷۷

سچا ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے۔ لکھی ہوئی شے میں تو قابل اعتماد ہے مگر اس میں غفلت پائی جاتی ہے۔

عبداللہ بن صالح کو اگرچہ بہت سے محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے لیکن آخر میں اس کی مرویات میں منکرات پائی جاتی ہیں۔ امام احمد بن حنبل ۲۴۰ھ کا قول ہے۔

کان أول امرہ متماسکا ثم فسد باخرۃ یروی عن لیث عن ابن ابی ذئب ولم یسمع اللیث من ابن ابی ذئب شیئا — میزان ج ۲ ص ۴۴

ابتدا میں تو بہت محتاط تھا لیکن آخر میں خراب ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ لیث کے ذریعہ ابن ابی ذئب سے روایت کرتا ہے۔ حالانکہ لیث نے ابن ابی ذئب سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

ابو حاتم ۲۷۷ھ فرماتے ہیں۔

اخرج احادیث فی آخر عمرہ انکروھا علیہ

اس نے آخر عمر میں ایسی احادیث بیان کیں جن کا محدثین نے انکار کیا۔

احمد بن صالح ۲۴۵ھ کا قول ہے۔

متھم لیس بشیئ میزان ج ۲ ص ۴۴۱

متہم ہے کوئی شے نہیں۔

صالح جزرہ کا بیان ہے۔

کان ابن معین یوثقہ وھو عندی یکذب فی الحدیث میزان ج ۲ ص ۴۴۱

ابن معین ۲۳۳ھ تو اسے ثقہ کہتے لیکن میرے نزدیک تو وہ حدیث میں جھوٹ بولتا ہے۔

نسائی ۳۰۳ھ کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ ابن مدینی ۲۳۴ھ کا قول ہے کہ میں اس سے کوئی روایت نہیں لیتا۔ امام ابن خزیمہ ۳۳۱ھ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن صالح کا ایک پڑوسی تھا جو ان سے دشمنی رکھتا۔ وہ لیث کے نام سے احادیث وضع کرتا اور عبداللہ کے خط میں خط ملا کر ان روایات کو لکھتا اور عبداللہ کے کتب خانہ میں پھینک دیتا۔ عبداللہ انھیں دیکھ کر یہ سمجھتے کہ یہ میری لکھی ہوئی احادیث ہیں۔ انھیں بیان کرتے۔ اس طرح ان کی روایات میں موضوعات شامل ہوگئیں اور اس قسم کی روایات سب لیث کے ذریعہ مروی ہیں۔ اتفاق سے یہ روایت بھی لیث کے ذریعہ مروی ہے مسلم ۲۶۱ھ و نسائی ۳۰۳ھ نے اس سے کوئی روایت نہیں لی بخاری نے روایت لی ہے لیکن انھوں نے تدلیس سے کام لیا ہے وہ اس طرح کہ ایک مقام پر باپ کا نام حذف کر دیا دوسری جگہ پر اس کا نام حذف کر کے معلقاً روایت کی۔

ابن عدی ۳۶۵ھ فرماتے ہیں۔

ھو عندی مستقیم الحدیث الا انہ یقع فی اسانیدہ ومتونہ غلط ولا یتعمد۔

وہ حدیث میں درست ہے لیکن اس سے سندات اور متن

حدیث میں غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ اگرچہ وہ عمداً ایسا نہیں کرتا۔

یہ ہے اس روایت کا حال کہ عبد اللہ بن صالح پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور آخر سے دو راوی غائب ہیں اور مجھے تو اس میں بھی اشکال ہے کہ امام زہری نے اسے عثمان بن مغیرہ بن اخنس سے روایت کیا ہو اور محدثین کے نزدیک مرسلات زہری بھی قابل قبول نہیں کجا کہ عثمان بن مغیرہ کی مرسلات۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت

شعبان سے متعلق ایک روایت حضرت ابو سعید خدری کی جانب بھی منسوب کی گئی ہے۔ یہ روایت طویل داستان ہے، اس کا اکثر و بیشتر حصہ ماہ رجب سے متعلق ہے لیکن ہم نے ہر اس روایت کو اپنی اس کتاب میں جگہ دی ہے جس کا شعبان سے معمولی سا بھی لگاؤ ہو۔

کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی روایت تحقیق کے بغیر باقی رہ جائے اور کوئی جواب دینے والا یہ نہ کہہ سکے کہ فلاں روایت باقی ہے۔ اس سے شب برأت کا ثبوت ملتا ہے۔

اس روایت کو حافظ ابو القاسم علی بن الحسن بن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے اپنی "امالی" میں اور عبد القادر جیلانیؒ المتوفی ۵۶۱ھ نے "غنیۃ" میں روایت کیا ہے۔ "غنیۃ" کی روایت میں ابتدائی حصہ ابن عساکر کی روایت سے زیادہ ہے۔ اس لیے ہم اسے "غنیۃ" کے حوالہ سے پیش کر رہے ہیں۔ محدثین میں سے ابن عساکر کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اسے جتنے روایت کرنے والے ہیں، سب پانچویں صدی کی پیداوار ہیں۔ مثلاً غزالی المتوفی ۵۰۵ھ، ابن عساکر ۵۷۱ھ اور شیخ عبد القادر ۵۶۱ھ۔ شیخ صاحب کے الفاظ ہیں۔

اخبرنا الشیخ الامام ھبۃ اللہ بن المبارک ا
السقطی رحمہ اللہ باسنادہ عن الاعمش عن
ابراھیم عن علقمۃ عن ابی سعید الخدری
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان عدۃ
الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَھْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ
یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَا اَرْبَعَۃٌ حُرُمٌ
فرجب یقال شھر اللہ الاصم وثلاث اخر متوالیات
یعنی ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم

ہم سے شیخ امام ھبۃ اللہ بن المبارک السقطی رحمہ اللہ نے بیان کیا وہ اپنی سند کے ذریعہ اعمش سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ ابو سعید خدری سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جس روز زمین و آسمان پیدا فرمائے تھے اس روز سے لوح محفوظ میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ جن میں سے چار مہینے معزز ہیں رجب کو شہر اللہ الاصم (اللہ کا گونگا مہینہ) کہا جاتا ہے اور بقیہ تین پے در پے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔

روایت کے یہ الفاظ ابن عساکر میں نہیں ہیں۔ ان الفاظ کو صرف عبدالقادرؒ نے روایت کیا ہے۔ آگے دونوں کے الفاظ ہیں۔

الا ان رجب شھر اللہ وشعبان شھری ورمضان
شھر امتی فمن صام من رجب ایمانا واحتسابا
استوجب رضوان اللہ الاکبر واسکن الفردوس
الاعلی ومن صام فیہ یومین فلہ من الاجر ضعفان
ووزن کل ضعف مثل جبال الدنیا ومن صام

من رجب ثلثة ايّام جعل الله بينه وبين النار
خندقا طوله مسيرة سنة ومن صام من رجب
اربعة ايام عوفى من البلاء ومن الجنون والجذام
والبرص ومن فتنة المسيح الدجال ومن صام
منه خمسة ايام وقى من عذاب القبر ومن صام
ستة ايام خرج من قبره ووجهه اضوء من القمر
ليلة البدر ومن صام منه سبعة فان لجهنم
سبعة ابواب يغلق الله عنه كل يوم بابا من
ابوابها ومن صام منه ثمانية ابواب يفتح الله
بصوم كل يوم من ابوابها ومن صام منه تسعة
ايام خرج من قبره وهو ينادى اشهد ان لا اله
الا الله ولا يرد وجهه دون الجنة ومن صام منه
عشر يوما جعل الله تعالى له على كل ميل فراشا
يستريح عليه ومن صام منه احد عشر لم يرفى
القيمة حلتين الحلة الواحدة خير من الدنيا
ومافيها ومن صام من رجب ثلثة عشر يومًا
يوضع له يوم القيمة مائدة فى ظل العرش
فياكل منها والناس فى شدة شديدة ومن
صام من رجب اربعة عشر يومًا اعطاه الله عز و
جل مالا عين رات ولا اذن سمعت ولا خطر على
قلب بشر ومن صام منه خمسة عشر يوما يوقفه
الله تعالى يوم القيمة موقف الآمنين فلا يمر ملك
مقرب ولا نبى مرسل الا قال له طوبى لك انك
من الآمنين -

خبردار رجب اللہ کا مہینہ ہے (لیکن گزرگیا) شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے (لیکن ہے بولتا ہوا) جس نے رجب کا ایک روزہ ایمان لاتے ہوئے اور ثواب کی غرض سے رکھا۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا لازم ہو جاتی گی۔ اور وہ فردوس اعلیٰ میں مقیم ہوگا اور جس نے رجب کے دو روزے رکھے اس کے لیے دُگنا اجر ہے اور ہر گنا دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر ہے اور جس نے رجب کے تین روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک خندق پیدا فرمادیگا جس کا طول ایک سال کی مسافت کے برابر ہوگا۔ جس نے رجب کے چار روزے رکھے اُسے ہر قسم کی بلاؤں، جنون، جذام، برص اور دجال کے فتنہ سے عافیت دی جاتی گی اور جس نے پانچ روزے رکھے وہ عذاب قبر سے بچایا جائے گا اور جس نے چھ روزے رکھے تو جب وہ قبر سے نکلے گا تو اس کا چہرہ بدر سے زیادہ روشن ہوگا اور جس نے سات روزے رکھے تو جہنم کے سات دروازے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان روزوں کے بدلہ میں ہر روز ایک دروازہ بند فرماتا رہے گا۔ اور جس نے آٹھ روزے رکھے تو جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر روزے کے بدلہ ایک دروازہ کھولدے گا اور جس نے نو روزے رکھے وہ قبر سے اس حال میں نکلے گا کہ وہ اشہدان لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہوگا اور اسے جنت سے وَرے روکا نہ جائے گا اور جس نے دس روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر میل پر ایک فرش بچھائے گا جس پر وہ آرام کرے گا اور جس نے گیارہ روزے رکھے تو دنیا میں قیامت کے روز اس سے کوئی افضل نہ ہوگا۔ سوائے اس

شخص کے جس نے رجب کے گیارہ یا اس سے زائد روزے رکھے ہوں اور جس نے بارہ روزے رکھے ہوں اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن دو حلے پہنائے گا۔ جن میں سے ہر حلہ دنیا وما فیہا سے بہتر ہوگا اور جس نے رجب کے تیرہ روزے رکھے۔ اس کے لیے قیامت کے دن عرش کے نیچے دستر خوان لگایا جائے گا اور وہ اس سے کھائے گا۔ حالانکہ لوگ اس وقت سخت شدت میں مبتلا ہوں گے اور جس نے رجب کے چودہ روزے رکھے اللہ تعالیٰ اسے وہ چیزیں عطا فرمائے گا جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں اور نہ انسان کے دل پہ ان کا خیال گذرا۔ اور جس نے پندرہ روزے رکھے۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن آمنین کے مقام پر ٹھہرائے گا اور جو بھی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل اس کے پاس سے گذرے گا تو وہ کہے گا تیرے لیے خوشی ہو تو آمنین میں داخل ہے۔

ابن عساکر کی روایت صرف پندرہ روزوں تک ہے۔ شیخ صاحب نے پانچ روزوں کی کیفیت اور بھی بیان کی ہے وہ بھی سن لیجئے۔

وفی لفظ اخر زیادۃ علی خمسۃ عشر وھی من صام منہ ستۃ عشر یوما کان فی اوائل من یزور الرحمان وینظر الیہ ویسمع کلامہ ومن صام منہ سبعۃ عشر یوما ینصب اللہ علی کل میل من الصراط مستراحا یستریح علیہ ومن صام منہ ثمانیۃ عشر یوما زاحم ابراھیم علیہ السلام فی قبتہ ومن صام منہ تسعۃ عشر یوما نبی اللہ لہ قصرا فی الجنۃ تجاہ قصر ابراھیم وادم علیھما

السلام و یسلم علیہما ویسلمان علیہ ومن صام منہ عشرین یوما نادی مناد من السماء یاعبد اللہ اما قد مضی غفر اللہ لک فاستانف العمل فی ما بقی ۔ غنیہ ج ۱ ص ۲۳۰

اور ایک روایت میں کچھ الفاظ پندرہ سے زیادہ ہیں اور جس نے سولہ روزے رکھے تو وہ سب سے پہلا شخص ہوگا جو رحمٰن کی زیارت کرے گا اُسے دیکھے گا اور اس کا کلام سنے گا۔ اور جس نے سترہ روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیئے پُل صراط پر ہر میل پر ایک آرامگاہ بنائیے گا جس میں وہ آرام کریگا (غالباً شیخ صاحب وہیں آرام فرما ہوں گے۔ دیکھیے قیامت کے دن نظر بھی آتے ہیں یا نہیں) اور جس نے اٹھارہ روزے رکھے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بالمقابل ایک قبہ میں قیام کریگا۔ اور جس نے انیس روزے رکھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ابراہیم اور آدم علیہما السلام کے بالمقابل محل تعمیر فرماتے گا۔ وہ ان دونوں کو سلام کرے گا اور یہ دونوں انبیاء اسے سلام کریں گے اور جس نے بیس روزے رکھے تو ایک منادی آسمان سے آواز دے گا۔ اے اللہ کے بندے جو کچھ پہلے گذر چکا۔ اللہ ان سب کی مغفرت کر چکا۔ اب بقیہ زندگی میں دوبارہ سے عمل شروع کر (کیا یہ عمل پل صراط پہ ہوگا)

۱۔ امام ابن الجوزی ۵۹۷ھ رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
هذا حدیث موضوع علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والکسائی لا یعرف والنقاش متهم ۔

موضوعات ابن الجوزی ۔ ج ۲ ص ۲۰۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حدیث گھڑی گئی ہے اور کسائی کو کوئی نہیں جانتا اور نقاش پر وضع حدیث کا اتہام ہے

ابن عراق الکنانی تنزیہ الشریعہ میں رقم طراز ہیں

قال الحافظ بن حجر فی تبیین العجب الکسائی لا یعرف وقال ابن دحیۃ وفیہ علۃ اخری فانہ من روایۃ علقمۃ عن ابی سعید ولا یعرف لعلقمۃ سماع عن ابی سعید۔ وضعہ ابو بکر النقاش

تنزیہ الشریعہ ج۔۲ ص ۱۵۲

حافظ ابن حجر تبیین العجب میں فرماتے ہیں۔ کسائی کو کوئی نہیں جانتا۔ ابن دحیہ کہتے ہیں اس میں ایک اور بھی خرابی ہے اور وہ یہ کہ یہ روایت علقمہ کے ذریعہ ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور علقمہ کا ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری سے سماع معلوم نہیں۔ اسے ابو بکر النقاش نے وضع کیا ہے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں۔ ابو بکر محمد بن الحسن النقاش وہ شخص ہے جس کی تفسیر نقاش ہے (یہ بھی مشہور صوفی ہے)

فانہ کذاب وھو اخر من الدجاجلۃ

وہ اول درجہ کا جھوٹا ہے بلکہ دجالوں میں سے آخری دجال ہے۔ میزان ج۔۳ ص ۵۱۶

حافظ ابن عراق الکنانی یہ بھی لکھتے ہیں۔

وللحدیث طریق اخری واھیۃ وفی رواتھا مجاھیل۔

تنزیہ ج۔۲ ص ۱۵۲

اس حدیث کی اور بھی ردی سندات ہیں اور ان سندات میں بھی مجہول راوی پائے جاتے ہیں۔

۲۔ شیخ عبد القادر جیلانی کی روایت کا حال اس سے بھی بدتر ہے اس لیے کہ اس کا ابتدائی راوی ہبتہ اللہ بھی کذاب ہے جس کا تذکرہ اوپر گذر چکا پھر اس کے ابتداو انتہا میں اضافات بھی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ اضافات ہبتہ اللہ کے وضع کردہ ہیں۔

۳۔ ہبتہ اللہ نے اعمش تک کی سند حذف کر دی ہے جبکہ امام اعمش کی وفات سنہ ۱۴۸ھ میں ہے اور ہبتہ اللہ کی موت سنہ ۵۱۱ھ میں ہوئی۔ یہ پونے چار سو سال کا فاصلہ کیا ہوا کے دوش پر طے کیا جاتے گا اور ظاہر ہے کہ درمیان سے کسائی اور ابو بکر النقاش کو جان بوجھ کر حذف کیا گیا ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس جھوٹ سے پاک ہے، اسی طرح حضرت ابو سعید خدریؓ سنہ ۷۴ھ، علقمہ سنہ ۶۱ھ ابراہیم سنہ ۹۵ھ اور اعمش سنہ ۱۴۸ھ کی ذات بھی پاک ہے اور یہ ان کی جانب جھوٹی نسبت ہے۔ علقمہ نے اگرچہ کبار صحابہ سے احادیث سُنی ہیں لیکن ابو سعید خدریؓ اور چھوٹے صحابہ سے کوئی حدیث نہیں سُنی۔ چھوٹے صحابہ میں تو صرف ام المؤمنین عائشہؓ ہیں جن سے انھوں نے حدیث سُنی ہے اور اتفاق سے علقمہ حضرت ابو سعید خدری سے تیرہ سال قبل انتقال کر گئے تھے۔

۴۔ اس حدیث کا ابتدائی حصہ ہبتہ اللہ نے "صحیح بخاری" سے لے کر اس میں تحریف کر کے عبد الرحمان بن ابی بکرہ کے بجائے اسے ابو سعید کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم و رجب مضر الذی بین جمادی وشعبان۔

بخاری ج ۲ ص ۶۷۲

آج زمانہ گھوم کر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرماتے تھے۔

سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے جن میں سے چار مہینے معزز ہیں تین ماہ پے در پے ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کا وہ رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

ہبتہ اللہ نے ابتدا میں ایک تو آیت قرآنی کا اضافہ کیا اور رجب مضر کو رجب شہر اللہ الاصم سے تبدیل کر دیا۔ حضورؐ نے ماہ رجب کو قبیلہ مضر کی جانب منسوب کیا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی جانب منسوب کر دیا۔ تیسرا کام یہ کیا کہ رجب کا ذکر ترتیب کے لحاظ سے بعد میں تھا اس کی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے اس کا پہلے ذکر کیا گیا۔

حیرت اس پر ہے کہ شیخ صاحب نے یہ روایت چند صفحات پہلے ان الفاظ میں بیان کی تھی۔

فقد روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال فی بعض خطبتہ ان الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق اللہ السموٰت والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ والمحرم وواحد فرد ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان — غنیہ ج ۱ ص ۶۳۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا گیا ہے کہ آپؐ نے اپنے بعض خطبہ میں فرمایا زمانہ گھوم کر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر اُس روز تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پیدا فرماتے تھے۔ سال بارہ ماہ کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار ماہ معزز ہیں۔ تین متواتر ہیں۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ

محرم اور ایک تنہا ہے۔ مضر کا وہ رجب جو جمادی اور
شعبان کے درمیان ہے۔

اس میں لفظ "واحد فرد" کا اضافہ ہے جو قطعاً بے جوڑ ہے ورنہ پوری روایت بخاری کی روایت ہے۔ اس طرح آپ حضرات غنیہ کی ایک ہی روایت میں تضاد ملاحظہ فرمایئے۔

۴:۔ تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ شیخ صاحب نے حدیث موضوع کو ان الفاظ میں شروع کیا۔

اخبرنا الشیخ الامام ھبۃ اللہ بن المبارک السقطی رحمہ اللہ۔

ہمیں شیخ امام ہبۃ اللہ بن المبارک السقطی رحمہ اللہ نے خبر دی

گویا ابتداء ہی سے لوگوں پر شیخیت اور امامت کا رعب بٹھانے کی کوشش کی گئی تاکہ آپ اس فرضی کہانی کو حقیقت تصور کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ مسلمان شخصیت پرست واقع ہوا ہے اور بڑے بڑے القاب اسے مرعوب کرنے کے لیے کافی ہیں اور صحیح بخاری کی حدیث کو لفظ رُوِیَ سے نقل کیا ہے جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ اس طریقۂ کار کی چند ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

الف:۔ یا تو شیخ صاحب نے زندگی میں "صحیح بخاری" کبھی کھول کر نہیں دیکھی جو انھیں کچھ علم ہوتا۔

ب:۔ یا رجب کی فرضی فضیلت ثابت کرنے کے لیے عمداً ایسا کیا گیا ہے

ج:۔ یا شیخ صاحب عربی سے اتنے ناواقف ہیں کہ انھیں روی اور قیل کا محل استعمال تک معلوم نہیں۔

۵:۔ اور جب یہ صورتحال ہے تو کیا بعید ہے کہ انھوں نے لفظ شیخ اور امام اسی لیے استعمال کیا ہو کہ ہبۃ اللہ ایک کذاب اور بدنام شخص ہے۔

اس کی علمیت اور پیری کا رعب لوگوں کے دلوں میں بٹھایا جاتے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے ایک یہودی اور جادوگر یعنی منصور کو ولایت کے مقام پر فائز کیا گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر کذاب اور جاہل مطلق کو پیر بنا دیا گیا ہے گویا تصوف ایک لبادہ ہے جو جھوٹ کو چھپانے کے لئے ہر کذاب و زندیق اور ہر شیعہ کو پہنا دیا جاتا ہے۔

۵:۔ ہم گذشتہ سطور میں یہ بتا چکے ہیں کہ ابن عراق الکنانی، ابن جوزی، ابن دحیہ، ابن حجرؒ، سیوطی اور ملا علی قاری یہ تمام حضرات ہر اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔ جن کا تعلق ماہ رجب وشعبان کی فضیلت سے ہو۔ اب علامہ ابن القیم کا فیصلہ بھی سُن لیجئے۔

وکل حدیث فی ذکر صوم رجب و بعض صلوٰۃ اللیالی فیہ فھو کذب مفتری موضوعات کبیر ص۱۴۵

اور ہر وہ حدیث جس میں رجب کے روزوں، یا رجب کی بعض راتوں میں نمازوں کا ذکر ہو وہ کھلی جھوٹ اور ایک اتہام ہے۔

آگے فرماتے ہیں۔

واقرب ماجاء فیہ ما رواہ ابن ماجۃ فی سننہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن صیام رجب موضوعات کبیر ص۱۴۵ ملا علی

ان میں سب سے بہترین وہ حدیث ہے جسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رجب کے روزوں سے منع فرمایا۔

اس سے بھی زیادہ عمدہ حضرت عمرؓ کا عمل ہے جو طبرانی نے خرشہ بن حر سے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

رایت عمر بن الخطاب یضرب اکف الرجل فی صوم

رجب حتی یضعوہا فی الطعام ویقول رجب وما رجب انما رجب شہر کان یعظمہ اہل الجاہلیۃ فلما جاء الاسلام ترک قال الہیثمی رجالہ ثقات۔

مجمع الزوائد ج۔۳ ص۱۹۱

میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جو شخص رجب کے روزے رکھتا اس کے ہاتھوں پر لکڑیاں مارتے حتٰی کہ وہ کھانا نہ کھا لیتا اور فرماتے یہ رجب رجب کیا بلا ہے۔ رجب ایک ایسا مہینہ ہے جس کی اہلِ جاہلیت تعظیم کیا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا تو یہ عظمت ترک کر دی گئی۔ ہیثمی کہتے ہیں اس کے تمام رُوات ثقہ ہیں۔

رجب میں روزوں کی ممانعت کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس لیے اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن نفلی روزہ رکھنے والے ذرا اس روایت پر غور کر لیں اور پھر سوچیں کہ احمد رضا بریلوی کا قول زیادہ قابلِ قبول ہے یا حضرت عمرؓ کا قول اور یہ بھی سوچ لیں کہ صوفیا نے دین میں کس کس طرح تحریفات کی ہیں۔

آیئے اب اس روایت کی معنوی حیثیت پر بھی غور فرمایئے۔ تاکہ آپ کو اندازہ ہو جائے کہ ابوبکر النقاش اور ہبۃ اللہ جیسے خبیثوں نے قبر، روزِ جزا، حشر و نشر جنت و دوزخ، حساب و کتاب، دیدارِ الٰہی اور قرآن و حدیث کا کس کس طرح مذاق اڑا دیا ہے۔ اگر یہ باتیں شروع دور کے خلفاء کے زمانہ میں کی جاتیں تو نوح بن ابی مریم صوفی کی طرح ان لوگوں کو بھی تختۂ دار پر کھچنا پڑتا۔ ان خبیثوں کو تو جانے دیجئے ہمیں تو تعجب عبدالقادر جیلانی پر ہے قلم اجازت نہیں دیتا کہ کیا لکھوں۔ نہ گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل اور اس سے بھی زیادہ تعجب اس شخص پر ہے جو فلسفۂ و منطق، فقہ شافعیہ اور علم کلام کا

امام سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ان خرافات کو نقل کرتے وقت اس کے منطق و فلسفہ فقہ اور علم کلام نے کچھ بھی اس کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ اس نے فلسفہ یونان اور ان خرافات کے اشتراک سے تصوف کا ایک نیا ملغوبہ پیش کیا اور اپنی فلسفہ دانی کے بل بوتے پر جہلاء سے ان خرافات کو منوایا میری مراد ابو حامد غزالی سے ہے۔ جن کی کتابیں "احیاء العلوم"، "کیمیائے سعادت" "منہاج العابدین" اور "مشکوٰۃ الانوار" ان خرافات سے بھری ہوتی ہیں۔ جن میں خوب دل کھول کر اللہ اور رسول پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ غزالی کی کتاب "مشکوٰۃ الانوار" کا ترجمہ میں نے ہی کیا ہے اور حاشیہ میں ان خرافات کا رد لکھا ہے۔

غزالی "مشکوٰۃ الانوار" میں کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ عوام کا کلمہ ہے (ہم جیسے) خواص کا کلمہ نہیں ہے۔ ہمارا کلمہ ہے لا ھو الا ھو ہے اسی قسم کی جہالت اور خرافات سے انکی کتابیں معمور ہیں۔ کاش ہند و پاکستان کے علماء اپنی آنکھوں پر سے اندھی تقلید کی پٹی اتار کر ان کتابوں کو دیکھتے۔ اعاذنا اللہ من ہذا الخرافات۔

۱۶۔ راوی کہتا ہے کہ رجب کا ایک روزہ رکھنے پر فردوس اعلیٰ حاصل ہوتی ہے اور چودہ روزے رکھنے پر وہ اشیاء حاصل ہوتی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہوں نہ کانوں نے سنی ہوں اور نہ دل میں ان کا خیال گذرا ہو۔ حالانکہ جنت کی ہر شے انھی صفات کے ساتھ متصف ہوتی ہے اور جب پہلے روزے پر جنت الفردوس مل گئی تو یہ نعمتیں بھی اسے خود بخود حاصل ہوگئیں کیونکہ یہ جنت کے ساتھ لازم ہیں۔ اب ان چیزوں کا چودہ روزے تک انتظار کرانا ایک حماقت ہے۔ کیا راوی یہ کہنا چاہتا ہے کہ جنت تو مل جائے گی لیکن یہ چیزیں دستیاب نہ ہوں گی تو پھر وہ جنت الفردوس نہ ہوگی بلکہ وہ جنت الحمقاء ہوگی یا حسن بن صباح کی جنت ہوگی یا فرید الدین گنج شکر کا جنتی دروازہ ہوگا۔ جس میں سے گذرنے کے لئے رشوت کے طور پر پیسے دینے پڑتے ہیں۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رات و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر واقرءوا ان شئتم فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ

مسلم ج۔ ا صـ ۳۷۸، بخاری ج۔ ۲ صـ ۱۰۴

میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال گزرا۔ اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کوئی نفس نہیں جانتا کہ اس کے لیے کیا کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔

آیت کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

یہ ان کے اعمال کی جزا ہے۔

جب یہ تمام چیزیں نیک بندوں کے لیے تیار کی گئی ہیں تو لازمًا وہ انھیں جنت میں داخل ہوتے ہی حاصل ہو جائیں گی۔ کیونکہ انہی چیزوں کے مجموعہ کا نام جنت ہے یہ نہ ہوگا کہ بیچارہ جنت میں تو داخل ہو جاتے لیکن رجب کے چودہ روزے نہ ہونے کے باعث وہ ان نعمتوں سے محروم رہے یہ کتنا احمقانہ تصور ہے کہ ایک انسان لندن تو چلا جاتے لیکن نہ تو وہ لندن کی شاندار بلڈنگیں دیکھ سکے اور نہ وہاں کے حالات سن سکے۔ ایسے شخص کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ لندن جانے کی بجائے پہلے گدو بندر جا کر اپنے دماغ کا علاج کرا لے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کو اعمالِ صالحہ پر موقوف رکھا ہے جس کا

قرآن میں بھی اعلان کیا گیا ہے اور نبی آخرالزمان کی زبانی بھی اظہار کرایا گیا ہے ان چیزوں کو کسی ایک خاص عمل کا نتیجہ نہیں بتایا گیا ورنہ یہ ارشاد نہ فرماتے۔

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

یہ ان کے اعمال کی جزا ہے

بلکہ یہ فرمانا چاہیئے تھا

جزاء لمن صام رجب اربعة عشر يوما

یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو رجب کے چودہ روزے رکھے۔

یہ قرآن وسنت کا مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔

۷۔ لطف یہ ہے کہ ابوبکر نقاش نے دس روزوں کا جو اجر بیان کیا تھا۔ ہبتہ اللہ لے دس روزوں کا اجر بھی وہی بیان کیا۔ پھر سترہ روزے کا بھی وہی اجر بیان کیا۔ پھر سترہ روزے رکھنے والا تو احمق ہوا کہ بلا فائدہ اس نے اتنی تکلیف برداشت کی۔

۸۔ جب انیس روزوں کا یہ اجر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت آدمؑ کے بالمقابل اس کا محل ہوگا تو انتیس روزوں پر تو غالباً وہ عرش پر بیٹھا ہوگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ شیخ صاحب نے بقیہ روزوں کا حال کیوں بیان نہیں کیا۔ آخر اس میں کیا راز تھا؟

۹۔ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدمؑ کو پہلے آسمان پر اور حضرت ابراہیمؑ کو ساتویں آسمان پر دیکھا جس سے ان دونوں انبیاء کرام کے مدارج کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جنت میں دونوں کا درجہ بقول راوی ایک ہوگا۔ پھر تمام انبیاء یکجا ہونے چاہئیں۔ اس صورت میں ان دونوں کے یکجا ہونے کی خصوصیت کیا ہوگی۔

۱۰۔ آج تک تمام امت یہ سنتی چلی آئی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پل صراط

بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا اور "صحیح مسلم" میں ہے کہ اس میں آنکڑے لگے ہوں گے جو بد عملوں کو پکڑ کر نیچے جہنم میں پھینک دیں گے۔ ہر شخص اس پر سے گذرے گا اور جیسا عمل ہوگا ویسی ہی اس کی رفتار ہوگی۔ اگر اس کے اعمال اچھے ہیں تو بجلی کی طرح ادھر سے اُدھر پہنچ جائے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنارے کھڑے یہ دُعا فرماتے ہوں گے۔

اللّٰھم سلم اللّٰھم سلم — مسلم ج ۱ ص ۱۰۱

اے اللہ محفوظ رکھ، اے اللہ محفوظ رکھ

لیکن یہ خبیث راوی کہتا ہے کہ جو رجب کے دس روزے رکھے گا اس کے لیے پل صراط پر ہر میل پر ایک فرش بچھایا جائے گا جس پر وہ آرام کریگا کیونکہ وہ روزے رکھ رکھ کر تھک چکا ہوگا۔ بداعمالیوں کے باعث بجلی کی مانند اس پار سے اُس پار پہنچنے کے قابل نہ ہوگا۔ ہبتہ اللہ اور ابوبکر النقاش جیسے خبیثوں کے لیے واقعتاً وہی آرام کی جگہ ہے۔ اس طرح پُل صراط اور اس پر سے گذرنے کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ کوئی شیخ عبدالقادر اور غزالی سے جا کر پوچھے کہ آپ نے وہاں کتنے فرش بچھوائے ہیں۔ اس لیے کہ ماشاء اللہ شیخ صاحب کی عمر نوے سال ہوئی ہے۔

۱۱۔ قیامت کے روز جب لوگ میدانِ حشر میں جمع ہوں گے۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا۔ لوگوں کا پیاس کے مارے بُرا حال ہوگا۔ اور ہر شخص اپنی فکر میں غلطاں ہوگا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ — العبس

ان میں سے ہر ایک کی اس روز ایسی حالت ہوگی جو دوسروں سے اسے بے پرواہ کر دے گی۔

یہ ایسا وقت ہوگا کہ انسان اپنے ماں باپ، اولاد، بھائی بہن اور بیوی سبھی کو بھول چکا ہوگا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ
وَبَنِيهِ ۝ العبس

جس روز آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، بیوی اور بیٹوں سے
سے بھاگے گا۔ (سورۃ العبس)

پھر یہ دن بارہ گھنٹے کا دن نہ ہوگا۔ اگرچہ شیخ صاحب کے نزدیک وہاں بھی دن رات چوبیس گھنٹے کے ہوں گے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ وہاں کوئی رات نہ ہوگی اور دن کتنا طویل ہوگا اسے کلام اللہ میں ملاحظہ فرمایئے۔

خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (سورۃ الحاقۃ)

پچاس ہزار سال کے برابر

اور یہ سب کچھ حساب و کتاب سے قبل ہوگا۔ جب لوگ اس حالت سے تنگ آجائیں گے تو سب مل کر آدمؑ کے پاس جائیں گے اور ان سے شفاعت کی درخواست کریں گے۔ وہ فرمائیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے یہ سوال فرمالیا کہ تو نے ممنوعہ درخت کیوں کھایا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی نوح

میری جان بچ جائے میری جان بچ جاتے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، نوحؑ کے پاس جاؤ۔

الغرض یہ حضرت نوحؑ کے پاس پہنچیں گے اور ان سے درخواست کرینگے وہ فرمائیں گے اگر خدا نے مجھ سے یہ سوال فرمالیا کہ تم نے اپنے بیٹے کے لیے کیوں درخواست کی تھی تو میں کیا جواب دونگا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی ابراھیم۔

میری جان بچ جائے میری جان بچ جاتے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، ابراھیمؑ کے پاس جاؤ۔

پھر ابراہیم کے پاس جائیں گے اور ان سے درخواست گزار ہوں گے وہ فرمائیں گے۔ میں نے دنیا میں تین باتیں ایسی کی تھیں جو بظاہر جھوٹ محسوس ہوتی تھیں۔ اگر اللہ تعالٰے نے مجھ سے میری اس غلطی پر مواخذہ فرمالیا تو میں کیا جواب دوں گا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی موسٰی

میری جان بچ جائے، میری جان بچ جائے۔ میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ، موسٰیؑ کے پاس جاؤ۔

الغرض یہ سب موسٰی کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت موسٰیؑ فرمائیں گے اگر اللہ نے یہ سوال فرمایا کہ تم نے قتل کیوں کیا تھا تو میں کیا جواب دوں گا۔

نفسی نفسی اذھبوا الی غیری اذھبوا الی عیسٰی۔ مسلم ج ۱ ص ۱۰۸

میری جان بچ جائے میری جان بچ جائے، میرے علاوہ کسی اور کے پاس جاؤ۔ عیسٰیؑ کے پاس جاؤ۔

یہ سب عیسٰیؑ کے پاس پہنچیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ اگر اللہ نے یہ سوال فرمالیا کہ کیا تو نے ہی اپنی امت کو یہ حکم دیا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو خدا کا شریک بنا لینا اور واقعتاً ان سے یہ سوال ہوگا۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور جب اللہ فرمائیگا۔ اے عیسٰیؑ بن مریم۔ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو الٰہ بنا لینا۔

تم کسی اور کے پاس جاؤ۔ میری جان بچ جائے یہی غنیمت ہے تم محمدؐ کے پاس جاؤ۔ یہ سب مل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے حضور اکرمؐ شفاعت کے لیے تشریف لے جائیں گے۔ یہ شفاعت تمام امتوں کے لیے ہوگی تاکہ

حساب کتاب جلد ہو جاتے۔ آپؐ بارگاہِ خداوندی میں سر بسجود ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمائیں گے تو آپؐ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی۔

یہ تو وہ امور ہیں جو "صحیح بخاری"، "صحیح مسلم" اور "ترمذی" وغیرہ میں پائے جاتے ہیں اور "بیہقی" میں ہے کہ میں ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سر بسجود رہوں گا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہفتہ تک سر بسجود رہیں گے۔ دیگر انبیائے کرام باز پرس سے گھبراتے ہوں گے تو عام لوگوں کا کیا حال ہو گا۔ قارئین کرام خود ہی غور کریں۔ وہاں کھانے پینے کا کسی کو کیا ہوش ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ زندیق کہتا ہے کہ جو رجب کے تیرہ روزے رکھے اس کے لیے میدانِ حشر میں عرش کے نیچے دستر خوان بچھایا جائے گا اور وہ کھانا کھائے گا۔ عیاذاً باللہ انبیائے کرام منہ تکتے ہوں گے اور لوگ پسینوں میں نہاتے حتیٰ کہ بعض لوگ منہ تک پسینوں میں ڈوبے ہوں گے تو پھر نبوت، شہادت اور اعمال صالحہ سے آخر فائدہ کیا ہوا۔ انبیائے کرام جو گناہوں سے معصوم ہیں۔ انھوں نے یہ کام کیوں نہ انجام دیا جو اس پریشانی سے نجات پاتے۔ یہ ایک صریح کفر اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے کھلا مذاق ہے یہ اللہ اور رسول کے احکامات کا تمسخر ہے لیکن ہمارے صوفیاء اتنے بے بصیرت ہیں کہ انھیں کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کیا تصوف اسی کا نام ہے کہ انسان اپنی عقل کو کھو دے۔ اور اللہ و رسولؐ پر تبرا کرتا رہے؟ کیا اسی کا نام غوثیت و قطبیت ہے اور کیا اسی کام کے لیے "بموجب تذکرہ اولیاء" تمام اولیاء کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر ان کی گردن دبائی گئی تھی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ کھانا جنت میں ملے گا نہ کہ عرش کے نیچے۔

۱۲۔ ایک روزے پر فردوسِ اعلیٰ ملے گی۔ لیکن بیچارے کو اس وقت تک کوئی محل نہیں ملے گا جب تک وہ انیس روزے نہ رکھ لے اس وقت تک وہ کھلے میدان میں پڑا رہے گا۔ کیونکہ محل کی تیاری میں بھی تو کچھ وقفہ لگے گا۔ جب فرشتے محل تعمیر کر دیں گے تب ہی تو حاصل ہو گا۔ کیونکہ پہلے "غنیہ" کی ایک روایت

میں گذر چکا ہے کہ جنت کے محلات فرشتے تعمیر کرتے ہیں۔ ان کی اجرت کیا ہوگی۔ یہ پیران پیر سے جا کر پوچھیئے اور اگر ان سے پوچھنے کی جرأت نہیں تو غزالی سے پوچھ لیجئے۔ الغرض یہ پوری روایت اسی قسم کی لغویات سے معمور ہے۔ ہمارا مطمح نظر اگر ان خرافات کا رد نہ ہوتا تو ہم ہرگز بھی انھیں نقل نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے جاہل لوگوں کے سائے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

روایات حضرت ابوہریرہؓ

انبانا محمد بن ناصر انبانا ابوعلی بن البنا انا احمد بن علی الکاتب انا ابوسہل عبد الصمد ابن محمد العنطری نا ابوالحسن علی بن احمد الیونانی نا احمد بن عبد اللہ بن داؤد نا محمد ابن جیہان نا عمر بن عبد الرحیم نا محمد بن وہب ابن عطیۃ الدمشقی عن بقیۃ بن الولید عن لیث ابن ابی سلیم عن القعقاع بن مسور الشیبانی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی لیلۃ النصف من شعبان ثنتی عشرۃ رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ قل ہو اللہ احد ثلاثین مرۃ لم یخرج حتی یری مقعدہ من الجنۃ ویشفع فی عشرۃ من اہل بیتہ کلہم وجبت لہ النار۔

موضوعات ابن جوزی ج ۲ ص ۱۲۹

ہم سے محمد بن ناصر نے بیان کیا، ان سے ابوعلی بن البنا نے، ان سے احمد بن علی الکاتب نے، ان سے ابوسہل عبد الصمد بن محمد العنطری نے، ان سے ابوالحسن علی بن احمد الیونانی نے، ان سے احمد بن عبد اللہ بن داؤد نے، ان سے محمد بن جیہان نے

ان سے عمر بن عبدالرحیم نے ان سے محمد بن وہب بن عطیہ الدمشقی نے بقیہ بن الولید سے ناقل ہیں۔ وہ لیث بن ابی سلیم سے وہ قعقاع بن مسور الشیبانی سے وہ ابوہریرہؓ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے ارشاد فرمایا۔ جس شخص نے نصف شعبان کی شب میں بارہ رکعت نوافل ادا کیں، اور ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ احد پڑھی وہ اس وقت تک دنیا سے نہیں جائے گا۔ جب تک اپنا جنت کا ٹھکانہ نہ دیکھ لے اور اپنے گھر والوں میں سے ان دس آدمیوں کی شفاعت کرے گا، جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی ہو گی۔

ابن جوزی فرماتے ہیں۔

ھذا موضوع وفیہ جماعۃ مجھولون وھذا قبل بقیۃ ولیث وھما ضعفاء فالبلاء ممن قبلھم

یہ حدیث موضوع ہے اور اس کی سند میں متعدد مجہول راوی ہیں اور یہ تمام مجہول رواۃ بقیہ اور لیث سے پہلے ہیں اور بقیہ اور لیث بھی ضعیف ہیں اور یہ بلا بقیہ اور لیث کے بعد کے راویوں کی ہیں۔

لیجئے اب دنیا ہی میں جنت کے ٹھکانے نظر آنے لگے۔ اب ہر شخص یہ معلوم کر سکے گا کہ جنت میں اسے کس قسم کا محل ملے گا۔ لیکن افسوس کہ دوزخ کا ٹھکانہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا گیا۔ ایسے کذابوں کو دوزخ کا ٹھکانہ معلوم کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ حضور کا ارشاد ہے۔

من یقل علی مالم اقل فلیتبوأ مقعدہٗ من النار

بخاری ج ۱ ص ۲۱

جو شخص ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تلاش کرے۔

ملا علی قاری نے امام ابن القیم سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

والعجب ممن شم رائحۃ العلم بالسنۃ ان یغتر بمثل ھذا الھذیان ویصلیھا وھذہ الصلوۃ وضعت فی الاسلام بعد الاربع مائۃ ونشات من بیت المقدس فوضع لھا عدۃ احادیث منھا من قرا لیلۃ النصف الف مرۃ قل ھو اللہ احد الحدیث بطولہ وفیہ بعث اللہ مائۃ الف ملک یبشرونہ وحدیث من صلی لیلۃ النصف من شعبان ثنتی عشر رکعۃ یقرأ فی کل رکعۃ ثلاثین مرۃ قل ھو اللہ احد شفع فی عشرۃ قد استوجبوا النار وغیر ذلک من الاحادیث التی لا یصح منھا شیئ۔ موضوعات کبیر ص۵۴۲

جن لوگوں کو علم سنت کی خوشبو پہنچی ہو وہ اس قسم کی بکواس سے دھوکہ کھا کر یہ نمازیں پڑھیں ان پر تعجب ہے۔ یہ نماز اسلام میں چار سو سال بعد وضع کی گئی اور اس کی ابتدا بیت المقدس سے ہوئی۔ پھر اس نماز کے لیے متعدد احادیث وضع کرلی گئیں جن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ جس شخص نے نصف شعبان کی شب میں ایک ہزار بار قل ہو اللہ احد پڑھی۔ یہ طویل روایت ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتے بھیجتا ہے جو اسے بشارت دیتے ہیں اور یہ روایت کہ جس نے نصف شعبان کی شب میں بارہ رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں تیس بار قل ہو اللہ احد تلاوت کی وہ ان دس آدمیوں کی شفاعت کریگا جن کے لیے دوزخ واجب ہو چکی

ہوگی اور اسی قسم کی دیگر روایات۔ ان میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ موضوعات کبیر صـ ۵۴۲

علامہ عینی حنفی ۸۵۵ھ شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

واما الاحادیث التی فی صلوٰۃ النصف من شعبان فقال ابن دحیۃ انہا موضوعۃ فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۳ صـ ۱۷۴

اور وہ تمام روایات جو نصف شعبان کی شب میں نماز پڑھنے کے بارے میں مروی ہیں تو علامہ ابن دحیہ کہتے ہیں سب موضوع ہیں۔

اس مضمون پر علماء کے مختلف فیصلے پہلے بہت گزر چکے ہیں۔ آئیے اب ذرا حدیث ابی ہریرہ کے روات پر بھی نظر ڈال لیجئے۔

اس کا ایک راوی احمد بن عبد اللہ بن داؤد ہے جو عبد الرزاق بن ہمام کا بھانجا ہے۔ ابن حبان ۳۵۴ھ کہتے ہیں۔

کان یدخل علی عبد الرزاق الحدیث فکل ما وقع فی حدیث عبد الرزاق من المناکیر فبلیتہ منہ۔ میزان ج ۱ صـ ۱۰۹

یہ احمد بن عبد اللہ اپنی جانب سے احادیث وضع کر کے عبد الرزاق کے سامنے پیش کرتا۔ عبد الرزاق ۲۱۱ھ کی روایات میں جتنی منکرات داخل ہوئیں وہ اسی کی ڈھائی ہوئی آفت ہیں۔ میزان ج ۱ صـ ۱۰۹

امام احمد ۲۴۰ھ فرماتے ہیں۔ کان من اکذب الناس وہ لوگوں میں سب سے جھوٹا انسان ہے۔

یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ کہتے ہیں ثقہ نہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی

اکثر احادیث منکر ہیں ۔میزان ج ۱ صـــ ۹۷ـ اس کے علاوہ یہ بھی اور عبدالرزاق بھی دونوں رافضی ہیں۔ اس کا ایک اور راوی محمد بن جبہان ہے ۔ ابن مندہ کہتے ہیں ۔

فی حدیثہ مناکیر ۔ میزان ج ۳ صـــ ۵۰۳

اِس کی حدیث میں بہت منکرات ہیں ۔

اِس کا ایک اور راوی محمد بن ناصر بن محمد البزدی ہے ۔ ذہبی کہتے ہیں ۔

یقول بعد ما الارواح میزان ج ۴ صـــ ۵۴

یہ روحوں کی آمد کا قائل تھا (کوئی جمعراتی ہوگا)

یعنی امام ذہبی کے نزدیک وہ صرف اس لیے ناقابلِ قبول ہے کہ وہ ارواح کی آمد کا قائل تھا افسوس کہ آج کل یہ ایمان کی دلیل ہے ۔

بقیہ سے نیچے اور جتنے راوی ہیں سب مجہول ہیں اب ذرا البقیہ ۱۹۷ھ اور لیث ۱۴۸ھ کا حال بھی سن لیجئے ۔

ابوالحسن بن القطان کہتے ہیں ۔

بقیۃ یدلس عن الضعفاء ویستبیح ذلک وھذا ان صح مفسد لعدالتہ ۔ میزان ج ۱ صـــ ۳۳۹

بقیہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا (یعنی ان کے نام حذف کر کے اوپر کے ثقہ راوی کا نام ذکر کر دیتا) اور اسے جائز بھی سمجھتا ۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کی عدالت بھی باقی نہیں رہی ۔

ابومسہر ۲۱۸ھ کا قول ہے

احادیث بقیۃ لیست نقیۃ فکن منہا علی تقیۃ

میزان ج ۱ صـــ ۳۳۲

بقیہ کی احادیث عمدہ نہیں ہیں تو ان سے بچ کر ہی رہو ۔

ابن حبان ۳۵۴ھ کہتے ہیں وہ مجاشع بن عمرو، سری بن عبدالحمید اور عمر بن موسیٰ المیثمی جیسے مجہولین سے روایتیں لیتا اور انھیں امام مالک اور شعبہ کے نام

سے روایت کرتا۔ ابوحاتم کہتے ہیں وہ حجت نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں:

کان مدلسا فاذا قال عن فلیس بحجۃ

میزان ج ۱ ص ۳۳۱

وہ مدلس ہے۔ وہ جب لفظ عن کے ذریعہ کوئی روایت بیان کرے تو حجت نہیں ہے۔

اب ذرا لیث کا حال بھی معلوم کر لیجئے۔ یہ شخص لیث بن ابی سلیم الکوفی اللیثی ہے۔ ابوبکر بن عیاش ۱۹۳ھ کہتے ہیں۔

کان لیث من اکثر الناس صلوٰۃ و صیاماً و اذا وقع علی شیئ لم یردہ

لیث سب سے زیادہ نماز پڑھنے والا اور سب سے زیادہ روزہ رکھنے والا تھا۔ لیکن اگر کوئی غلط بات بیان کر دیتا تو کبھی اپنی غلطی قبول نہ کرتا۔

گویا یہ بھی ایک صوفی تھا اور صوفیاء کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو اپنی غلطی کو تسلیم کرنا اپنی توہین تصور کرتے تھے۔

امام یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ اور نسائی ۳۰۳ھ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ دارقطنی ۳۸۵ھ کہتے ہیں اگرچہ پابند سنت تھا لیکن اس کی احادیث کا انکار اس لیے کیا گیا کہ اس نے یہ کہا تھا کہ عطاء طاؤس اور مجاہد یکجا جمع ہوتے۔ حالانکہ یہ کبھی یکجا جمع نہیں ہوتے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ مضطرب الحدیث ہے۔ ابن ادریس کا بیان ہے کہ جب بھی میں ان کے پاس جاتا اس سے نئی نئی روایات سنتا جو پہلے کبھی نہ سنی تھیں۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ امام یحییٰ بن سعید القطان ۱۹۸ھ تین شخصوں کے بارے میں اتنی بری رائے رکھتے تھے کہ کوئی ان کے بارے میں ان سے گفتگو بھی نہ کر سکتا تھا۔ لیث، محمد بن اسحاق اور ہمام۔ ابن معین کہتے ہیں۔ لیث ۱۴۸ھ عطاء بن السائب ۱۳۶ھ سے زیادہ

ضعیف ہے۔ عیسیٰ بن یونس ۱۸۷ھ کا بیان ہے کہ آخر میں پاگل ہو گیا تھا۔ ہم عین زوال کے وقت جب گزرتے تو وہ مینارہ پر چڑھا اذان دیتا ہوتا۔ میزان ج ۳ ص ۴۲۰

یہ اس روایت کا حال ہے۔ اسی لیے تو شیخ صاحب اکثر سند چھوڑ جاتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے یہ روایت اپنی کتاب میں ذکر نہیں کی، لیکن اس نماز کا پڑھنا مستحب بتایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت

ان بے سروپا روایات میں سے ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ان الفاظ میں مروی ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال جاءنی جبریل علیہ السلام لیلۃ النصف من شعبان فقال لہ یا محمد ارفع راسک الی السماء قال قلت لہ ما ھذہ اللیلۃ قال ھذہ لیلۃ یفتح اللہ فیھا سبحانہ وتعالیٰ ثلاث مائۃ باب من ابواب الرحمۃ یغفر لکل من لا یشرک بہ شیئا الا ان یکون ساحراً او کاھنا او مد من خمر او مصراً علی الربوا والزنا فان ھؤلاء لا یغفر لھم حتی یتوبوا۔ فلما کان ربع اللیل نزل جبرئیل علیہ السلام وقال یا محمد ارفع رأسک فاذا ابواب الجنۃ مفتوحۃ وعلی الباب الاول ملک ینادی طوبیٰ لمن رکع فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب

الثانی ملک ینادی طوبیٰ لمن سجد فی هذه اللیلۃ
وعلی الباب الثالث ملک ینادی طوبیٰ لمن دعا
فی هذه اللیلۃ وعلی الباب الرابع ملک ینادی
طوبیٰ للذاکرین فی هذه اللیلۃ
وعلی الباب الخامس ملک ینادی طوبیٰ لمن بکا من
خشیۃ اللّٰہ فی هذه اللیلۃ وعلی السادس ملک
ینادی طوبیٰ للمسلمین فی هذه اللیلۃ وعلی
الباب السابع ملک ینادی هل من مستغفر
فیغفر لہ فقلت یا جبرئیل الی متی تکون هذه
الابواب مفتوحۃ قال الی طلوع الفجر من اول
اللیل ثم قال یا محمد ان للہ تعالی فیھا عتقاء
من النار بعدد شعر غنم کلب۔ غنیہ ج ۱ ص ۶۰۵
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نصف شعبان کی شب
میں میرے پاس جبریل آئے اور آپ سے فرمایا اے محمدؐ اپنا
سر آسمان کی جانب اٹھائیے۔ میں نے پوچھا یہ کیسی رات ہے
جبریل نے فرمایا۔ یہ ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ رحمت
کے دروازوں میں سے تین سو دروازے کھولتا ہے، مشرک،
جادوگر، نجومی، شراب کے عادی، سود اور زنا پر اصرار کرنے
والے کے علاوہ ہر شخص کی مغفرت فرماتا ہے ان کی مغفرت
اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک توبہ نہ کر لیں۔ جب چوتھائی
شب ہوئی تو جبریل علیہ السلام دوبارہ نازل ہوئے اور فرمایا
اے محمدؐ اپنا سر اٹھائیے تو جنت کے دروازے کھلے ہوئے

تھے، پہلے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جو اس رات میں رکوع کرے۔ دوسرے دروازے پر فرشتہ ندا کر رہا تھا خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جو اس رات سجدہ کرے، تیسرے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جو اس رات دعا کرے۔ چوتھے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا خوش خبری ہے اس رات میں ذکر کرنے والوں کے لیے پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو اس شب میں خوف الٰہی سے روتے چھٹے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ اس شب میں مسلمین کے لیے خوش خبری ہے اور ساتویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا ہے کوئی ہے استغفار کرنے والا کہ اس کی مغفرت کی جاتے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے۔ جبرئیل نے فرمایا شروع شب سے صبح صادق تک۔ پھر جبرئیل نے فرمایا اس شب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنو کلب کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر لوگ دوزخ سے آزاد کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شیخ صاحب نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عام طور پر جب وہ سند غائب کرتے ہیں تو وہ ہبتہ اللہ سے مروی ہوتی ہے۔ اگر یہ روایت ہبتہ اللہ سے مروی بھی نہ ہو تو ابو لنصر سے مروی ہو گی۔ کیونکہ "غنیہ" کی تمام روایات انھی دو شخصوں سے مروی ہیں جن میں سے ہبتہ اللہ کذاب ہے اور ابو نصر تو عالم عدم سے وجود میں بھی نہ آیا تھا اور اگر یہ دونوں امام زمانہ بھی ہوتے تو کیا، ہمیں تو ساڑھے پانچ سو سال کے معتبر رواۃ درکار

ہیں۔ کاش شیخ صاحب کا کوئی بخاری ہمارے سامنے سند پیش کر دے۔

دراصل یہ روایت ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے اپنی امالی میں ابی بن کعبؓ سے نقل کی ہے جس پر ہم آگے بحث کریں گے۔

۲۔ اس روایت میں یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ منادی رکوع کرنے والوں، سجدہ کرنے والوں اور دعاؤ ذکر کرنے والوں کو بشارت دیتا ہے لیکن قیام کرنے والوں کے لیے کوئی بشارت نہیں۔ کیا نماز کی ابتداء رکوع سے ہوتی ہے؟ اور اگر کوئی شخص صرف رکوع پر اکتفا کرے تو کیا یہ فضیلت اسے بھی حاصل ہو جائے گی اور کیا صرف رکوع کرنا عبادت شمار ہوگا؟ علماء ذرا سوچ کر جواب دیں۔

۳۔ لطف یہ ہے کہ راوی یہ کہتا ہے کہ اس رات سود خور، شرابی، زانی، جادوگر اور مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی "تاوقتیکہ توبہ نہ کرلیں"۔ ہماری عرض یہ ہے کہ توبہ کی صورت میں تو ہر وقت ہر گناہ کی مغفرت ہو سکتی ہے پھر اس رات کی خصوصیت کیا ہے اور کیا ان لوگوں کے علاوہ اور لوگوں کی توبہ کے بغیر مغفرت ہو جاتی ہے؟

۴۔ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اول شب جب جبرئیل آئے تھے اور آسمانوں کی جانب آپ کا سر اٹھوایا تھا تو آپ نے کیا دیکھا تھا۔ راوی نے اسے بیان نہیں کیا۔ اگر کچھ دیکھا تھا تو وہ بیان کرنا چاہیئے تھا۔ ورنہ یہ سر اٹھوانا ایک بلا فائدہ کام تھا۔

۵۔ جبرئیل چوتھائی رات میں دوبارہ آئے اور یہ اطلاع دی کہ جنت کے دروازے کھل گئے ہیں۔ حالانکہ یہ اطلاع پہلی بار نہیں دی گئی تھی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ جنت کے دروازے اس وقت کھلتے ہیں جب چوتھائی شب گذر جاتی ہے۔ لیکن جب آخر میں حضورؐ یہ سوال کرتے ہیں کہ جنت کے دروازے کب کھلتے ہیں تو جبرئیل جواب دیتے ہیں کہ شروع رات سے کھل جاتے ہیں۔

اس طرح ان دونوں باتوں میں تضاد ہوا۔ اور اس تضاد کو رفع کرنے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم یہ مان لیں کہ پہلی بار جبرئیلؑ بتانا بھول گئے تھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ فرشتوں کو بھول واقع نہیں ہوتی تو ہمارا جواب یہ ہے کہ انسانوں کو تو بھول واقع ہوتی ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ جبرئیل نے تو بتایا ہو لیکن شیخ صاحب اس کا ذکر کرنا بھول گئے ہوں اور یہ بات چوتھائی شب کے وقت یاد آئی ہو۔ لیکن ایسی صورت میں دوبارہ جبرئیل کو طلب کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ان کو بلائے بغیر بھی اس بات کا ذکر کیا جا سکتا تھا۔ یہ ان کی دوسری بھول ہے۔ ہم اس کا فیصلہ کہ دراصل بھولنے والا کون ہے شیخ صاحب کے پجاریوں پر چھوڑتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ایک امکان یہ بھی ہے کہ شیخ صاحب اور جبرئیلؑ دونوں بھول سے پاک ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی بھول گیا ہو۔ اگر یہ منطق آپ کی سمجھ میں نہ آتی ہو تو شیعوں کے پاس جا کر مسئلہ بداء کی حقیقت پوچھ لیں۔ وہ آپ کی زیادہ بہتر مدد کر سکیں گے۔

۶۔ چھٹے دروازے پر جو فرشتہ ندا کرتا ہے وہ تمام مسلمین کو خوشخبری سناتا ہے جو عام ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد۔ اس کی ندا میں کوئی شرط نہیں تو اس صورت میں اس خوشخبری میں زانی، شرابی، سودخوار اور جادوگر سب داخل ہونگے اور اگر کہتے ہو کہ یہ خوشخبری صرف نیک لوگوں کے لیے ہے۔ تو ہمارا سوال ہے کہ کیا چور، ڈاکو، راشی، ظالم، قاتل وغیرہ بھی اس سے خارج ہیں۔ اگر تمہارا جواب اثبات میں ہوگا تو تم نے پہلے صرف چھ قسم کے انسانوں کو مغفرت سے خارج کیا تھا۔ اب یہ کیسے خارج ہو گئے۔ اگر تمہارا جواب یہ ہے کہ یہ ابتداء ہی سے اس مغفرت میں داخل نہ تھے تو ہم عرض کریں گے کہ پھر صرف چھ قسم کے آدمیوں کی کیوں تخصیص کی گئی۔ کیا یہاں بھی کوئی بھول واقع ہوتی تھی۔

۶۔ آپ نے ذکر کیا ہے کہ جنت کے تیسرے دروازے پر فرشتہ دعا کرنے والوں کے لیے خوشخبری کا اعلان کرتا ہے اور ساتویں دروازے پر استغفار کرنے

والوں کے لیے۔ کیا آپ کے نزدیک استغفار دعا سے خارج ہے۔ حالانکہ استغفار تو دُعا کی ایک قسم ہے۔ اگر استغفار دعا سے خارج اور جداگانہ شئے ہے تو ان دونوں کا فرق بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

رجب وشعبان کے روزے

ان بے سروپا روایات میں سے ایک اور روایت بھی حضرت ابوہریرہؓ کی جانب منسوب کی گئی ہے۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

عن ابی ھریرۃ انہ قال لم یصم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھراً بعد رمضان الا رجب و شعبان

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بعد رجب و شعبان کے علاوہ کبھی روزے نہیں رکھے۔

قارئین کرام حضرت عائشہؓ کی مرویات میں پڑھ چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے روزے رکھتے۔ لیکن کسی روایت میں رجب کے روزے رکھنے کا ذکر نہیں۔ اس روایت میں رجب کا لفظ عمداً بڑھایا گیا ہے۔ حضرت ام سلمہ ستر ۶۲ھ سے مروی ہے۔

مارأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یصوم شھرین متتا بعین الا شعبان و رمضان وکان یصل شعبان برمضان۔ نسائی ج ۱ ص ۲۴۸، ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان و رمضان کے علاوہ دو ماہ کے پے دَرپے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور آپ شعبان کو رمضان سے ملا دیتے تھے (یعنی روزوں سے)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

ما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استکمل صیام شھر الا رمضان وما رایتہ اکثر صیاما منہ فی شعبان۔ بخاری ج ۱ ص ۲۶۴

مسلم ج ۱ ص ۳۶۵ ۔ موطا امام مالک مترجمہ ص ۲۶۱

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان کے علاوہ پورے ماہ کے پورے روزے نہیں رکھتے دیکھا اور شعبان سے زیادہ روزے کسی ماہ میں رکھتے نہیں دیکھا۔

اصل حدیث یہ تھی جس میں دو تحریفات کی گئیں اور لفظ رجب کا اضافہ کیا گیا تاکہ رجب کے روزے ثابت کئے جا سکیں، دوئم یہ حدیث حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ سے مروی تھی اسے حضرت ابو ہریرہؓ سے منسوب کیا گیا۔ حالانکہ ابو ہریرہؓ سے تو حضور کا امت کے لیے یہ فرمان مروی ہے۔

اذا انتصف شعبان فلا تصوموا ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

جب آدھا شعبان ہو جائے تو روزے نہ رکھو

رجب کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں وہ آپ حضرات پہلے پڑھ چکے ہیں اور جن روایات میں رجب کے روزوں کا ذکر ہے ان پر جو محدثین نے بحث کی ہے وہ بھی آپ کی نظر سے گذر چکی اور یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک افترا ہے۔

۲۔ شیخ عبدالقادرؒ نے اس روایت کی کوئی سند بیان نہیں کی جو اس پر بحث کی جا سکتی اور حدیث کی کسی کتاب میں یہ روایت موجود نہیں۔ نہ متقدمین نے اسے روایت کیا ہے نہ متاخرین نے۔

۳۔ اس روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ

صرف رجب وشعبان میں روزے رکھتے اور کسی ماہ میں نہ رکھتے۔ یہ ایک ایسا صریح جھوٹ ہے جس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ کیونکہ یہ بات آپ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ہر ماہ کچھ نہ کچھ روزے رکھتے کوئی ماہ روزوں سے خالی نہ رہتا۔ عبداللہ بن شقیق ۱۰۸ھ کا بیان ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کسی اور متعینہ مہینہ کے روزے رکھتے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا۔

لا واللہ ان صام شہرا معلوما سوی رمضان حتی مضی بوجہہ ولا افطرہ حتی یصیب منہ۔ مسلم ج۔۱ ص ۳۶۴، نسائی ج۔۱ ص ۲۲۰،

نہیں خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی متعینہ مہینے کے کبھی روزے نہیں رکھے حتی کہ آپ دنیا سے کوچ فرما گئے اور نہ کوئی ایسا مہینہ گذرا جس میں آپ نے کبھی روزے نہ رکھے ہوں۔

ترمذی نے حضرت عائشہؓ ۵۷ھ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحری یوم الاثنین والخمیس ترمذی ج۔۱ ص ۱۲۳، نسائی ج۔۱ ص ۲۳۴

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کے دن کا روزوں کے لیے انتظار فرماتے رہتے۔

حضرت انس ۹۱ھ کا بیان ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفطر من الشہر حتی نظن ان لا یصوم منہ ویصوم

حتی نظن ان لا یفطر منہ بخاری ج۔ ۱ ص ۲۲۴
ترمذی ج۔ ۱ ص ۱۲۵

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ میں افطار کرتے حتیٰ کہ ہمیں یہ خیال گذرنے لگتا کہ آپؐ اس ماہ میں روزے نہ رکھیں گے اور جب روزے رکھتے تو اس طرح لگاتار رکھتے کہ ہم گمان کرتے کہ اب آپؐ افطار نہ فرمائیں گے۔

حضرت اسامہؓ بن زید ۵۴ھ اور انہی حضرت ابوہریرہ ۵۷ھ کا بیان ہے کہ حضور سے جب دوشنبہ کے اور جمعرات کے روزے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم ترمذی ج۔ ۱ ص ۱۲۳
طحاوی ج۔ ۱ ص ۳۴۱ ، نسائی ج۔ ۱ ص ۲۶۳

دوشنبہ اور جمعرات کے روز اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

ان حوالوں کے بعد اب آپ "غنیہ" کی روایت کو دیکھئے جس میں شیخ عبدالقادر المتوفی ۵۶۱ھ بلا سند ابوہریرہؓ کا دعویٰ نقل کر رہے ہیں کہ آپؐ تین ماہ کے علاوہ کسی مہینہ میں روزہ نہ رکھتے۔ دوسری جانب امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ ابوہریرہؓ ۵۷ھ سے بالسند یہ بات نقل کر رہے ہیں کہ حضورؐ ہر دوشنبہ اور جمعرات کا روزہ رکھتے اور اس کی تائید اسامہ بن زید ۵۴ھ بھی کر رہے ہیں اور حضرت عائشہ ۵۷ھ اور حضرت انس ۹۱ھ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہر ماہ میں کچھ نہ کچھ روزے ضرور رکھتے اور رمضان کے علاوہ آپؐ نے کبھی کسی ماہ کے پورے روزے نہیں رکھے۔ اب آپ حضرات خود ہی فیصلہ

فرمائیں کہ ان دونوں فریقوں میں سے کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ اگر عبدالقادرؒ نے سچ کہا ہے تو حضرت عائشہؓ ۵۷ھ، حضرت انسؓ ۹۱ھ، حضرت اسامہ بن زیدؓ ۵۴ھ، حضرت ابو ہریرہؓ ۵۷ھ، حضرت ام سلمہؓ ۶۳ھ اور وہ تمام محدثین جنھوں نے ان صحابہ کی روایتیں نقل کی ہیں سب جھوٹے ہیں۔ مثلاً بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طحاوی وغیرہ

نیز ہم نے تمام روایات نقل بھی نہیں کیں۔ ورنہ یہ مضمون ابن عباسؓ ۶۸ھ، ابن عمرؓ ۷۴ھ، اور جابرؓ ۷۳ھ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابن عباسؓ ۶۸ھ، ابو موسیٰ اشعریؓ ۴۴ھ، امیر معاویہؓ ۶۰ھ اور بکثرت صحابہ کے ذریعہ یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ دس محرم کا روزہ بھی رکھتے تو یہ بتاتے کہ آپؐ کے نزدیک دس محرم کا روزہ کیسا ہے۔ اگر آپ کہتے ہیں درست ہے تو اس روایت میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ باطل ہوتا ہے اور اگر آپ کہتے ہیں غلط ہے تو ان احادیث اور صحابہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ جبکہ یہ حضورؐ کا یہ فرمان موجود ہے۔

افضل الصیام بعد شھر رمضان شھر اللہ المحرم۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۸، ترمذی ج ۱ ص ۱۲۲

رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ کے مہینہ محرم کا روزہ ہے۔

اتفاق سے یہ حدیث بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ اس قسم کا دعویٰ کرنے والے تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ حدیث کی تکذیب کر رہے ہیں۔ گذشتہ روایت طبرانی نے "اوسط" میں بھی نقل کی ہے۔ لیکن ہیثمی فرماتے ہیں اس میں یوسف بن عطیۃ الصفار ضعیف ہے (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۹۱) ذہبی لکھتے ہیں اس کے ضعف پر سب کا اجماع ہے نسائیؒ کہتے ہیں متروک ہیں، بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ نیز ذہبی نے ایک

روایت کے بارے میں دعویٰ کیا ہے کہ اس کا واضح یہی یوسف ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی عام احادیث صحیح نہیں۔ میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۶۸

حضرت ابی بن کعب ۳۲ھ کی روایت

ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ نے حضرت ابی بن کعب ۳۲ھ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان جبریل اتانی لیلۃ النصف من شعبان قال قم فصل وارفع راسک ویدیک الی السماء فقلت یا جبریل ما ھذہ اللیلۃ قال یا محمد تفتح فیھا ابواب السماء وابواب الرحمۃ ثلاث مائۃ باب فیغفر لجمیع من لا یشرک باللہ شیئا غیر مشاحن او عاشر او مدمن خمر او مصر علی الزنا فان ھؤلاء لا یغفر لھم حتی یتوبوا فاما مشاحن فانہ یترک لہ بابا من ابواب الرحمۃ حتی یکلم صاحبہ فاذا کلمہ غفر لہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا جبریل فان لم یکلمہ حتی یمضی عنہ النصف قال لو مکث الی ان یتغرغر بھا فی صدرہ فھو مفتوح فان تاب قبل منہ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بقیع الغرقد فلبینا وھو ساجد یقول فی سجودہ اعوذ بعفوک من عقابک واعوذ برضاک من سخطک واعوذ

بک منک جل ثناؤک ولا ابلغ الثناء
علیک انت کما اثنیت علی نفسک فنزل
جبریل علیہ السلام فی ربع اللیل فقال
یا محمد ارفع رأسک الی السماء فرفع رأسہ
فاذا ابواب الرحمۃ مفتوحۃ علی کل باب
ملک ینادی طوبی لمن سجد فی ھذہ
اللیلۃ وعلی الباب الثانی ملک ینادی
طوبی لمن رکع فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب
الثالث ملک ینادی طوبی لمن دعا ربہٗ فی
ھذہ اللیلۃ وعلی الباب الرابع ملک ینادی
طوبی لمن ناجی ربہ فی ھذہ اللیلۃ وعلی
الباب الخامس ملک ینادی طوبی للمسلمین
فی ھذہ اللیلۃ وعلی الباب السادس ملک
ینادی طوبی للموحدین وعلی الباب السابع
ملک ینادی ھل من تائب یتوب علیہ
وعلی الباب الثامن ملک ینادی ھل من
مستغفر فیغفر لہ وعلی الباب التاسع ملک
ینادی ھل من داع فیستجاب لہٗ ثم ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا جبریل متیٰ
ابواب الرحمۃ مفتوحۃ قال من اول اللیل الیٰ
صلاۃ الفجر۔ تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۲۶

میرے پاس نصف شعبان کی شب میں جبرئیل آئے اور بولے
یا رسول اللہ آپ کھڑے ہو جائیے اور اپنا سر اور اپنے ہاتھ

آسمان کی طرف اُٹھا ئیے ۔ میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون سی رات ہے ۔ انھوں نے فرمایا اے محمد اس رات میں آسمان کے ادر رحمت کے تین سو دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان تمام لوگوں کی مغفرت کی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتے ہوں ۔ سوائے کینہ پرور، عشر وصول کرنے والے شراب کے عادی اور زنا پہ اصرار کرنے والے کے ان کی اس وقت تک مغفرت نہیں کی جاتی جب تک یہ توبہ نہ کرلیں ۔ کینہ پرور کے لیے رحمت کا ایک دروازہ چھوڑ دیا جاتا ہے تاؤقتیکہ وہ اپنے ساتھی سے کلام نہ کرلے اور جب اس سے کلام کر لیتا ہے تو اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبرئیلؑ اگر وہ آدھی رات تک کلام نہ کرے ۔

حضرت جبرئیل نے جواباً عرض کیا کہ اگر سینہ میں سانس اٹکنے تک بھی وہ ٹھہرا رہے تو وہ دروازہ کھلا رہتا ہے ۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو اس کی توبہ قبول کر لی جاتی ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع غرقد کی جانب تشریف لے گئے ۔ آپؐ سجدہ میں فرما رہے تھے ۔ میں آپؐ کے عفو کے واسطہ سے آپ کی سزا سے، آپ کی رضا کے ذریعہ آپ کی ناراضگی سے اور آپ کے ذریعہ آپ کی ذات سے پناہ مانگتا ہوں ۔ آپ کی تعریف بہت بڑی ہے ۔ میں آپ کی ثنا نہیں کر سکتا آپ ویسے ہی ہیں جیسی آپ نے اپنی ثنا فرمائی ہے پھر چوتھائی شب میں جبرئیل نازل ہوتے اور فرمایا اے محمد اپنا سر آسمان کی جانب اُٹھائیے آپؐ نے سر اُٹھایا تو رحمت کے دروازے

کھلے ہوتے تھے۔ پہلے دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا
اس شخص کے لیے خوشی ہو جو اس رات سجدہ کرے، دوسرے
دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا اس شخص کے لیے
خوشی ہو جو اس رات سجدہ کرے، تیسرے دروازے پر
ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا اس شخص کے لیے خوشی ہو جو اس
رات اپنے پروردگار کو پکارے۔ چوتھے دروازے پر ایک
فرشتہ ندا کر رہا تھا اس کے لیے خوشی ہو جو اس رات
مناجات کرے۔ پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا
تھا اس رات میں مسلمین کے لیے خوشی ہو۔ چھٹے دروازے
پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا موحدین کے لیے خوشی ہو ساتویں
دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا تھا۔ ہے کوئی توبہ کرنے والا
کہ اللہ اس کی توبہ قبول کرے۔ آٹھویں دروازے پر ایک
فرشتہ ندا کر رہا تھا ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ اس کی
مغفرت کی جائے اور نویں دروازے پر ایک فرشتہ ندا کر رہا
تھا ہے کوئی دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کی جائے پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے جبرئیل یہ رحمت
کے دروازے کب تک کھلے رہتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا
ابتدائے شب سے صبح صادق تک۔

آئیے ذرا پہلے اس روایت کے معنوی مفہوم پر غور کرلیں کہ ان
حسین الفاظ میں کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔

ا۔ حضرت جبرئیل کی دوبارہ آمد چوتھائی شب میں اس وقت ہوئی۔
جب کہ آپ بقیع جا کر سجدہ میں دعا کر کے واپس آچکے تھے۔ اس لحاظ سے
پہلی آمد ابتداء شب میں ہوگی۔ اگر یہ پہلی آمد فوراً بعد المغرب تسلیم کرلی

جاتے اور دس گھنٹہ کی رات تسلیم کرلی جاتے تو ان دونوں آمدوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ڈھائی گھنٹے کا فرق ہوگا جو اس آمد درفت میں ختم ہو جائے گا سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کس وقت ادا فرمائی راوی نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا نماز عشاء پہلی آمد کے بعد ہوئی تھی یا دوسری آمد کے بعد؟ اگر کہا جائے کہ پہلی آمد کے بعد ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبریلؑ کی پہلی آمد کے فوراً بعد بقیع تشریف لے گئے تھے۔ جیساکہ روایت کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں اور دوبارہ جبریلؑ کی آمد بقیع میں ہوئی اور راوی نے واپسی کا کوئی تذکرہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ نماز عشاء ان دونوں آمدوں کے درمیان یا بعد میں ہرگز نہیں ہوئی۔

اگر یہ کہا جائے کہ پہلی آمد عشاء کے بعد ہوئی تو چوتھائی شب تو پہلی آمد پر ہو جائے گی اب یہ کہنا کہ دوسری آمد چوتھائی شب پر ہوئی یہ غلط ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زندیق کو یہ بھی خبر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چوتھائی شب کے وقت عشاء کی نماز پڑھاتے تھے یا اس جاہل کو یہ بھی معلوم نہیں کہ چوتھائی شب کب ہوتی ہے ورنہ جب رات اور چھوٹی ہوگی تو غروب آفتاب اور چوتھائی شب میں صرف دو گھنٹے کا فرق رہ جاتا ہے۔

۲۔ بقول راوی حضرت جبرئیلؑ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے اور آسمان کی جانب سر اٹھا کر ہاتھ پھیلانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے برعکس حضورؐ نے نہ تو نماز پڑھی، نہ آسمان کی جانب سر اٹھایا اور نہ ہاتھ بلند فرمائے بلکہ آپؐ بقیع تشریف لے گئے اور وہاں سجدے میں دعا فرمائیؐ۔ گویا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی نافرمانی کی۔ عیاذاً باللہ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی   یہ تو وہ وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

قُلْ اِنْ اَتَّبِعُ مَا یُوْحٰی اِلَیَّ

انعام

میں تو اسی چیز کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی کی جاتی ہے

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ

انعام

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو اس چیز کی اتباع کیجئے جو آپ پر وحی کی جاتی ہے۔

اس خبیث نے ان حسین الفاظ میں گویا یہ دعویٰ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیاذاً باللہ خدا کے نافرمان تھے اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید ایک جھوٹی کتاب ہے یا اس کا نازل کرنے والا .... عیاذاً باللہ۔ نقل کفر کفر نہ باشد

۳۔ سب سے زیادہ حیرت ناک امر یہ ہے کہ اس قسم کے جتنے واقعات پیش آتے ہیں وہ سب رات ہی کو پیش آتے ہیں۔ جب کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سوئے ہوئے ہوتے ہیں اور دن میں کوئی حکم پہلے سے نازل نہیں ہوتا اور نہ حضورؐ پہلے سے لوگوں کو مطلع فرماتے ہیں کہ دوسرے بھی اس نعمت میں شریک ہو جائیں اور وہ مغفرت و رحمت سے بہرہ ور ہوں بلکہ اس قسم کے تمام واقعات رات کو پیش آتے ہیں اور حضورؐ اس کا کوئی اعلان نہیں فرماتے بلکہ یا تو خاموشی سے بقیع چلے جاتے ہیں یا گھر میں عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ پہلے سے حضرت عائشہؓ کو بھی مطلع نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے تمام لوگ اس شب کی فضیلت سے محروم رہتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اس رات کو حضورؐ کے لیے مخصوص فرمایا جو اس اخفا کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اگر یہ عمل مخصوص ہے تو دوسروں کے لیے اس پر عمل کیسے جائز ہوگا۔

۴۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں مذکور تھا کہ آپ صرف بقیع تشریف

لے گئے اور کسی قسم کا عمل انجام نہیں دیا۔ دوسری روایت میں بقیع میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ آپ بقیع تشریف ہی نہیں لے گئے۔ گھر پر عبادت فرمائی اور چوتھی روایت میں ہے آپ بقیع گئے اور گھر آکر نماز پڑھی۔ اس روایت میں ہے کہ آپ قبرستان گئے اور وہاں سجدہ کیا۔

ان تمام روایات میں اتنا تضاد ہے کہ اسے دُور کرنا محال ہے۔

۵۔ دراصل وضاعین نے حدیث عائشہؓ میں کچھ اضافہ و ترمیم کر کے اور اس کی نئی سندات وضع کر کے اس روایت کو مختلف صحابہ کی جانب منسوب کر دیا ہے اور ان میں یہ فرق عمداً اس لیے رکھا گیا ہے تاکہ یہ ایک روایت محسوس نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ تو متعدد روایات ہیں ان کو دل و جان سے قبول کر لیں اور واقعہ بھی کچھ اسی طرح پیش آیا ہے۔ حتیٰ کہ علماء بھی تعداد روایات سے دھوکہ کھا گئے۔

۶۔ اس جاہل کو یہ بھی خبر نہیں کہ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے یا سجدہ۔ کیونکہ اس نے پہلے سجدہ کا ذکر کیا ہے بعد میں رکوع کا اور قیام کو تب بھی ترک کر دیا ہے۔ حالانکہ نماز میں سب سے افضل جزو قیام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝ بقرہ

اور خدا کے لیے حکم بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

۷۔ حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت میں کوئی مغفرت سے خارج نہ تھا۔ ایک روایت میں صرف ایک آدمی کو مغفرت سے خارج کیا گیا تھا۔ ایک میں دو اور ایک میں چار کا ذکر تھا اس میں چھ کا ذکر ہے اور جن جن روایتوں میں مغفرت سے خارج لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی متعینہ نہیں۔ ان میں بھی اختلاف ہے۔ اگر ان سب کو جمع کیا جاتے تو بیسیوں قسم کے انسان مغفرت سے خارج ہو جائیں گے جن میں ایک عاشر بھی ہو گا اور عاشر عشر لینے والے کو

کہا جاتا ہے۔

شریعت اسلامیہ نے ان زمینوں پر جو نہروں سے سیراب ہوتی ہیں عشر یعنی دسواں حصہ بطور زکوٰۃ متعین کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام خلفاء یہ عشر وصول فرماتے رہے ہے۔ اس زندیق کے نزدیک یہ سب حضرات مغفرت سے خارج ہیں کیونکہ یہ خبیث خود اپنی زمین کی زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے تھے۔

قبر پرستی کی بنیاد

۸ ۱۰۔ اس روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضورؐ نے قبرستان جا کر سجدہ فرمایا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لعن اللہ الیہود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائہم وصلحائہم مساجد انی انہٰکم عن ذلک،

مسلم ج۔ا ص۲۰۱، بخاری ج۔ا ص۶۲، نسائی ج۔ا ص۷۳

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجے کہ انھوں نے اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

ملا علی قاری حنفی "مرقات شرح مشکوٰۃ" میں فرماتے ہیں۔

اما لانہم کانوا یتخذون الصلوٰۃ للہ تعالیٰ فی مدافن الانبیاء والصلحاء والسجود علی مقابرھم والتوجہ الی قبورھم حالۃ الصلوٰۃ نظوا منہم بذلک الی عبادۃ اللہ وذلک ھو الشرک الخفی

حاشیہ مشکوٰۃ ص۶۹

یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ انبیاء وصلحاء کے مقابر میں اللہ کے لیے

نمازیں پڑھتے اور ان کی قبروں کی جانب سجدہ کرتے اور
حالت نماز میں ان کی قبروں کی طرف متوجہ رہتے۔ اگرچہ ان کا
مقصود اللہ ہی کی عبادت تھی اور یہ عمل شرک خفی ہے۔

اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو عیاذ باللہ یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شرک میں مبتلا تھے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام نبوت سے قبل بھی شرک سے پاک ہوتے ہیں اور یہ روایت کسی قبر پرست کی وضع کردہ معلوم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

الارض کلها مسجد الا المقبرة والحمام

ترمذی ج۔ ا ص ۶۶ مشکوٰۃ ص ۷۱ ، ابوداؤد ج۔ ا ص ۷۷

تمام زمین مقبرہ اور حمام کے علاوہ سجدہ گاہ ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سبعة مواطن فى المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق وفى الحمام وفى معاطن الابل وفوق ظهر بيت الله۔ مشکوٰۃ ص ۷۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مقامات پر نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی، کوڑی، جہاں جانوروں کی اوجھڑی وغیرہ ڈالی جاتے، مقبرہ، درمیان راہ، حمام، اونٹ باندھنے کی جگہ اور بیت اللہ کی چھت پر

اس کے باوجود حضور نے قبرستان میں سجدہ ادا فرمایا جو نماز کا اہم جزو ہے تو یہ سجدہ ناجائز ہوا۔ اور اگر پوری نماز ادا فرمائی تھی تو وہ بھی حضور کے فرمان کے مطابق ادا نہیں ہوئی۔ انھی احادیث کے باعث چاروں ائمہ کا متفقہ فتویٰ ہے کہ قبرستان میں سجدہ یا نماز حرام ہے۔ حتی کہ اس مسجد میں نماز تک جائز

نہیں جس میں قبر بنی ہو۔ بجز اس صورت کے کہ قبر پیچھے ہو۔ ورنہ قبر کا یا مسجد کا توڑنا لازم آئے گا۔ لیکن اس زندیق کے بقول حضورؐ کے قول و عمل میں تضاد ہے

۹۔ اس روایت میں مذکور ہے کہ دعا اس طرح کی جائے کہ سر آسمان کی جانب اٹھا ہو۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔

لینتھین اقوام عن رفعھم ابصارھم عند الدعاء فی الصلوٰۃ او لتخطفن ابصارھم،

مسلم ج۔ ا ص ۱۸۱، بخاری ج۔ ا ص ۱۰۴، ابوداؤد ج۔ ا ص ۱۳۹
نسائی ج۔ ا ص ۱۲۷

یا تو لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نگاہیں اوپر اٹھانے سے باز آجائیں یا ان کی بینائیاں اچک لی جائیں گی۔

۱۰۔ راوی کہتا ہے کہ دعا کے وقت ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا لیے جائیں حالانکہ دعا کے وقت ہاتھ اونچے کرنا نماز استسقاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ امام احمد نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان رفعکم ایدیکم بدعۃ مازاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ھذا یعنی الی الصدر

مشکوٰۃ ص ۱۹۶، حصن حصین ص ۸۳

تمہارا اونچے ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے اوپر کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے۔

یعنی حضورؐ نے دعا کے وقت کبھی سینہ سے اوپر ہاتھ نہیں اٹھائے۔ اگر اوپر اٹھانے کا حکم ہوتا تو آپ اور اوقات میں بھی اٹھاتے۔

۱۱۔ راوی کہتا ہے کہ میرے دروازے پر ایک فرشتہ دعا کرنے والوں کے لیے بشارت دیتا ہے اور چوتھے دروازے پر مناجات کرنے والے کیلیے گویا راوی کے نزدیک دعا اور مناجات دو جداگانہ امور ہیں۔ حالانکہ ان دو نوں کا

مقصد ایک ہی ہے۔ ان دونوں کے لیے ایک ہی دروازہ کافی تھا۔

۱۲۔ استغفار اور توبہ بھی ایک ہی شئے ہے۔ ان دونوں کے لیے دو جداگانہ دروازوں کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

۱۳۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نماز میں یہ تمام امور یکجا جمع ہو جاتے ہیں۔ یعنی رکوع، سجدہ، دعا، مناجات اور توبہ واستغفار۔ اس لحاظ سے ان سب اُمور کے لیے ایک دروازہ کافی تھا۔

۱۴۔ ہمیں افسوس ہے کہ راوی نے تین سو دروازوں میں سے صرف نو دروازوں کا ذکر کیا تو کیا اور دروازے ذکر کے قابل نہ تھے اور اگر وہ تمام ذکر کے قابل تھے تو ان نو کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راوی کے دماغ نے ہی جواب دے دیا ہو جو بقیہ افسانہ وضع نہ کر سکا۔

۱۵۔ مسلمین اور موحدین میں کیا فرق ہے۔ ہم اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں غالباً اس نے آج کل کے مشرک مسلمانوں اور وہابیوں کو دیکھ کر یہ بات کہی ہو گی تاکہ دونوں خوش ہو جائیں۔ ع با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

"صحیح مسلم" میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضؓ ۷۳ھ اور حضرت ابو ہریرہؓ ۵۷ھ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ ومن یسالنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفرلہ وفی روایۃ انا الملک انا الملک من ذا الذی یدعونی فاستجیب لہ من ذا الذی یسالنی فاعطیہ من ذا الذی یستغفرنی فاغفرلہ فلا یزال کذلک حتی یطلع الفجر۔ مسلم ج۔ ۱ ص ۱۵۸ مؤطا ص ۷۴۔ بخاری ج۔ ۱ ص ۱۵۳

ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی جانب نزول فرما ہوتا ہے جب آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تو میں اس کی مغفرت کروں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کی مغفرت کروں۔ فجر طلوع ہونے تک اسی طرح ہوتا رہتا ہے۔

یہ ہے وہ ندا جو روزانہ ہوتی ہے اور ندا بھی خود خدا تعالیٰ کرتا ہے لیکن ان خبیثوں نے اس روایت میں تغیر و تبدل کر کے اسے شب برات کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اس طرح ان زنادقہ نے لوگوں کو تہجد سے ہٹانے کیلیے اسلام کے نام سے ایک نیا جال پھیلا دیا جس میں ہر قسم کے پنچھی آ کر پھنس گئے۔

۱۶۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ یہ تمام رحمت زندگی بھر کے عمل و عبادت پر موقوف ہے۔ لیکن ان کذابین نے اسے عام کر کے سب کیلیے معصیت کے دروازے کھول دیتے اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا کہ تمام سال خواہ کچھ بھی کرتے رہو گے۔ لیکن جب تم شب برات میں نفلی نمازیں پڑھ لوگے یا قبر پرستی کر لو گے تو تمہارے لیے رحمت کے دروازے کھل جائینگے حالانکہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۔ بقرہ

اے مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں ایسے ہی داخل ہو جاؤ گے۔ ابھی تو تم پر وہ تکالیف آتی بھی نہیں جو پہلی امتوں پر آئی تھیں جن کو تنگی اور تکالیف نے ہلا کر رکھ دیا تھا حتیٰ کہ اس وقت کے رسول اور مومن بھی کہنے لگے تھے کہ اللہ کی مدد کہاں ہے

نیز ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ ۔ ابراءت

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم ایسے ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے جب تک اللہ یہ نہ جان لیں کہ تم میں سے مجاہد کتنے ہیں۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے جنھوں نے اس قسم کی بے سر و پا روایات کی چھان بین کر کے کھرا کھوٹا الگ کر دیا اور اس کے لیے اسماء الرجال جیسا اہم فن اور اصول حدیث وضع فرمائے کہ آئندہ تا قیامت بھی ہر قسم کی بے ہودگیوں کو ان اصولوں پر پرکھ کر حق و باطل کو جدا کیا جا سکتا ہے فجزاھم اللہ احسن الجزاء

سندی حیثیت

جلال الدین سیوطی نے "اللآلی المصنوعۃ فی احادیث الموضوعۃ" اور علامہ ابن عراق الکنانی نے "التنزیہ الشریعۃ فی احادیث الموضوعۃ" میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا ہے۔

هٰذا حديث موضوع وفيه محمد بن حازم مجهول وعنه ابراهيم بن عبد الله البصري

وعن ھذا حامد بن محمود الھمدانی لم اعرفہما

تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۱۲۶

یہ حدیث موضوع ہے۔ اس میں محمد بن حازم مجہول ہے اور اس سے روایت کرنے والا ابراہیم بن عبداللہ البصری اور اس سے روایت کرنے والا حامد بن محمود الھمدانی کو میں نہیں پہچانتا۔
گویا ابن عراقی الکنانی کے نزدیک پے درپے اس کے تین راوی مجہول ہیں۔
ذہبی میزان میں فرماتے ہیں۔

محمد بن حازم عن اسماعیل السدی قال ابو احمد الحاکم مجہول۔ میزان ج ۳ ص ۵۰۶

محمد بن حازم، اسماعیل السدی سے روایت کرتا ہے۔ ابو احمد الحاکم کہتے ہیں مجہول ہے۔
ذہبی کے الفاظ سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی کہ وہ خالی مجہول نہیں بلکہ سدی کذاب سے روایات نقل کرتا ہے۔
میرے نزدیک ابراہیم سے مراد ابراہیم بن عبداللہ بن السفر قع البصری ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی ابراہیم بن عبداللہ بصرہ کا باشندہ نہیں۔ ابن ابی الفوارس اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کذاب یضع الحدیث میزان ج ۱ ص ۴۲

نمبر ایک کا جھوٹا ہے۔ احادیث وضع کیا کرتا تھا۔
وہ تمام روایات جن میں شب برات کے سلسلہ میں یہ آرہا ہے کہ اس رات میں مردوں کے نام لکھے جاتے، یا سال بھر کے احکامات کے فیصلے کیے جاتے۔ یا رزق لکھا جاتا۔ یا سلامتی و مغفرت اور رحمت کا نزول ہوتا ہے یہ سب امور آیات قرآنیہ کے خلاف ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ ؁

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا
إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۝ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ دخان

یقیناً ہم نے یہ قرآن ایک مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ یقیناً ہم ڈرانے والے ہیں۔ اس رات میں ہماری جانب سے ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یقیناً ہم بھیجنے والے ہیں آپ کے پروردگار کی جانب سے رحمت۔

نیز ارشاد ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ
أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا
بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ
مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ القدر

ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔ لیلۃ القدر ایک ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اس رات میں رُوح الامین اور فرشتے اپنے پروردگار کی اجازت سے ہر حکم لے کر نازل ہوتے ہیں اور طلوع فجر تک سلامتی کا نزول رہتا ہے۔

یہ سب لیلۃ القدر کی خصوصیات ہیں۔ تو جن روایات میں ان امور میں سے کوئی امر پایا جاتا ہو تو وہ صراحتاً نص قرآنی کے خلاف ہونے کے باعث باطل و مردود ہے۔

مرویات عبداللہ بن عمر رضؓ

انبانا ابراهیم بن محمد الازجی انبانا الحسین ابن ابراهیم انبانا محمد بن جابار المذکر

انبانا ابوبکر محمد بن علی بن زیرک انبانا
ابوسھل عبید اللہ بن محمد بن زیرک انبانا
ابوبکر بن ابی زکریا الفقیہ نا ابراھیم بن
محمد الدربندی نا احمد بن اصرم المزنی نا ابو
ابراھیم الترجانی نا صالح الشامی عن
عبد اللہ بن ضرار عن یزید بن محمد عن ابیہ
محمد بن مروان عن ابن عمر قال قال رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ لیلۃ
النصف من شعبان الف مرۃ قل ھو اللہ احد
فی مائۃ رکعۃ لم یخرج من الدنیا حتی یبعث
اللہ الیہ فی منامہ مائۃ ملک ثلاثون یبشرونہ
بالجنۃ وثلاثون یومنونہ من النار وثلاثون
یعصمونہ من ان یخطئ وعشر یکیدون من
عاداہ -

ہم سے ابراہیم بن محمد الازجی نے بیان کیا۔ ان سے حسین بن ابراہیم نے ان سے محمد بن جابار المذکر نے ان سے ابوبکر محمد بن علی بن زیرک نے ان سے ابوسہیل عبید اللہ بن محمد بن زیرک نے ان سے ابوبکر بن ابی زکریا الفقیہ نے ان سے ابراہیم بن محمد الدربندی نے ان سے احمد بن اصرم المزنی نے ان سے ابوابراہیم الترجمانی نے ان سے صالح الشامی نے وہ عبد اللہ بن ضرار سے روایت کرتے ہیں۔ وہ یزید بن محمد سے وہ اپنے والد محمد بن مروان سے وہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے شعبان کی پندرھویں شب میں سو رکعت

میں ایک ہزار مار قل ہو اللہ احد پڑھی وہ دنیا سے اس وقت تک نہ جائے گا جب تک اللہ تعالیٰ خواب میں اس کے پاس سو فرشتے نہ بھیج دے۔ جن میں سے تیس فرشتے اسے جنت کی بشارت دیں گے، تیس فرشتے اسے دوزخ سے امن دینگے اور تیس فرشتے اسے خطاؤں سے محفوظ رکھیں گے اور دس فرشتے ان لوگوں کے خلاف تدابیر عمل میں لائیں گے جو اس نماز پڑھنے والے سے عداوت رکھتا ہو۔

ابن جوزی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

هذا حديث لا شك انه موضوع وجمهور رواته مجاهيل وفيهم ضعفاء۔

موضوعات ابن جوزی ج ۔۲ ص ۱۲۸

اس حدیث کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کے تمام رواۃ مجہول ہیں اور کچھ ضعیف ہیں۔

یہ روایت محمد ۱۰۲ھ بن علی بن حسین سے بھی مروی ہے جو پہلے گذر چکی ہے اور دونوں سندات کا ایک ہی حال ہے۔ گویا یہ بھی ثابت کرنا مشکل ہے کہ یہ ابن عمرؓ ۷۴ھ سے مروی ہے یا محمد بن علی بن حسین سے۔ ابن عراق الکنانی کہتے ہیں۔

فی اسنادیهما مجاهیل ومتهمون۔ تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۹۳

اس کی دونوں سندات میں کچھ رواۃ مجہول اور کچھ متہم بالکذب ہیں۔

یہ روایت ابن عمرؓ سے مروی ہے اور ان سے روایت کرنے والا محمد بن مروان ہے اگر اس سے مراد محمد بن مروان بن الحکم ہے تو وہ مجہول ہے تو اس سے کوئی روایت مروی نہیں اگر محمد بن مروان الواسطی ہے تو ابن ابی حاتم ۳۲۷ھ نے اسے بھی مجہول کہا ہے۔ میزان ج ۴ ص ۳۳۔ ہمارے نزدیک یہ محمد بن مروان السدی ہے جو مشہور کذاب ہے۔

یزید بن محمد بھی رد ہیں اور دونوں مجہول ہیں۔ میزان ج ۴ ص ۴۳۶

اس کی کیا وجہ ہے کہ ابن عمر ۷۴ھ سے مشہور روات اسے نقل نہیں کرتے،
مثلاً سالم ۱۰۵ھ بن عبداللہ، موسیٰ ۱۴۱ھ بن عقبہ، نافع ۱۱۶ھ، عبداللہ ۱۲۷ھ
بن دینار، مجاہد ۱۳۲ھ اور عطاء ۱۱۴ھ بن ابی رباح وغیرہ پھر ان لوگوں کے جو
مشہور شاگرد ہیں ان میں سے کوئی بھی اس روایت کو بیان نہیں کرتا مثلاً زہری ۱۲۳ھ
ابوحنیفہ ۱۵۰ھ مالک ۱۷۹ھ، لیث بن سعد ۱۷۵ھ سفیان ثوری ۱۶۱ھ، عمرو ۱۲۰ھ
بن دینار، حماد ۱۷۹ھ بن زید عمرو اور عقیل وغیرہ۔

یزید بن محمد سے اسے نقل کرنے والا عبداللہ بن فرار ہے۔ ابن معین ۲۳۳ھ اس
کے بارے میں فرماتے ہیں۔

لیس بشیئ ولا یکتب حدیثہ میزان ج ۴ ص ۴۴۸

وہ کچھ نہیں ہے اور نہ اس کی حدیث لکھی جاتی ہے۔

صالح الشمانی، ابوابراہیم الترجمانی، احمد بن اصرم المزنی، ابراہیم بن
محمد الدربندی، ابوبکر بن ابی زکریا۔ اور عبیداللہ بن محمد بن زیرک وغیرہ سب
مجہول ہیں۔ گویا یہ سب حضرات عالم وجود میں تشریف بھی نہ لاتے تھے۔

معنوی حیثیت

۱۔ اس روایت میں سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ تمیں فرشتے اس کام پر
مامور ہوتے ہیں کہ یہ نماز پڑھنے والوں کو خطاؤں سے محفوظ رکھیں۔ حالانکہ خطا و
نسیان سے تو انبیائے کرام بھی معصوم نہیں۔ انھیں بھی جو عصمت حاصل ہے
وہ عصمت عن المعصیت ہے نہ کہ عصمت عن الخطاء۔ ورنہ اکثر انبیائے کرام
سے خطا واقع ہوئی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی خطا سے ہر فرد بشر واقف ہے۔ اسی
طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف خطائیں واقع ہوئیں۔ جن کا ذکر قرآن
میں موجود ہے۔ مثلاً قیدیانِ بدر کو فدیہ لے کر آزاد کرنا اور اس پر تنبیہ نازل

ہونا عمرو رضی بن ام مکتوم نابینا کو اس امید میں مجلس سے اٹھا دینا کہ شاید قریش ایمان لے آئیں اور اس پر سورۂ عبس کی ابتدائی آیات میں تنبیہہ نازل ہونا۔ عبداللہ بن ابی منافق کی نماز جنازہ پڑھانا اور بھی اسی قسم کے واقعات میں قرآن کی آیات نازل ہوتیں۔ حضور کا ارشاد ہے۔

قد خطا آدم فخطئت ذریتہ ونسی آدم فنسیت ذریتہ

آدم نے خطا کی ان کی ذریت بھی خطا کرتی ہے۔ آدم بھول گئے۔ ان کی ذریت بھی بھولتی ہے۔

حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یا عبادی کلکم ضال الا من ھدیتہ ...... یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنھار۔ مشکوٰۃ ص ۲۰۳

اے میرے بندو تم سب گمراہ ہو ہاں میں جسے ہدایت کردوں اے میرے بندو تم دن رات خطائیں کرتے ہو۔

اور اسی باعث یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا بقرہ

اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا خطا کرجائیں تو ہم سے مواخذہ نہ کر۔

انبیائے کرام جو معصیت اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں وہ ان کے عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ توفیق الٰہی چونکہ ان کے شامل حال ہوتی ہے اس لیے وہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔـا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ بنی اسرائیل

اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ بھی ان کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو دنیاوی زندگی اور مرنے کے بعد دگنے عذاب کا مزا چکھاتے۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔

اس طرح اس روایت میں دو باتوں کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

(الف) یہ نماز پڑھنے والا انبیاء کرام پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ خطا سے معصوم نہ تھے اور یہ نماز پڑھنے والا خطا سے معصوم ہو جاتے گا۔

ب: عصمت عن المعصیت اور عصمت عن الخطا توفیق الٰہی پر موقوف نہیں۔ بلکہ فرضی نمازوں پر موقوف ہیں۔ گویا یہ کسبی امور ہیں۔

۲: کسی کی تائید یا مدد یا اسے خطاؤں سے بچانے کے لیے ایک فرشتہ تو ہر شخص کے ساتھ لگا رہتا ہے جو نیک باتیں اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک شیطان بھی ہوتا ہے۔ جو اس کے دل میں برائی ڈالتا رہتا ہے

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا الشمس

اس کی بدی اور اس کا تقویٰ اسے الہام کیا۔

فرشتے کی جانب سے یہ تائید ہر کس و ناکس کو حاصل ہوتی ہے لیکن اس فرشتے کے علاوہ کوئی اور فرشتہ کسی کو خطاؤں یا گناہوں سے بچانے کے لیے مامور نہیں کیا جاتا۔ صرف تائید کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت جبریئل کو متعین کیا گیا تھا جو انہی کی خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۔ آل عمران

اور ہم نے ان کی پاک روح یعنی جبریئل سے مدد کی۔

اگر عصمت کا یہی ذریعہ تھا تو کیا صحابہ نے دین میں خیانت سے کام لیا کہ ابن عمر ۷۳ھ کے علاوہ کسی صحابی نے اسے روایت تک بھی نہیں کیا۔ پھر ابن عمر رض سے ان کے صاحبزادے سالم بن عبداللہ اور ان کے مشہور شاگرد نافع ۱۱۶ھ

عبداللہ بن دینار سنہ ۱۲۷ھ، مجاہد سنہ ۱۳۲ھ، عطاء سنہ ۱۱۴ھ، موسیٰ بن عقبہ سنہ ۱۴۱ھ وغیرہ نے بھی روایت نہیں کیا صرف ایک مجہول راوی روایت کر رہا ہے جس کے نسب اور وطنیت تک سے بھی کوئی واقف نہیں۔ یعنی محمد بن مروان۔ پھر ابن عمرؓ کے ان مشہور شاگردوں میں سے کسی کے شاگرد نے بھی اسے روایت نہیں کیا۔ مثلاً امام ابوحنیفہ سنہ ۱۵۰ھ، امام مالک سنہ ۱۷۹ھ، حماد بن زید سنہ ۱۷۹ھ، حماد بن سلمہ سنہ ۱۶۷ھ، سفیان ثوری سنہ ۱۶۱ھ، سفیان بن عیینہ سنہ ۱۹۸ھ، زہری سنہ ۱۲۳ھ اور عمرو بن دینار سنہ ۱۲۰ھ وغیرہ

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو آٹھ یا دس رکعت نوافل ادا فرماتے۔ اور دس سے زیادہ نوافل پڑھنا آپ سے ہرگز ثابت نہیں۔ آپ کی رکعات کی تعداد گیارہ ہوتیں اور قراءت طویل ہوتی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے۔

لا یزید فی رمضان ولا فی غیر رمضان علی احدی عشرۃ رکعۃ۔ بخاری ج۱ ص۱۵۴، مسلم ج۱ ص۲۵۴، ابوداؤد ج۱ ص۱۹۶، مؤطا ص۴۲

رمضان ہو یا رمضان کے علاوہ کوئی اور مہینہ ہو۔ کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ ادا نہ فرماتے۔

ہاں ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت میں دس رکعات تک کا ذکر ہے۔ (مسلم ج۔ ص۔) آپ کی رکعات کی تعداد کم ہوتی اور قرأت طویل ہوتی۔ اسی طرح حضورؐ نے اُمت کو حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے۔

افضل الصلوٰۃ طول القنوت مسلم ج۱ ص۲۵۸ ترمذی ج۱ ص۷۶

سب سے افضل نماز طویل قیام ہے۔

اور اسی باعث احناف کا مسلک یہ ہے کہ کثرت تعداد سے طول قراءت افضل ہے۔

۴:- تمام رات نماز پڑھنا خود شریعت کے خلاف ہے حضور کا ارشاد ہے۔

انی ارقد واصلی فمن اعرض عن سنتی فلیس منی بخاری ج۔۲ ص ۲۵۷

میں سوتا بھی ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

نیز ارشاد ہے۔

ان لنفسک علیک حقا وان لعینیک علیک حقا وان لاھلک علیک حقا۔ بمعناہ مسلم ج۔۱ ص ۳۶۶ بخاری ج ۱ ص ۲۶۵، ج۔۱ ص ۱۵۵، ابو داؤد ج۔۱ ص ۲۰۱

تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے، تیری آنکھوں کا بھی حق ہے اور تیرے گھر والوں کا بھی حق ہے (لہٰذا سب کا حق ادا کرو)

۵:- حضور عمداً کسی آیت کی تکرار نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر دوران تلاوت کوئی آیت عذاب یا آیت رحمت آجاتی اور اس کے تاثر کا حضور پر غلبہ ہوتا تو آپ اسے بار بار پڑھتے رہتے۔ لیکن اس میں بھی کوئی تعداد معینہ نہ ہوتی۔ کسی متعینہ تعداد کے ساتھ کسی آیت کو عمداً نماز میں بار بار پڑھنا یہ چلہ کشوں کی بدعت ہے۔ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ کا قیام اتنا طویل ہوتا کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر آتے اور آپ کا قیام، رکوع، سجود اور قومہ وقعدہ سب مساوی ہوتے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔

رمقت الصلوٰۃ مع محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت قیامہ فرکعتہ فاعتدالہ بعد رکوعہ فسجدتہ فجلستہ بین السجدتین فسجدتہ فجلستہ ما بین التسلیم والانصراف قریبا من السواء (مسلم ج۔۱ ص ۱۸۹)

ہیں نے آپؐ کا قیام، آپؐ کا رکوع، قومہ، سجدہ، دونوں سجدوں کے درمیان کا جلسہ، دوسرا سجدہ اور دوسرے سجدے کے بعد کا قعدہ سلام پھیرنے تک میں نے سب کو مساوی پایا۔

اب آپ غور کیجئے کہ جب قیام کی صورت میں ثناء، سورہ فاتحہ اور سورۃ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جائے گی اور صحت و ترتیل کے ساتھ تلاوت کی جائے تو کم از کم پانچ منٹ درکار ہوں گے۔ اسی طرح ہر رکعت میں رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ میں پانچ پانچ منٹ درکار ہوں گے اور بصورت دیگر نماز کا خلاف سنت ہونا لازم آئے گا۔ اس طرح ہر رکعت کیلئے آدھا گھنٹہ درکار ہوگا اور سو رکعات کے لیے پچاس گھنٹے درکار ہونگے اور اگر قرأت میں جلدی کی گئی جس سے قواعد ترک ہوگئے تو یہ قرآن کی مخالفت ہوگی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً

اور قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھ

اور اگر رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ میں جلدی کی گئی اور انھیں اطمینان سے ادا نہ کیا گیا تو نماز ہی باطل ہوگی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

اسوا الناس سرقۃ الذی یسرق فی صلوتہ
قالوا یارسول اللہ وکیف یسرق فی صلوتہ قال
لا یتم رکوعھا ولا سجودھا — مؤطا امام مالک مترجم ص ۱۷۰

سب سے بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ وہ نماز میں چوری کس طرح کرے گا۔ آپؐ نے فرمایا نماز کی چوری یہ ہے کہ نہ اس کا رکوع مکمل کرے اور نہ سجدہ۔

ایسا شخص نمازی شمار نہ ہوگا بلکہ نماز کا چور شمار ہوگا اور صحابہ کے نزدیک تو وہ دین اسلام سے خارج ہوگا۔ حضرت حذیفہ بن الیمان ۳۶ھ نے ایک

شخص کو نماز پڑھتے دیکھا جس کا نہ رکوع مکمل تھا نہ سجدہ۔ جب وہ نماز پڑھ چکا تو حضرت حذیفہؓ نے اس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی اس نے جواب دیا میں نے یہ نماز ہی تو پڑھی ہے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا۔

ولو مت مت علی غیر الفطرۃ اللتی فطر اللہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم مشکوٰۃ ص ۸۳، بخاری ج ۱ ص ۵۶

اگر اس نماز پر تیری موت واقع ہو گی تو اس دین فطرت کے خلاف ہو گی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آتے تھے۔

"صحیح مسلم" میں ہے کہ ایک شخص نے مسجد میں آ کر نماز پڑھی اور جلدی جلدی رکوع سجدہ کیا اور پھر فارغ ہو کر حضورؐ کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا۔

ارجع فصل فانک لم تصل

جا پھر دوبارہ نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی۔

اسی طرح اس نے تین بار نماز پڑھی اور حضورؐ ہر بار یہی فرماتے رہے کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا مجھے نماز کی تعلیم دیجئے آپؐ نے فرمایا

اذا قمت الی الصلوٰۃ فکبر ثم اقرا ء ما تیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم افعل ذلک فی صلاتک کلھا۔ مسلم ج ۱ ص ۱۷۰

ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۱، بخاری ج ۱ ص ۱۰۹

جب تو نماز کو کھڑا ہو تو پہلے تکبیر کہہ پھر جو قرآن تو آسانی سے پڑھ سکے وہ پڑھ، پھر رکوع کر حتیٰ کہ رکوع میں تجھے اطمینان حاصل ہو جائے۔ پھر رکوع سے اٹھ حتیٰ کہ اعتدال کے ساتھ کھڑا ہو جائے

پھر سجدہ کر حتیٰ کہ سجدہ میں اطمینان سے ہو جائے پھر سجدہ سے اُٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جائیے۔ پھر تمام نماز میں اسی طرح کر۔ جب رکوع و سجود کامل نہ ہوں گے تو نماز ہی نہ ہوگی اور ایک رات میں سو رکعت اور ایک ہزار بار سورۃ اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ادا کرنا تو ناممکن ہے اور خلافِ سنت ادا کرنے سے وہ نماز نہ ہوگی۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایک بے ہودہ مذاق ہوگا۔

ارشادِ الٰہی ہے۔

لَا تَتَّخِذُوا اٰیٰتِ اللّٰہِ ھُزُوًا۔ بقرہ

اور اللہ کی آیات کا مذاق نہ بناؤ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت

عن عمرو بن الحارث عن عبد الملک بن عبد الملک انہ حدثہ عن المصعب بن ابی ذئب عن القاسم بن محمد عن ابیہ او عمہ عن جدہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ینزل اللہ لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لکل نفس الا فی قلبہ شحناء او مشرک باللہ۔

میزان ج ۲ ص ۶۵۹

عمرو بن الحارث نے عبد الملک بن عبد الملک سے اُس نے مصعب بن ابی ذئب سے اس نے قاسم بن محمد سے انھوں نے اپنے باپ یا چچا کے ذریعہ اپنے دادا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں آسمانِ دنیا کی جانب

نزول فرماتا ہے اور ہر ذی نفس کی مغفرت فرماتا ہے سوائے اس شخص کے جس کے دل میں کینہ ہو یا اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہو۔

سب سے پہلے غور طلب یہ امر ہے کہ کیا کینہ پرور اور مشرک دونوں مساوی ہوتے ہیں۔ جو مشرک کے ساتھ کینہ پرور کا ذکر کیا گیا۔ اور کیا زانی چور، جھوٹا، غاصب اور ظالم وغیرہ کینہ پرور سے کم ہیں جو وہ معاف کیے گئے۔ ویسے بھی پھر مشرک کا ذکر بے کار ہے۔ اس لیے کہ اس کی مغفرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ روایات دیگر روایات کے خلاف ہوگی۔ مثال کے طور پر ایک روایت میں قاتل کا بھی ذکر ہے اور مکحول کی روایت میں ہمیشہ شراب پینے والا قاطع رحم، ٹخنوں پر پاجامہ لٹکانے والا اور ماں باپ کے نافرمان کا بھی ذکر ہے۔ اس صورت میں یہ روایات متضاد ہوئیں اور جب ان مختلف قسم کے لوگوں کی مغفرت نہیں تو ان کی تو محنت ہی بیکار ہے اور وہ کونسا پاکستانی ہے جو ان امراض میں سے کسی مرض میں مبتلا نہیں۔ پاکستانیوں کو چاہیئے کہ پہلے اپنے اپنے امراض کا علاج کریں۔ اس کے بعد شب برات منائیں۔

اس روایت کا ایک راوی عبدالملک بن عبدالملک ہے۔ بخاری کہتے ہیں۔

فی حدیثہ نظر — اس کی حدیث پر اعتراض ہے۔

ابن حبان کا قول ہے۔

لا یتابع علی حدیثہ — میزان ج ۲ ص ۶۵۹

اس کی حدیث کو کوئی اور روایت نہیں کرتا۔

دوسرا راوی عمرو بن الحارث الزبیدی المصری ہے۔ ذہبی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

تفرد عنہ بالروایۃ اسحاق بن ابراہیم زبریق

ومولاۃ لہ اسمہا علوۃ فہو غیر معروف العدالۃ

میزان جلد ۳ ص ۲۵۱

اس سے اسحاق بن ابراہیم زبریق اور اس کی باندی علوہ کے علاوہ اور کوئی روایت نہیں کرتا۔ اس کا ثقہ و عادل ہونا غیر معروف ہے۔

تیسرا راوی مصعب بن ابی ذئب مجہول ہے۔

الغرض ایک راوی مجہول اور دو راوی مجروح ہیں۔

اس روایت کی سند میں ایک اور نکتہ بھی قابلِ غور ہے وہ یہ کہ قاسم بن محمد نے یہ روایت اپنے والد یا چچا سے نقل کی ہے۔ اگرچہ انھوں نے چچا کے نام کا ذکر نہیں کیا، لیکن اگر اس سے مراد عبد الرحمان ؓ بن ابی بکر الصدیق ہیں تو ان کا انتقال ۵۳ھ میں ہوا ہے۔ اور ان سے قاسم کا روایت کرنا ثابت نہیں۔

اگر قاسم نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے تو اس صورت میں دو جگہ انقطاع لازم آئے گا۔ کیونکہ قاسم ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ان کا باپ محمد بن ابی بکر ۳۸ھ میں مارا گیا۔ گویا کہ باپ کی موت کے وقت وہ سال یا ڈیڑھ سال کے تھے۔ بخاری نے تاریخ الصغیر میں ان کے حال میں لکھا ہے۔

قد قتل ابوہ وھو صغیر فربی عمتہ عائشۃ

تاریخ الصغیر ص

وہ بچہ تھے جب انھیں قتل کیا گیا۔ انھیں ان کی پھوپھی حضرت عائشہؓ نے پرورش کیا۔

اور قاسم نے جتنی بھی احادیث روایت کی ہیں وہ اکثر و بیشتر حضرت عائشہؓ سے کی ہیں۔

پھر محمد بن ابی بکر ان لوگوں میں داخل ہے جنھوں نے مصر و افریقہ میں

حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت پھیلائی اور بغاوت کے وقت بھی یہ پیش پیش تھا اور حضرت عثمانؓ کی داڑھی پر اسی نے ہاتھ ڈالا تھا ایسے شخص کی روایت کیسے "قابل قبول ہو سکتی ہے اور نہ حدیث کی کسی کتاب میں اس سے روایت ملتی ہے

نیز اس محمد بن ابی بکر نے اپنے والد یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نہیں دیکھا کیونکہ بخاری و مسلم اور تمام کتب احادیث میں حضورؐ کے حجۃ الوداع کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شروع ذی الحجہ میں مدینہ سے نکلے، جب ذو الحلیفہ پہنچے۔

فولدت اسماء بنت عمیس محمد بن ابی بکر مسلم ج۔ ا ص ۳۹۴ ۔ ابوداؤد ج۔ ا ص ۲۶۹

اسماءؓ بنت عمیس کے یہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔

یعنی محمد بن ابی بکر۔ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وفات جمادی الثانی سنہ ۱۳ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے محمد بن ابی بکر کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت دو سال سات ماہ سے کچھ کم ہوتی ہے۔ اس صورت میں والد کو دیکھنے یا ان سے حدیث سننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ اس روایت کے دو راوی مجروح، ایک مجہول، ایک قاتل عثمان ہے اور یہ روایت دو جگہ سے منقطع بھی ہے اس صورت میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابو بکرؓ کی جانب منسوب کرنا کیسے جائز ہو گا۔ بلکہ ہم تو اسے قاسم بن محمد کی جانب بھی منسوب کرنے کے لیے تیار نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسے امام ترمذی نے روایت نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت نقل کر کے یہ اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔

وفیہ عن ابی بکر

اس مضمون میں ابو بکر سے بھی روایت مروی ہے۔

جس کا مقصد یہ ہوا کہ انھوں نے اس روایت کو اس قابل تصور نہیں کیا کہ اسے روایت کیا جائے یا اس پر بحث کی جائے۔

امام ترمذی کے دو خاص اصول ہیں۔

۱۔ جب وہ باب باندھتے ہیں تو اس مضمون کی جو صحیح روایت ہوتی ہے اُسے پیش کرتے ہیں۔ اگر صحیح روایت نہیں ہوتی تو ضعیف روایتوں میں جو سب سے بہتر ہوتی ہے اسے بیان کر کے اس پر جرح کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے انھوں نے حضرت عائشہؓ کی پہلی روایت کو بیان کیا اور اس پر جرح کی یعنی ضعیف روایتوں میں اسے سب سے بہتر سمجھا اور باقی روایات کو اس قابل بھی تصور نہیں کیا کہ ان پر جرح بھی کی جائے۔

۲۔ جن روایات کو وہ ترک کرتے ہیں ان کی جانب یہ کہہ کر اشارہ کرتے ہیں کہ اس مضمون میں فلاں فلاں صحابی سے روایت مروی ہے اور یہاں انھوں نے صرف ابوبکرؓ کا نام لیا جس سے یہ بات ظاہر ہوتی کہ امام ترمذی کو اس سلسلہ میں صرف دو ہی روایتوں کا علم تھا۔ ایک حضرت عائشہؓ کی روایت اور ایک حضرت ابوبکر کی روایت۔ گویا کہ تیسری صدی میں صرف دو چار ہی روایات پائی جاتی تھیں اور جب ان کے دور میں ان روایات کی تعداد اتنی محدود تھی۔ وہ بعد میں کیسے لامحدود ہو گئیں۔ قارئین اس کا فیصلہ خود فرمالیں۔

روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ

اس مضمون کی ایک روایت ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے[۴۴] بھی نقل کی ہے۔ ہم وہ سند کے ساتھ ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

حدثنا راشد بن سعید بن راشد الرملی
ثنا الولید بن مسلم عن ابن لهیعة عن

الضحاک بن ایمن عن الضحاک بن عبد الرحمن بن عرزب عن ابی موسیٰ الاشعری عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ یطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن۔

ہم سے راشد بن سعید بن راشد الرملی نے بیان کیا۔ ان سے ولید بن مسلم نے وہ ابن لہیعہ سے ناقل ہیں۔ وہ ضحاک بن ایمن سے وہ ضحاک بن عبدالرحمان بن عرزب سے وہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں طلوع فرماتا ہے اور مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ تمام مخلوق کی مغفرت فرماتا ہے۔

ابن ماجہ نے اس کی ایک اور بھی سند نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

حدثنا محمد بن اسحق ثنا ابوالاسود النضر بن عبد الجبار ثنا ابن لھیعۃ عن الزبیر بن سلیم عن الضحاک بن عبد الرحمن عن ابیہ عن ابی موسیٰ نحوہ۔ ابن ماجہ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ص ۱۰۱

ہم سے محمد بن اسحاق نے بیان کیا۔ ان سے ابوالاسود نضر بن عبدالجبار نے ان سے ابن لہیعہ نے وہ زبیر بن سلیم سے ناقل ہیں۔ وہ ضحاک بن عبدالرحمان بن عرزب سے ضحاک اپنے والد سے اور وہ ابوموسیٰ اشعریؓ سے اس روایت کو نقل کرتے ہیں۔

ان دونوں سندات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہیں کہ اس کی

سند میں اختلاف ہے۔

۱۔ ابن لہیعہ ۱۷۴ھ کبھی تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ روایت ضحاک بن ایمن سے مروی ہے۔ کبھی اسے زہیر بن سلیم کی جانب منسوب کرتا ہے۔

۲۔ کبھی کہتا ہے کہ یہ روایت عبدالرحمان بن عرزب نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے نقل کی ہے اور کبھی کہتا ہے کہ عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے نقل کی ہے اور عبدالرحمان کے باپ عرزب نے ابو موسیٰ سے

اس اختلافی نوعیت کے علاوہ اس کی سند میں اور بھی زبردست نقائص پائے جاتے ہیں۔

۱۔ اس روایت کو ابو موسیٰ اشعری سے ضحاک بن عبدالرحمان بن عرزب روایت کر رہا ہے اور علامہ ابوالحسن سندھی حنفی نے "شرح ابن ماجہ" میں امام ہیثمی سے نقل کیا ہے۔

ان الضحاک بن عبد الرحمن بن عرزب لم
یلق ابا موسیٰ ابن ماجہ مصری ج۔۱ ص۴۲۲

ضحاک ۱۰۵ھ بن عبدالرحمان بن عرزب نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے ملاقات نہیں کی۔

اور یہی بات حافظ منذری نے "الترغیب والترہیب" میں فرماتی ہے اس لحاظ سے یہ روایت منقطع ہے۔ لیکن چونکہ دوسری سند سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ضحاک نے یہ روایت اپنے والد سے نقل کی ہے اور انھوں نے ابو موسیٰ اشعری سے۔ لیکن ضحاک کے والد عبدالرحمان مجہول ہیں۔ اس صورت میں یہ روایت مجہول ہوگی۔ (تقریب ص۲۰۶) اور اس عبدالرحمان سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔

۲۔ پہلی سند میں ضحاک بن عبدالرحمان بن عرزب سے اسے روایت کرنیوالا ضحاک بن ایمن الکلبی ہے۔ ذہبی اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

شیخ لابن لهیعۃ لایدری من ذا له فی لیلۃ النصف من شعبان میزان ج۔۲ ص۳۲۲

یہ ابن لہیعہ کا شیخ ہے۔ نہ معلوم کون شخص ہے۔ اس سے شب نصف شعبان کے بارے میں روایت مروی ہے۔

یعنی ضحاک بن ایمن غیر معروف ہے، دوسرے لفظوں میں یہ بھی مجہول ہوا۔ اور اس سے اس کے علاوہ اور کوئی روایت بھی مروی نہیں۔ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں۔ ضحاک بن ایمن مجہول ہے۔ تقریب ص۱۵۴

۳۔ دوسری سند میں ضحاک بن ایمن کے بجائے زبیر بن سلیم ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

شیخ لا یعرف ما روٰی عنہ غیر ابن لهیعۃ حدیثہ فی نزول لیلۃ النصف میزان ج۔۲ ص۱۰۶

یہ شیخ بھی غیر معروف ہے اور اس سے ابن لہیعہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں لی اور وہ بھی صرف شب نصف شعبان کے بارے میں ہے۔

ابن حجر فرماتے ہیں۔ زبیر بن سلیم مجہول ہے۔ تقریب ص۱۰۶

یہ بھی مجہول ہوا۔ اور ان دونوں سے ابن لہیعہ کے علاوہ کسی نے بھی کوئی روایت نہیں لی اور نہ انھیں کوئی جانتا پہچانتا ہے اور ابن لہیعہ نے بھی صرف شب برأت والی روایت ان دونوں سے نقل کی۔ ان دونوں کا کوئی وجود تھا یا یہ دونوں کوئی فرضی شخصیتیں تھیں۔ یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔ لیکن یہ حدیث ہر صورت میں ساقط الاعتبار ہوئی اور اس روایت کو استدلال میں پیش کرنا دین کے ساتھ ایک بدترین مذاق ہے۔

۴۔ اب ذرا ابن لہیعہ کی حیثیت بھی دیکھ لیجئے۔

ابن لہیعہ

ابن لہیعہ ۱۷۴ھ کا پورا نام عبداللہ بن لہیعہ بن عقبۃ الحضرمی ہے۔ اس کی کنیت ابو عبدالرحمان ہے۔ مصر کا قاضی اور عالم تھا۔ اعرج۔ عمرو بن شعیب اور دیگر بہت سے تابعین کا زمانہ پایا ہے۔ ابو داؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے اس سے روایتیں لی ہیں۔ لیکن بخاری، مسلم، اور نسائی نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ ترمذی نے اس کی روایت نقل کر کے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں۔

ابن معین ۲۳۳ھ کا قول ہے یہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ حمیدی ۲۱۹ھ کا بیان ہے کہ یحیٰی بن سعید القطان ۱۹۸ھ اس کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ ابن مہدی ۱۹۸ھ فرماتے ہیں۔ میں نے ابن لہیعہ کی جتنی روایات سنی ہیں انھیں کچھ نہیں سمجھتا۔ ہاں وہ روایات قابل اعتبار ہیں جو ابن لہیعہ سے ابن مبارک ۱۸۱ھ وغیرہ نقل کریں۔ علی المدینی ۲۳۴ھ کا بیان ہے۔ میں ابن لہیعہ سے کوئی روایت نہیں لیتا۔ کیونکہ اس نے مجھے ایک خط لکھا۔ جس میں تحریر تھا کہ فلاں حدیث ہم سے عمرو بن شعیب ۱۱۸ھ نے بیان کی ہے۔ لیکن جب میں ابن المبارک ۱۸۱ھ کی خدمت میں پہنچا اور انھیں یہ خط پڑھ کر سنایا تو انھوں نے ایک اور خط نکال کر دکھایا جس میں اسی حدیث کے بارے میں یہ تحریر تھا کہ مجھ سے یہ حدیث عبداللہ بن ابی فروہ نے بیان کی ہے اور اس نے عمرو ۱۱۸ھ بن شعیب سے روایت کی ہے۔ یحیٰی ۲۲۶ھ بن بکیر کہتے ہیں کہ ۱۷۰ھ میں ابن لہیعہ کے مکان میں آگ لگ گئی اور اس کے مکتوبات جل گئے۔

عثمان بن صالح کہتے ہیں۔ اس کی کوئی کتاب نہیں جلی (یہ ابن لہیعہ نے جھوٹ بولا تھا) کیونکہ میں نے عمارۃ بن غزیہ کی تحریرات ابن لہیعہ کی کتابوں

سے نقل کی ہیں اور میں نے یہ نقل اس کا گھر جلنے کے بعد ہی کی تھی۔ صرف چند وہ اجزا جل گئے تھے جنھیں وہ لوگوں کو پڑھ کر سُنایا کرتا تھا۔ میں اس کی بیماری کی اصل وجہ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ واقعہ یہ تھا کہ میں اور عثمان بن عتیق جمعہ پڑھ کر آ رہے تھے۔ ہمارے آگے آگے ابن لہیعہ گدھے پر سوار جا رہا تھا۔ اچانک اس پہ فالج گرا۔ اور وہ گدھے سے گر پڑا۔ عثمان نے بھاگ کر اُسے اُٹھایا اور ہم اسے اٹھا کر گھر لے گئے۔ یہاں سے اس کی بیماری کی ابتدا ہوئی۔

امام احمد ۲۴۰ھ بن حنبل فرماتے ہیں۔ ابن لہیعہ مثنی بن الصباح جیسے ضعیف شخص سے احادیث روایت کرتا اور اسے عمرو بن شعیب ۱۱۸ھ کی جانب منسوب کر کے بیان کرتا ہے۔

یحیٰی ۲۳۳ھ بن معین کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ یحیٰی بن سعید القطان ۱۹۸ھ فرماتے ہیں کہ مجھے بشر بن السری ۱۹۶ھ نے نصیحت کی کہ اگر تیری ملاقات ابن لہیعہ سے ہو تو اس سے کوئی روایت نہ لینا۔ یحیٰی بن معین کہتے ہیں۔ وہ کتابیں جلنے سے قبل بھی ضعیف تھا اور بعد میں بھی ضعیف ہے۔ ابوزرعہ ۲۶۳ھ کہتے ہیں اس کی ابتدائی احادیث اور آخری سب مساوی ہیں۔ اس کی حدیث حجت نہیں۔ نسائی کہتے ہیں کہ ضعیف ہے۔

ابن ابی مریم کا بیان ہے کہ میں آخر عمر میں ابن لہیعہ کے پاس گیا۔ اس کے پاس اہل بربر کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے منصور، اعمش اور عراق کے محدثین کی حدیثیں پڑھی جا رہی تھیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ اہلِ عراق کی احادیث کا تم سے کیا واسطہ (کیونکہ ابن لہیعہ کبھی عراق نہ گیا تھا)۔ بولا کہ میں نے ایک زمانے میں یہ روایات سُنی تھیں۔ لیکن انھیں لکھ نہ سکا تھا۔ ابوزرعہ اور ابوحاتم کہتے ہیں اس کا حال مضطرب ہے۔

جوزجانی کا قول ہے کہ اس کی حدیث پہ کوئی نور نہیں ہوتا۔ اس کی حدیث قطعاً حجت نہیں۔

امام ذہبی فرماتے ہیں اسے ۱۵۵ھ میں منصور نے مصر کا قاضی بنایا اور نو ماہ تک یہ قاضی رہا۔ تیس دینار ماہانہ اس کی تنخواہ متعین کی گئی۔ ابن عدی اور ذہبی نے اس کی بہت سی روایات کو منکر قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ۹۶ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۴ھ میں اس کی وفات ہوئی اور یہ ضعیف راویوں کو رگرا کر حدیث کو مشہور رواۃ کی جانب منسوب کرتا ہے۔

ابن حبان کا بیان ہے کہ اس سے آخر میں جن لوگوں نے روایات لی ہیں ان میں بہت خلط ملط ہیں اور ضعیف راویوں کو گرا کر ثقہ رواۃ کی جانب منسوب کیا کرتا ہے اور اس طرح موضوع روایات بھی اس کی روایات میں داخل ہو گئیں۔ ابن عدی کا قول ہے وہ غالی شیعہ تھا اور حضرت علیؓ کی فضیلت میں احادیث وضع کیا کرتا تھا۔

ابن عدی کا دعویٰ ہے کہ یہ حدیث ابن لہیعہ نے وضع کی ہے۔ بخاری کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ میزان ج۔۲۔ از ص ۴۷۵ تا ص ۴۸۳

حاصل کلام یہ کہ ابن لہیعہ ضعیف ہے اور احادیث میں سے ضعیف رواۃ کو گرا کر ثقہ راویوں کی جانب منسوب کرتا ہے۔ اس حدیث کا یہ تنہا راوی ہے اور جن لوگوں سے وہ یہ روایت نقل کر رہا ہے یعنی ضحاک بن ایمن اور زہیر بن سلیم دونوں مجہول ہیں اور آخری راوی ضحاک بن عبدالرحمان نے ابو موسیٰ سے ملاقات تک نہیں کی۔ اس طرح اس روایت کی ہر سند میں متعدد نقائص جمع ہو گئے ہیں۔ ایسی روایات کو حدیث رسولؐ کہنا بھی جائز نہیں اور ابن لہیعہ سے اس روایت کو نقل کرنے والا ولید بن مسلم بھی مدلس ہے اور ضعیف راویوں کو گرا کر ثقہ رواۃ کی جانب حدیث منسوب کرتا ہے ایسی صورت میں اس روایت سے شب برات کا وجود ثابت کرنا ایک فریب کاری سے کم نہیں۔

نیز محمد بن اسحاق سے مراد شاید محمد بن اسحٰق بن راہویہ ہیں جنہیں قرامطہ نے

مکہ کی راہ میں ۲۹۴ھ میں قتل کیا۔ خلیلی ۴۴۶ھ کا بیان ہے۔

لم یرضوہ ولم یتفق علیہ اہل خراسان

میزان ج۔۳ ص۴۷۵

ان سے محدثین راضی نہ تھے اور نہ اہلِ خراسان کا ان پر اتفاق ہے۔

لیکن خطیب بغدادی ۴۶۳ھ کا قول ہے۔

عالم جمیل الطریقۃ مستقیم الحدیث

عالم ہیں اچھے طریقہ پر کابند اور حدیث میں درست تھے۔

لیکن اگر محمد بن اسحاق کوئی اور شخص ہے تو اس کا کچھ حال معلوم نہیں محمد بن اسحٰق بن خزیمہ اور محمد بن اسحاق بن مندہ ابن ماجہ کے بعد ہیں رہا محمد بن اسحٰق بن راہویہ ان سے صحاح ستہ کے کسی مصنف نے روایت نقل نہیں کی۔ کیونکہ یہ ان تمام مصنفین سے عمر میں چھوٹے ہیں۔ اس لحاظ سے محمد بن اسحاق بھی مجہول ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محمد بن اسحاق بن عون العامری مراد ہوں۔ ان کی کنیت ابو بکر الکوفی ہے۔ ۲۶۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان سے ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں لی۔ اگرچہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اسے صدوق قرار دیا ہے۔ لیکن ذہبی نے میزان میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ لفظ صدوق (سچا) اس راوی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کی روایت کو بدرجہ مجبوری قبول کیا جاتا ہے اور اس پر جرح کی کوئی وجہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ جو راوی بہت زیادہ ثقہ اور معتبر ہوتا ہے اس کے لیے عام طور پر یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اوثق الناس ثقۃ ثقۃ۔ حافظ ثقۃ۔ دوسرے درجہ کے رواۃ کے لیے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ثقۃ، متقن، عدل، ثبت، اور تیسرے

درجہ کے رواۃ کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ صدوق، لا بأس بہ، لیس بہ بأس۔ (اس میں کوئی حرج نہیں)

یہ اصطلاحات خود حافظ ابن حجر نے "نخبۃ الفکر" اور "تقریب" کے مقدمہ میں دی ہیں۔ دیکھئے تقریب ص ۹

ان تشریحات سے یہ نتیجہ ظاہر ہوگا کہ اگر اس حدیث کے تمام رواۃ بھی ثقہ ہوتے تب بھی محمد بن اسحاق کے باعث یہ روایت مشکوک رہتی اور اس پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب کہ اس میں ابن لہیعہ اور دیگر کئی رواۃ ضعیف ہیں۔ ایسی صورت میں یہ روایت ناقابل قبول ہو گی۔

ہم یہ پہلے بھی ایک جگہ عرض کر چکے ہیں کہ جس روایت میں ابن ماجہ منفرد ہوں اور خمسہ نے اسے روایت نہ کیا ہو وہ ابن حجر کے نزدیک اکثر ضعیف اور حافظ مزی کے نزدیک ہمیشہ ضعیف ہوتی ہے اور اتفاق سے یہ حدیث بھی خمسہ میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کی اور اس کے رواۃ میں سے ضحاک بن ایمن اور زہیر بن سلیم کو خود حافظ ابن حجر نے مجہول قرار دیا ہے اور ابن لہیعہ کو صدوق یعنی تیسرے درجہ کا راوی پھر اس کے بارے میں یہ بھی فیصلہ دیا کہ اگر ابن لہیعہ سے ابن مبارک اور ابن وہب روایت کریں تو وہ قابلِ قبول ہے۔ ورنہ نہیں۔ تقریب ص ۱۷۶

اس صورت میں اس کے دو راوی مجہول اور ایک کا نام چلا تا اور ایک ضعیف ہے۔

یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ راشد بن سعید بن راشد الرملی بھی تیسرے طبقہ کا راوی ہے۔ اور اس سے بھی ابن ماجہ کے علاوہ کسی نے روایت نہیں لی۔ "تقریب ص ۹۹

روایت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص

اس سلسلے کی ایک کڑی عبداللہ بن عمرؓو بن العاص ۶۵ھ کی روایت ہے جو مسند احمد میں ان الفاظ میں پائی جاتی ہے۔

حدثنا عبد الله حدثنا ابی ناحسن ناابن لهيعة ناحى بن عبد الله عن ابی عبد الرحمن الحبلى عن عبد الله بن عمرو ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يطلع الله عزوجل الى خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لعباده الا لاثنين مشاحن وقاتل نفس۔

مسند احمد۔ ج ۲، ص ۱۷۶

ہم سے عبداللہ نے حدیث بیان کی، ان سے ان کے والد (امام احمد بن حنبل) نے ان سے حسن نے ان سے ابن لہیعہ نے ان سے حی بن عبداللہ نے وہ ابو عبدالرحمان الحبلی سے ناقل ہیں وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ عزوجل نصف شعبان کی شب میں اپنی مخلوق کی جانب طلوع فرماتا ہے اور کینہ پرور اور خودکشی کرنے والے کے علاوہ اپنے تمام بندوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حافظ منذری "الترغیب والترہیب" میں اسے نقل کر کے فرماتے ہیں۔

رواه احمد باسناد لين ترغیب وترہیب ج ۳، ص ۴۶۰

امام احمد نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت میں بھی وہی ابن لہیعہ ہے جو سابقہ روایات میں گذر

چکا ہے۔ ممکن ہے کہ جس طرح اس نے عبد اللہ بن ابی فروہ کی حدیث عمرو بن شعیب کی جانب منسوب کر کے بیان کی۔ اسی طرح یہ روایت بھی لوسرون کی جانب منسوب کر کے ایک اور روایت تیار کر دی ہو۔ کیونکہ بعض روایات میں اس کا جھوٹ ثابت ہو چکا ہے اور اس کی مرویات بھی موضوعات بھی داخل ہیں۔

ابن لہیعہ کے علاوہ اس میں حسن نامی راوی مجہول ہے یہ کونسا حسن ہے کچھ معلوم نہیں۔ ذہبی نے میزان میں ۵۹ ا۔ حسن نامی راویوں کے حالات لکھے ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ابن لہیعہ سے روایت نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حسن بن صالح بن حی ہوں جو مشہور فقیہہ ہیں لیکن یہ خلیفۂ وقت کے خلاف بغاوت کو جائز سمجھتے اور جمعہ نہ پڑھتے تھے اور نہ جمعہ اور جہاد کو فرض سمجھتے تھے۔ انتہائی درجہ کے زاہد تھے۔ محدثین کے نزدیک یہ ثقہ ہیں۔ لیکن بعض محدثین ترک جمعہ اور خروج کے جواز کے باعث ان سے روایت نہیں لیتے تھے۔ بخاری نے بھی ان کی روایت سے گریز کیا ہے

ابن لہیعہ کا استاد حی بن عبد اللہ بن شریح المعافری المصری ہے بخاری کہتے ہیں اس کی حدیث پر اعتراض ہے۔ نسائی کہتے ہیں قوی نہیں۔ خود امام احمد کا قول ہے اس کی احادیث منکر ہیں۔ ابن عدی کہتے ہیں اس سے ابن لہیعہ نے دس اور بیس کے درمیان منکر روایات نقل کی ہیں۔ میزان ج ۱ ص ۶۲۴

گویا اس روایت کا ایک راوی مجہول اور دو شدید ضعیف ہیں۔

نیز ابو موسیٰ کی روایت میں مشرک کو مغفرت سے خارج کیا گیا تھا اور اس روایت میں مشرک کے بجائے خودکشی کرنے والے کو خارج کیا گیا ہے۔

نزول الٰہی تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اگرچہ اس کی تاویل میں اختلاف ہے اور اس سے توجہ بھی مراد لی جا سکتی ہے۔ لیکن طلوع

الٰہی کا کیا مقصد ہے۔ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے اور نہ کسی حدیث صحیح میں اس کا ذکر ہے۔

روایت ابی ثعلبہ خشنی رضؓ ۷۵ھ

اس مضمون کی ایک روایت ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے جسے حافظ منذری نے "الترغیب والترہیب" میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یطلع اللہ الی عبادہ لیلۃ النصف من شعبان فیغفر للمؤمنین ویمھل الکافرین ویدع اھل الحقد بحقدھم حتی یدعوہ۔ ترغیب ترہیب ج ۳ ص ۴۶۰

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی جانب طلوع فرماتا۔ مومنین کی مغفرت فرماتا۔ کافروں کو مہلت دیتا اور کینہ پروروں کو ان کے کینہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ اسے ترک نہ کر دیں۔

اس روایت میں صرف ایک کینہ پرور کو مغفرت سے خارج کیا گیا۔ باقی سب کی مغفرت عامہ کا پروانہ حاصل ہو چکا ہے۔ دیکھتے رہیئے کہ اس کی مغفرت کا پروانہ کس روز حاصل ہوتا ہے۔

ہم حضرت عائشہؓ کی مرویات میں مکحول ۱۱۲ھ کی چند روایات پیش کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مکحول نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی۔ وہ صحابہ سے جتنی روایات نقل کرتے ہیں سب منقطع ہوتی ہیں۔ پھر کبھی وہ لمبی چوڑی روایت بیان کرتے ہیں اور اسے حضرت عائشہؓ کی جانب تدلیس کر کے منسوب کرتے۔ کبھی کثیر بن مرہ ۸۰ھ کی جانب اور کبھی ابی ثعلبہ خشنی کی جانب۔ اس طرح یہ سب روایات ایک ہیں اور ان کا دارومدار مکحول پر ہے

اور انھوں نے درمیان سے راوی حذف کر کے حضرت ابو ثعلبہ خشنی کی جانب منسوب کر دیا۔ اس طرح یہ حدیث منقطع ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر روایت میں کچھ نہ کچھ امور ایک دوسرے سے متضاد واقع ہوتے ہیں۔

کثیر بن مرہ ۸۰ھ کی روایت

کثیر بن مرہ کی روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

ان فی لیلۃ النصف من شعبان یغفر اللہ عز وجل لاھل الارض الا لمشرک او مشاحن ترغیب و ترھیب ج۔۳ ص۴۶۱

مصنف عبد الرزاق ج۔۴ ص۳۱۴

نصف شعبان کی شب میں اللہ تعالیٰ مشرک اور کینہ پرور کے علاوہ تمام اہل زمین کی مغفرت فرماتا ہے۔

یہ روایت بھی مکحول ۱۱۲ھ کی روایت ہے اور کثیر بن مرۃ تابعی ۸۰ھ ہے اور اوپر سے صحابی کا نام حذف ہے۔ اس طرح یہ روایت مرسل ہوئی۔ اور اس میں نزول خداوندی اور طلوع خداوندی کا کوئی ذکر نہیں۔

نیز ابو موسیٰ اشعری ۴۲ھ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص ۶۵ھ اور کثیر بن مرہ ۸۰ھ ان چاروں کی مرویات میں نہ رات کی نماز کا کوئی ذکر ہے نہ دن میں روزے کا، نہ بقیع جانے کا قصہ ہے اور نہ طویل سجدوں کا ذکر ہے اور نہ حضور نے یہ بات بیان فرمائی ہے کہ وہ کون سا عمل ہے جو اس مغفرتِ عامہ کا سبب ہے یا یہ مغفرت کسی عمل کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہے۔ ان تمام باتوں سے یہ روایات خاموش ہیں۔

اس روایت کو عبد الرزاق بن ہمام نے اپنی مصنف میں دو سندات سے

روایت کیا ہے۔ دونوں سندات میں اوپر کے راوی کثیر بن مرہ اور مکحول ہیں لیکن مکحول سے روایت کرنے والے محمد بن راشد اور قیس بن سعد ہیں۔ محمد بن راشد کی روایت میں حضورؐ کا کوئی ذکر نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کثیر کا اپنا قول ہے نہ کہ حدیثِ رسولؐ اور قیس بن سعد نے اُسے حدیث رسول بنایا ہے اور اس نے کثیر اور حضورؐ کے درمیان کسی راوی کا ذکر نہیں کیا اور اتفاق سے محدثین کے نزدیک نہ محمد بن راشد قابل قبول ہے اور نہ قیس بن سعد۔

مکحول کے بارے میں ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ان کے ثقہ ہونے میں اختلاف ہے اور تدلیس میں وہ مشہور ہیں اور مدلس کی روایت عن قابل قبول نہیں ہوتی۔ اتفاق سے یہ روایت بھی عن کے ذریعہ مروی ہے۔

گویا اس روایت میں اول اختلاف تو یہ ہے کہ آیا یہ حدیث رسول ہے یا کثیر بن مرہ کی اپنی ذاتی رائے اور دونوں میں سے ایک بھی صحت کے ساتھ ثابت نہیں۔

روایت اسامہؓ بن زید ۵۴ھ

فضیلت شعبان کے بارے میں جتنی روایات مروی ہیں، میرے نزدیک ان میں سے بہتر روایت حضرت اسامہؓ بن زید کی روایت ہے جسے نسائی نے اپنی "سنن" میں اور طحاوی نے "معانی الآثار" میں روایت کیا ہے۔ نسائی کے الفاظ ہیں۔

اخبرنا عمرو بن علی عن عبد الرحمن قال
حدثنا ثابت بن قیس ابو الغصن شیخ من
اهل المدینة قال حدثنی ابو سعید المقبری

قال حدثنی اسامۃ بن زید قال قلت یارسول اللہ لم ارک تصوم من شھر من الشھور ما تصوم شعبان قال ذاک شھر یغفل الناس عنہ بین رجب ورمضان وھو شھر ترفع الاعمال الی رب العلمین واحب ان یرفع عملی وانا صائم۔ نسائی ج۔ا صفحہ ۲۳۴، معانی الاثار للطحاوی ج۔ا صفحہ ۳۴

ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا وہ عبدالرحمان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ ثابت بن قیس ابوالغصن سے جو اہل مدینہ کا ایک شیخ ہے وہ ابوسعید المقبری سے وہ حضرت اسامۃؓ بن زید سے حضرت اسامۃؓ فرماتے۔ میں نے عرض کیا یارسولؐ اللہ۔ میں جتنے روزے آپؐ کو شعبان میں رکھتے دیکھتا ہوں اتنے کسی اور ماہ میں رکھتے نہیں دیکھتا۔ آپؐ نے فرمایا یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس سے لوگ غافل ہیں۔ یہ رجب و رمضان کے درمیان ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس میں رب العالمین کی جانب اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل اٹھایا جائے تو میں روزے سے ہوں۔

اس روایت کے تمام رواۃ ثابت بن قیس کے علاوہ سب ثقہ ہیں ثابت بن قیس کی کنیت ابوالغصن ہے اس کا تعلق قبیلہ غفار سے ہے۔ مدینہ کا باشندہ ہے ۱۶۸ھ میں سو سال کی عمر میں اس کا انتقال ہوا۔ گویا اس کی پیدائش ۶۸ھ میں ہوئی۔ یہ اس بات کا مدعی ہے کہ اس نے ابوہریرہؓ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ ابوہریرہؓ ۵۸ھ میں انتقال فرما چکے تھے اس نے حضرت انسؓ صحابی کو تو یقیناً دیکھا ہے۔ لیکن اسامۃؓ بن زید کو دیکھنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ان کی وفات بھی ۵۴ھ میں ہوئی ہے۔ بلکہ مدینہ کے کسی بھی صحابی کو دیکھنا

ممکن نہیں۔ کیونکہ مدینہ میں جو صحابہ مقیم تھے ان میں سب سے آخر انتقال سلمۃ بن الاکوع کا ہے جن کی وفات ۷۴ھ کے آخر میں ہوئی جس وقت کہ ثابت کی عمر پانچ سال کی تھی۔

امام احمد فرماتے ہیں یہ ثقہ ہے۔ نسائی کہتے ہیں اس کی روایت میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں۔ ابن معین نے ایک بار تو فرمایا اس کی روایت میں حرج نہیں۔ لیکن دوبارہ فرمایا ضعیف ہے میزان ج ۱ ص ۳۶۶

ابن حجر "تقریب" میں فرماتے ہیں۔

صدوق یهم من الخامسة تقریب ص ۵۱

حاشیہ نسائی ج ۱ ص ۲۳۴

سچا ہے لیکن اسے وہم ہوتا ہے۔ پانچویں طبقہ کا راوی ہے امام مالک، بخاری اور مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔ حالانکہ یہ مدینہ کا باشندہ تھا اور امام مالک نے اس کا زمانہ پایا ہے اگر یہ انکے نزدیک ثقہ ہوتا تو وہ ضرور اس سے روایت لیتے۔ لیکن انھوں نے اس کی کوئی روایت نہیں لی۔ ابن حبان اور یحییٰ بن معین کے نزدیک بھی یہ ثقہ نہیں۔ نسائی اسے ثقہ تو نہیں کہتے۔ لیکن اس کی روایت میں کوئی برائی بھی نہیں سمجھتے۔ گویا یہ اُن کے نزدیک .... اعلیٰ درجہ کا راوی نہیں صرف کام چلاؤ ہے۔ اس قسم کے راوی کی روایت بطور شہادت تو پیش کی جاسکتی ہے لیکن دلیل میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ جن کے نزدیک یہ سچا بھی ہے ان کے نزدیک بھی اول تو اسے وہم ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ پانچویں طبقہ کا راوی ہے۔

بخاری و مسلم نے صرف اول اور دوسرے طبقہ کی روایات لی ہیں۔ اگرچہ مسلم شہادت کے طور پر تیسرے طبقہ کی بھی روایات لے آتے ہیں، لیکن ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ میں پانچویں طبقہ کے روات بھی بکثرت پائے جاتے

ہیں۔ نسائی کے یہاں اِس طبقہ کے رواۃ معدودے چند ہیں۔ بلکہ میری نظر میں ثابت کے علاوہ کوئی نہیں۔ پانچویں طبقہ سے کیا مراد ہے۔ علامہ علی بن سلیمان المغربي المالکی الشاذلی اپنے رسالہ "نفع قوت المغتذی علی جامع الترمذی" میں فرماتے ہیں۔

الخامسۃ قوم من الضعفاء والمجھولین لا یجوز لمن یخرج الاحادیث علی الابواب ان یخرج لھم الا علی سبیل الاعتبار والاستشھاد عند ہ۔ ترمذی ج ۱ ص ۱۵

پانچویں طبقہ سے مراد وہ ضعفاء اور مجہول لوگ ہیں کہ جن سے ایسے اشخاص کے لیے روایت کرنا جائز نہیں جو ابواب کی ترتیب پر احادیث بیان کرتے ہیں۔ ہاں بطور شہادت ایسے راوی کی روایت بیان کی جاسکتی ہے۔

علامہ علی بن سلیمان کی عبارت سے یہ بات ثابت ہوتی کہ پانچواں طبقہ خود ضعفاء میں شامل ہے اور اس طبقہ کی روایت بطور حجت پیش کرنا جائز نہیں اور ثابت میں تو وہم کا مادہ بھی پایا جاتا ہے اور اس کا ثبوت خود نسائی کی دو اور روایات ہیں جو نسائی نے خود اس روایت کے بعد نقل کی ہیں۔ غالباً امام نسائی جو فن رجال و علل کے امام ہیں اسی علت و خامی کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی دوسری روایت بھی سُن لیجئے۔

اخبرنا عمرو بن علی عن عبد الرحمن ثنا ثابت بن قیس ابو الغصن شیخ من اھل المدینۃ قال حدثنی ابو سعید المقبری قال حدثنی اسامۃ بن زید قال قلت یا رسول اللہ انک تصوم حتی لا تکاد تفطر

وتفطر حتی لا تکاد ان تصوم الا یومین ان دخلا فی صیامک والا صمتهما قال ای یومین قلت یوم الاثنین ویوم الخمیس قال ذانک یومان تعرض فیهما الاعمال علی رب العلمین فاحب ان یعرض عملی وانا صائم
نسائی ج ۱ صفحہ ۲۳۴ ، معانی الآثار ج ۱ صفحہ ۳۴۰

ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا۔ وہ عبدالرحمان سے ناقل ہیں۔ وہ ثابت بن قیس ابوالغصن سے جو مدینہ کا ایک شیخ ہے۔ وہ ابوسعید المقبری سے وہ حضرت اسامہ بن زیدؓ سے حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپؐ جب روزے رکھتے ہیں تو اس طرح لگاتار رکھتے ہیں گویا آپ افطار ہی نہ فرمائیں گے اور جب افطار فرماتے ہیں تو اس طرح افطار کرتے ہیں گویا اب آپ روزے ہی نہ رکھیں گے لیکن دو دن اگر درمیان میں آجاتے ہیں تو آپ ان کے روزے ضرور رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ کون سے دن ہیں۔ اسامہؓ نے عرض کیا دوشنبہ اور جمعرات کا دن۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ دو دن ایسے ہیں جن میں رب العالمین کے سامنے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

دیکھئے ابتدا سے آخر تک ایک ہی سند ہے لیکن یہ روایت پہلی روایت کے بالکل برعکس ہے۔ اس روایت کا شعبان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ گویا ثابت کبھی کچھ بیان کرتا ہے اور کبھی کچھ بیان کرتا ہے۔ یہی تو اس کے وہم کا ثبوت ہے۔ امام طحاوی نے بھی اس بات کو پیش نظر رکھا ہے اور

انھوں نے بتایا ہے کہ ثابت سے اس کی حدیث روایت کرنے والے دو شخص ہیں۔ ایک فن رجال کے امام عبدالرحمٰن بن مہدی ۱۹۸ھ اور دوسرے امام مالک کے شاگرد خاص عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی ۲۲۱ھ عبداللہ بن مسلمہ نے ثابت سے صرف دوسری روایت نقل کی ہے۔ ان کے علاوہ ثابت سے اس روایت کو زید بن الحباب ۲۰۳ھ نے بھی نقل کیا ہے۔ زید کے الفاظ ہیں۔

اخبرنی ثابت بن قیس الغفاری حدثنی ابو سعید المقبری قال حدثنی ابو ہریرۃ عن اسامۃ بن زید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یسرد الصوم فیقال لا یفطر ویفطر فیقال لا یصام۔ نسائی ج ۱ ص ۲۳۴

مجھ سے ثابت بن قیس الغفاری نے بیان کیا۔ اُن سے ابو سعید المقبری نے ان سے ابو ہریرہؓ نے وہ اسامۃ بن زید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لگاتار روزے رکھتے۔ حتیٰ کہ لوگ کہتے کہ اب آپؐ افطار نہ کریں گے۔ اور جب افطار کرتے تو لگاتار کرتے حتیٰ کہ لوگ کہتے کہ اب آپؐ روزے نہ رکھیں گے۔

اِس طرح ثابت کی روایات میں زبردست اختلاف واقع ہوگیا ہے اور اس کی روایت ساقط الاعتبار ہوگئی ہے۔ کیونکہ اس سے تینوں رواۃ ایک دوسرے کے خلاف حدیث روایت کر رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک آخر کی دونوں روایات صحیح ہیں۔ اس لیے کہ حضورؐ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ روزے رکھتے تو لگاتار رکھتے اور جب کھولتے تو لگاتار کھولتے۔ حضورؐ کے اس معمول کو حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ

حضرت انسؓ اور متعدد صحابہ سند صحیح کے ساتھ نقل کر رہے ہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

رہا دوشنبہ اور پنج شنبہ کا روزہ، تو امام نسائی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتحری یوم الاثنین والخمیس ترمذی ج۔۱ ص۱۲۳ نسائی ج۔۱ ص۲۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ اور جمعرات کا انتظار فرماتے رہتے۔

پھر ام سلمہؓ ۶۲ھ سے روایت کیا ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم من کل شہر ثلثۃ ایام الاثنین والخمیس من ہذہ الجمعۃ والاثنین من المقبلۃ۔ نسائی ج۔۱ ص۲۳۵، ابوداؤد ج۔۱ ص۳۳۹، نسائی ج۱ ص۲۴۰

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ تین دن کے روزے رکھتے۔ ایک ہفتہ میں دوشنبہ اور جمعرات کا اور دوسرے ہفتہ میں دوشنبہ کا۔

ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روزوں کی یہ وجہ نقل کی ہے۔

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس فاحب ان یعرض عملی وانا صائم ترمذی ج۔۱ ص۱۲۳

دوشنبہ اور جمعرات کے روز اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا عمل پیش ہو تو میں روزے سے ہوں۔

گویا یہ وہی وجہ ہے جو ثابت کی دوسری روایت میں پائی جاتی ہے اس لحاظ سے دوسری روایت صحیح ہوئی اور پہلی روایت غلط ہوتی اور امام نسائی نے یہ تمام روایات ثابت کی روایت کے بعد ہی بیان کی ہیں۔ گویا کہ وہ اس کی پہلی روایت کی تردید اور دوسری روایت کی تائید کر رہے ہیں۔ پھر حضرت حفصہ ؓ ۴۵ھ سے حضورؐ کا یہ عمل نقل کر رہے ہیں۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم من كل شهر يوم الخميس ويوم الاثنين ومن الجمعة الثانية يوم الاثنين۔ نسائی ج ۱ ص ۲۲۵ ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ جمعرات اور دوشنبہ کا روزہ رکھتے اور دوسرے ہفتہ میں دوشنبہ کا۔

امام مسلم نے ابوقتادہ ؓ ۵۴ھ سے روایت کیا ہے کہ حضورؐ سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

فيه ولدت وفيه انزل على القرآن۔

مسلم ج ۱ ص ۳۶۸ ، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۶

اسی دن میں پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔

امام نسائی نے زید بن الحباب کی روایت پیش کر کے ثابت کی روایت میں ایک اور عیب کی جانب بھی اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلی دو روایتوں میں ثابت نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں نے یہ حدیث ابوسعید مقبری ؒ سے سنی اور ابوسعید نے اسامہ ؓ سے۔ حالانکہ ابوسعید المقبری ؒ کو اسامہ ؓ سے سماع حاصل نہیں وہ تو ابوہریرہ کے شاگرد ہیں۔ اس طرح پہلی دونوں روایتوں میں درمیان سے ایک راوی حذف ہوا۔

اگر ثابت کی پہلی روات کو تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئے گا کہ پورے شعبان کے روزے رکھے جائیں اور ایک روزہ بھی ترک نہ کیا جائے۔ کیونکہ حضورؐ نے یہ فرمایا کہ اس ماہ میں اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور کسی دن کی تخصیص نہیں فرمائی اور جب دن کی تعیین نہیں کی گئی تو اس سے پندرہ شعبان کا روزہ قطعاً ثابت نہ ہوگا بلکہ یہ ثابت ہوگا کہ شعبان کا ایک روزہ بھی ترک نہ کیا جائے اور جب حضورؐ نے اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تو اس پر عمل بھی ضرور کیا ہوگا۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ کی مرویات میں یہ گذر چکا ہے کہ آپؐ نے پورے شعبان کے روزے کبھی نہیں رکھے۔ امام نسائی ۳۰۳ھ نے ایک اعلیٰ سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں۔

لا اعلم نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرا القران کلہ فی لیلۃ ولا قام لیلۃ حتی الصباح ولا صام شہرا قط کاملا غیر رمضان۔

نسائی ج۔۱ ص ۲۳۳ ۔ مسلم ج۔۱ ص ۲۵۶

میں نہیں جانتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات میں تمام قرآن ختم کیا ہو یا پوری رات صبح تک نماز پڑھی ہو۔ یا رمضان کے علاوہ کسی پورے ماہ کے روزے رکھے ہوں۔

اس مضمون کی پہلے بھی متعدد احادیث گذر چکی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی اس حدیث سے تین اہم امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ آپؐ نے پورا قرآن ایک رات میں کبھی ختم نہیں فرمایا۔ گویا ایک رات میں قرآن ختم کرنا بھی خلاف سنت ہے۔

۲۔ آپ نے پوری رات کبھی شب بیداری نہیں فرمائی۔ بلکہ پوری رات کی شب بیداری کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ لہٰذا جن روایات میں یہ ذکر

ہو کہ حضورؐ صبح تک نماز میں مشغول رہے یا سجدہ میں مصروف رہے یا اس
قسم کی نمازوں کا ذکر ہو جو پوری رات سے قبل پوری نہ ہوتی ہوں وہ سب
روایات مردود ہیں۔

۳۔ جن روایات میں رمضان کے علاوہ پورے ماہ کے روزوں کا ذکر ہو
وہ بھی سب غلط ہیں۔ ہاں حضورؐ اکثر شعبان کے روزے رکھتے جس کی تفصیل
پہلے گذر چکی ہے۔

۵۲ حضرت عمرانؓ بن حصین کی روایت

عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم قال لرجل ھل صمت
من سرر ھذا الشھر شیئا یعنی شعبان قال
لا قال فقال لہ اذا افطرت رمضان نصم یومین

بخاری ج ۱ ص ۲۶۶، مسلم ج ۱ ص ۳۶۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۵

عمرانؓ بن حصین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک شخص سے فرمایا کیا تو نے اس ماہ یعنی شعبان کے "سرر" کے
روزے رکھے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب
تو رمضان کے روزے رکھ لے" تو دو دن روزے رکھ لینا۔
(اور ایک روایت میں ایک یا دو دن)

"سرر" شعبان سے کیا مراد ہے۔ علامہ عینی ۸۵۵ھ شرح بخاری
میں فرماتے ہیں۔

قال الجمھور المراد بہ اخر الشھر وتبویب
علیہ البخاری وقیل اوسطہ وقیل ھو

اولہ والحدیث مقید بشہر شعبان
والمصنف اطلق فی الترجمۃ اشارۃ الی ان
ذلک لا یختص بشعبان بل یؤخذ من
الحدیث الندب الی صیام اواخر کل شہر
فان قلت ھذا یعارض النہی بتقدم رمضان
بصوم یوم او یومین قلت اجابوا بان ھذا
الرجل کان یعتاد الصوم آخر الشہر فترکہ
لخوفہ من الدخول فی النہی فبین لہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصوم المعتاد
لا یدخل فی النہی وانما المنہی غیر المعتاد۔
حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۳۶۸

جمہور کا قول ہے کہ "سرر" سے مراد آخر مہینہ ہے اور بخاری نے اس پر آخر ماہ کے روزوں کا باب اندھا ہے۔ ایک ضعیف قول یہ ہے کہ درمیان ماہ مراد ہے۔ اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ اول مہینہ مراد ہے۔ حدیث میں اگرچہ ماہ شعبان کا ذکر ہے۔ لیکن مصنف یعنی بخاری نے آخر ماہ کی سرخی قائم کر کے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ یہ شعبان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ ہر ماہ کے آخر دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے اگر یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث اس حدیث کے خلاف ہے جس میں رمضان سے ایک دو روز قبل روزے رکھنے کی ممانعت ہے۔ تو میرا جواب یہ ہے کہ یہ شخص جس سے حضور نے سوال فرمایا آخر ماہ میں روزے رکھتا ہو گا اور اس نے اسی ڈر سے روزے چھوڑ دیتے ہوں گے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان

فرمائی کہ عادتاً آخر ماہ میں روزے رکھنا اس ممانعت میں داخل نہیں۔ یہ ممانعت اس شخص کے لیے ہے جو عادی نہ ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں۔

قال الاوزاعی وابوعبید وجمهور العلماء من اهل اللغة والحدیث والغریب المراد بالسرر اخر الشهر سمیت بذلک لاستسرار القمر فیها وروی ابوداؤد عن الاوزاعی سرره اوله وقال البیهقی الصحیح عن الاوزاعی اخره قال الهروی والذی یعرفه الناس ان سرره اخره۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۸

اوزاعی (۱۵۷ھ)، ابو عبید اور تمام علماء لغت و حدیث اور تمام غریب الفاظ کے ماہرین کہتے ہیں کہ "سرر" سے مراد آخر ماہ ہے اور آخر دنوں کو سرر اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں چاند چھپ جاتا ہے۔ ابو داؤد (۲۷۵ھ) نے اوزاعی سے روایت کیا ہے کہ "سرر" سے مراد اول ماہ ہے لیکن خطابی نے انہی اوزاعی (۱۵۷ھ) سے روایت کیا ہے کہ "سرر" سے آخر ماہ مراد ہے۔ بیہقی (۴۵۸ھ) کہتے ہیں۔ صحیح چیز یہی ہے کہ اوزاعی کے نزدیک آخر ماہ مراد ہے۔ ہروی کا قول ہے کہ لوگوں میں "سرر" کے معروف معنی آخر ماہ ہیں۔

الغرض سرر سے مراد آخر شعبان ہے۔ لیکن چونکہ آخر شعبان میں روزوں کی ممانعت فرمائی ہے اس لیے بعض علماء کو شبہ پیدا ہوا۔ لیکن جہاں آخر شعبان کے روزوں کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس روایت میں اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ جو ہمیشہ آخر ماہ میں روزے رکھتا ہو۔ یا کسی خاص دن کا روزہ رکھتا ہو

اور وہ آخر شعبان میں واقع ہو جائے۔ مثلاً دو شنبہ یا جمعرات اس کے لیے آخر ماہ شعبان میں روزے رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ ابن عباسؓ کی حدیث کے الفاظ ہیں۔

لا تتقدموا الشھر بصوم یوم ولا یومین
الا ان یوافق ذلک یوما کان یصومہ احدکم
نسائی ج ۱ ص ۲۱۹

رمضان سے ایک دو دن قبل روزے نہ رکھو۔ لیکن اگر کوئی مخصوص دنوں میں روزے رکھتا ہو اور آخر شعبان ان ایام میں واقع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

اور ابوہریرہؓ کی روایت کے الفاظ ہیں۔

لا یتقدمن احد الشھر بیوم ولا یومین
الا احد کان یصوم صیاما قبلہ فلیصمہ
نسائی ج ۱ ص ۲۱۹، ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۶، بخاری ج ۱ ص ۲۵۶

کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزے نہ رکھے۔ مگر جو شخص پہلے سے روزے رکھتا ہو وہ رکھ سکتا ہے۔

اگر "سرر" سے مراد اول یا درمیان ماہ لیا جائے تو خود اس حدیث سے یہ خیال باطل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں رمضان تک کافی دن باقی رہتے ہیں اور حضورؐ یہ فرما سکتے تھے کہ اچھا اب روزے رکھ لو لیکن اس کے بجائے یہ فرمایا۔

اذا افطرت رمضان فصم یوما او یومین

جب رمضان کے روزے رکھ لو تو ایک یا دو دن کا روزہ رکھ لینا۔

ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ "سرر" سے آخری شعبان مراد ہے اور چونکہ

اب رمضان شروع ہو چکا ہے اس لیے وہ نفلی روزے اب رمضان کے بعد رکھے جائیں۔ اسی لیے بخاری نے اس پر آخر ماہ کے روزوں کی سرخی قائم کی ہے

ثانیاً یہ حکم عام نہیں دیا گیا بلکہ آپؐ نے ایک خاص شخص کو مخاطب کر کے یہ بات فرمائی۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مخصوص ہے اور اس کی تخصیص کی وجہ یہی ہو گی کہ حضورؐ کو اس شخص کے بارے میں علم ہو گا کہ وہ آخر ماہ کے روزے رکھتا ہے۔ ورنہ حضورؐ یہ خطاب عام فرماتے۔ لیکن آپؐ نے یہ حکم تمام افراد کو نہیں دیا۔ بلکہ صرف ایک شخص کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا جو اس کی تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ بعض غیر مقلدین حضرات نے جو اس سے چودہ پندرہ شعبان کے روزے پر استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ حکم مخصوص ہے۔ دوسرے سرر کے معنی آخر ماہ ہیں نہ کہ وسط ماہ۔ یہ ایک زبردستی کا استدلال ہے۔ حتیٰ کہ بخاری نے بھی آخر ماہ کا باب باندھ کر اس کی تردید کر دی ہے لیکن غیر مقلدین بخاری کا نام صرف ابو حنیفہ کے رد کے لئے لیتے ہیں۔ ورنہ بہت سے مسائل میں وہ خود بخاری پر عامل نہیں۔

ایک غور طلب امر یہ ہے کہ اس روایت کا تمام دارو مدار مطرف پر ہے اور مطرف سے روایت کرنے والے آپس میں اختلاف کر رہے ہیں کیونکہ غیلان بن جریر نے مطرف سے صرف اتنے الفاظ نقل کئے ہیں کیا تو نے اس آخر ماہ کے روزے رکھے" اور اس میں لفظ شعبان کا کوئی ذکر نہیں۔ جس سے ہر ماہ کا آخر مراد ہو سکتا ہے۔ مسلم نے ابو العلاء سے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں۔ لیکن ثابت البنانی نے آخر شعبان کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ جب کہ شعبہ یہ الفاظ روایت کر رہے ہیں" کہ کیا تو نے اس ماہ کے آخر کے روزے رکھے یعنی شعبان کے" یہ لفظ یعنی شعبان کر کا

قول ہے۔ عمرانؓ بن حصین کا یا خود شعبہ کا۔
اس لحاظ سے اس میں تین اختلاف ہیں۔

۱۔ غیلان بن جریر اور ابو العلاء نے شعبان کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور اسی لیے بخاری نے ایک عام سرخی قائم کی ہے۔

۲۔ ثابت نے شعبان کا ذکر کیا۔ اور بخاری نے ثابت کی روایت کو زیادہ صحیح قرار دیا۔

۳۔ شعبہ نے حدیث میں تو لفظ شعبان کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن اپنی جانب سے شعبان کا لفظ بڑھایا۔

ایسی صورت میں اسے شعبان کے ساتھ مخصوص سمجھنا کیسے درست ہو گا؟

دوسرا اختلاف اس میں یہ بھی ہو رہا ہے کہ ثابت کا بیان ہے کہ حضور نے یہ بات عمرانؓ سے فرمائی تھی۔ جب کہ غیلان بن جریر، ابو العلاء اور شعبہ کا بیان یہ ہے کہ عمرانؓ نے فرمایا کہ آپ نے یہ بات مجھ سے کہی یا کسی اور سے کہی۔ لیکن ہماری عقل میں ہرگز یہ بات نہیں آتی کہ اگر یہ حکم عمرانؓ بن حصین کو دیا گیا تھا تو وہ کیسے بھول گئے اور پھر اس حکم کی کوئی وجہ تو ہو گی۔ اور عمرانؓ نے کسی روایت میں اس وجہ کا ذکر نہیں کیا۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ بات کسی اور شخص سے کہی گئی تھی۔ اسی وجہ سے عمرانؓ اس وجہ کو بیان نہ کر سکے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ثابت نے اس روایت کو نقل کرنے میں غلطی کی ہے اور دیگر روات جو دوسرے شخص کا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ درست ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث سے کسی بات کی وضاحت نہیں ہو رہی ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور حضرت عمرانؓ کے علاوہ اسے کوئی دوسرا صحابی روایت نہیں کرتا اور عمرانؓ سے مطرف کے

علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ اور مطرف سے روایت کرنے والوں میں اختلاف ہے اور یہ تمام روات اس پر متفق ہیں کہ یہ آخر ماہ کا تذکرہ ہے۔ نہ کہ درمیان ماہ کا۔ اس لحاظ سے اسے شب برات کے روزوں کے ثبوت میں پیش کرنا ایک بدترین دھوکہ ہے۔

کردوس کی روایت

عیسٰی بن ابراھیم بن طھمان الھاشمی عن سلمۃ بن سلیمان الجزری عن مروان بن سالم عن ابن کردوس عن ابیہ قال قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احیا لیلتی العید ولیلۃ النصف من شعبان لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب میزان ج ۲ ص ۳۰۸

عیسی بن ابراہیم بن طہمان الہاشمی سلمۃ بن سلیمان الجزری سے روایت کرتا ہے وہ مروان بن سالم سے وہ کردوس کے بیٹے سے وہ اپنے باپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جس نے عید اور نصف شعبان کی شب میں شب بیداری کی اس کا دل اس روز مردہ نہ ہوگا جس روز تمام دل مردہ ہو جائیں گے۔

یہ جناب کردوس کون ہیں۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ صحابہ میں اس نام کا کوئی فرد نہیں ہے۔ اسماء الرجال میں صرف دو کردوس نامی اشخاص کا ذکر ملتا ہے۔

ا۔ کردوس التغلبی۔ حافظ ابن حجر اُن کے بارے میں فرماتے ہیں۔

هو مقبول من الثالثة   تقریب ص۲۸۵

یہ مقبول ہے تیسرے طبقہ سے متعلق ہے۔

یہ کون صاحب ہیں۔ ان کے والد محترم کا کیا نام ہے۔ انہیں کن اساتذہ سے سماع حاصل ہے۔ ان سے کون کون لوگ روایت کرتے ہیں۔ ان تمام امور سے کتب رجال خاموش ہیں اور یہ تیسرے طبقہ کے راوی ہیں۔ اور تیسرے طبقہ سے مراد وہ صغار تابعین ہیں جو کبار تابعین سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے تابعی اور صحابی کا کردوس نے ذکر نہیں کیا اور درمیان سے کم از کم دو روات ترک ہوتے۔ اس طرح یہ روایت منقطع ہوئی۔ امام ذہبیؒ فرماتے ہیں۔

هذا حديث منكر مرسل   میزان ج ۳ ص ۳۰۸

یہ حدیث منکر و مرسل ہے۔

اور چونکہ کردوس مستور الحال ہے۔ اس لیے یہ روایت شدید ضعیف ہوئی۔ کیونکہ اس میں دو قسم کی خامیاں پائی گئیں۔ اول روایت منقطع ہونا۔ دوئم کردوس کا مستور الحال ہونا۔

۲۔ اگر کردوس سے مراد کردوس بن قیس ہے۔ جو کوفہ کا قاضی تھا جس سے عبدالملک بن میسرہ روایت کرتا ہے تو ذہبی لکھتے ہیں۔

لا يعرف   میزان ج ۳ ص ۴۱۱

وہ معروف نہیں

اور امام ذہبی کے نزدیک اس روایت کا راوی بھی یہی کردوس ہے اس لحاظ سے یہ روایت مجہول ہوئی۔ پھر اس کردوس سے اس کا بیٹا روایت کر رہا ہے جس کا نہ نام معلوم ہے نہ اتا پتہ معلوم ہے۔

تیسرا راوی مروان بن سالم اگر اس سے مراد مروان الغفاری ابوعبداللہ الجزری ہے تو اس نے ابن کردوس کا زمانہ نہیں پایا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

ان مروان متروک ورماہ الساجی وغیرہ بالوضع تقریب ص۲۳۲

مروان متروک ہے اور ساجی وغیرہ نے اس پر وضع حدیث کا اتہام لگایا ہے۔

امام ذہبی اس کے حال میں لکھتے ہیں۔

قال احمد وغیرہ لیس بثقۃ وقال الدار قطنی متروک وقال البخاری ومسلم وابو حاتم منکر الحدیث وقال ابو عروبۃ الحرانی یضع الحدیث وقال ابن عدی عامۃ احادیثہ لایتابعہ الثقات علیہ میزان ج ۴ ص۹

امام احمد وغیرہ فرماتے ہیں یہ ثقہ نہیں ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں متروک ہے۔ بخاری، مسلم اور ابو حاتم کہتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ ابو عروبۃ الحرانی کہتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔ ابن عدی کہتے ہیں اس کی عام روایت ایسی ہوتی ہیں کہ ثقہ روات ان کی متابعت نہیں کرتے۔

چوتھا راوی سلمۃ بن سلیمان الجزری ہے۔ وہ بھی مجہول ہے۔

آخری راوی عیسیٰ بن ابراہیم بن طہمان الہاشمی ہے امام بخاری اور نسائی فرماتے ہیں منکر الحدیث ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ یہ کوئی شے نہیں ہے۔ ابو حاتم اور نسائی کہتے ہیں۔ متروک الحدیث ہے۔ میزان ج ۳ ص۳۰۸

الغرض اس روایت کا ایک راوی بھی ثقہ نہیں اور ساتھ ساتھ منقطع بھی ہے۔

رہ گیا یہ امر کہ اس روز واقعتاً دل مردہ ہو جائیں گے یا نہیں۔ تو قرآن و سنت تو اس قلب کی مردنی سے خاموش ہے، ہاں اگر یہ کہا جاتا ہے کہ بہت سے

لوگوں کے پُرامید دِل ٹوٹ جائیں گے تو یہ کچھ بیجا نہ ہوگا۔

اوپر مختلف موضوع و منکر روایات میں عیدین کی راتوں میں شب بیداری کا ذکر گذر چکا ہے۔ اس سلسلہ میں صحاح ستہ میں صرف ایک حدیث ابن ماجہ میں ضرور پائی جاتی ہے اور اسی حدیث کو چوری کر کے اور اسی میں کچھ اضافات کر کے ابن کردوس کی جانب منسوب کر دیا گیا۔ حدیث کے الفاظ مع سند کے حسب ذیل ہیں۔

حدثنا ابو احمد المرار بن حمویۃ ثنا محمد ابن المصطفیٰ ثنا بقیۃ بن الولید عن ثور بن یزید عن خالد بن معدان عن ابی امامۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قام لیلتی العیدین محتسبا للہ لم یمت قلبہ یوم تموت القلوب۔ ابن ماجہ مترجمہ ج۔۱ ص ۵۱۲

ہم سے ابو احمد المرار بن حمویہ نے بیان کیا۔ ان سے محمد بن المصفیٰ نے، ان سے بقیۃ بن الولید نے، وہ ثور بن یزید سے، ثور خالد بن معدان سے، خالد ابو امامہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس نے ثواب کی نیت سے عیدین کی راتوں میں قیام کیا۔ اس کا دل اس روز مُردہ نہ ہوگا جس روز تمام لوگوں کے دل مُردہ ہو جائیں گے۔

اس روایت میں شب برأت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ دوسرا فرق اس میں یہ ہے کہ شب عیدین میں قیام کا ذکر کیا جا رہا ہے نہ کہ شب بیداری کا۔ اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ شب بیداری تو عام ہے۔ وہ تو ناچ گانوں کے ذریعہ بھی حاصل ہو سکتی ہے، لیکن قیام صرف نماز میں ہوتا ہے۔

پھر قیام کے لیے تمام شب کی بیداری شرط نہیں۔ بلکہ اگر کچھ دیر بھی نماز پڑھ لی جائے گی تو اسے قیام ہی کہا جائے گا۔

ارشاد الٰہی ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ المزمل۔ ۱۔۲

اے چادر اوڑھنے والے رات کو قیام کر مگر پوری رات نہیں بلکہ آدھی رات یا اس سے بھی کم۔

جب کہ احیاء لیل کے لیے تمام رات کی شب بیداری شرط ہے۔

جہاں تک اس کے رواۃ کا تعلق ہے تو سب سے اول اعتراض محمد بن مصفی پر واقع ہوتا ہے۔ صالح الجزرہ کا بیان ہے کہ اگرچہ مجھے امید تو یہ ہے کہ وہ سچ بولتا ہے لیکن احادیث منکر روایت کرتا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں سچا ہے۔ لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ یہ انتہائی درجہ کا منکر الحدیث ہے۔ میزان ج ۴ ص ۴۳

حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں۔ یہ سچا ہے لیکن اس میں وہم بھی پایا جاتا ہے اور مدلس بھی ہے ۲۴۶ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ ص ۳۱۹ معلوم ہوا کہ اس کی احادیث وہم اور نکارت سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس لحاظ سے اس کی حدیث حجت نہیں ہو سکتی۔

جہاں تک بقیہ صاحب کا تعلق ہے تو امام ابو مسہر نے کیا خوب بات فرمائی ہے۔

احادیث بقیۃ لیست بنقیۃ فکن منها علی التقیۃ

بقیہ کی احادیث عمدہ نہیں ہوتیں تو اس سے تقیہ کر (یعنی بچ کر رہ)

ابو اسحٰق جوزجانی کا قول ہے۔ اللہ بقیہ پر رحم کرے کہ وہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اپنی خرافات کس سے نقل کر رہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ حجت نہیں۔ ابن المبارک کہتے ہیں وہ سچا ہے۔ لیکن ہر شخص سے روایت کرتا ہے۔ متعدد علماء کا قول ہے کہ وہ مدلس ہے اور جب وہ لفظ عن کے ذریعہ حدیث روایت کرے تو اس کی حدیث حجت نہیں۔ حسن اتفاق سے اس حدیث کو بھی وہ لفظ عن سے روایت کر رہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں۔ اس نے امام مالک اور امام شعبہ وغیرہ سے صحیح احادیث سنی تھیں۔ پھر کچھ کذابوں سے مالک اور شعبہ کی روایات سُنیں۔ اس نے ان کذابوں کا نام حذف کر کے امام مالک اور امام شعبہ کی جانب سب کو منسوب کر دیا۔ امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں میں بقیہ کی روایت کو قابلِ حجت نہیں سمجھتا۔

عبدالحق کہتے ہیں اس کی حدیث حجت نہیں ہے۔

ابوالحسن بن القطان کہتے ہیں۔ وہ ضعیف رواۃ سے تدلیس کرتا اور اسے مباح سمجھتا ہے۔

اگر واقعتاً ایسا ہے، تو اس سے اس کی عدالت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ۱۹۷ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ گویا کہ بقیہ محمد بن مصفی سے بھی زیادہ گیا گذرا ہے۔

اس کا تیسرا راوی ثور بن یزید ہے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ قدری ہے۔ لیکن حدیث اس کی صحیح ہوتی ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ یہ تقدیر کے مسئلہ میں الجھتا رہتا تھا۔ اسی لیے اہل حمص نے اسے شہر بدر کر دیا اور ابو مسہر کا بیان ہے کہ تقدیر پر اعتراضات کے باعث اہل حمص نے اس کے گھر کو آگ لگا دی۔ امام اوزاعی اس ثور اور ابن اسحاق کے بارے میں بہت بُری رائے رکھتے تھے۔ ۱۵۳ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

یہاں ایک مسئلہ اور بھی غور طلب ہے کہ محمد بن مصفی اس حدیث کو بقیہ سے روایت کر رہا ہے، بقیہ ثور بن یزید سے اور ثور بن یزید خالد بن معدان سے۔ جب کہ خالد بن معدان کی وفات ۱۰۳ھ میں ہے اور ثور کی وفات ۲۵۳ھ میں۔ ثور کا خالد سے روایت کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک یہ تسلیم نہ کر لیا جائے کہ ثور کی عمر کم از کم ایک سو ستر سال ہوئی۔ حالانکہ کسی محدث نے اس کی زیادتی عمر کی جانب کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ثور کی وفات ۲۵۳ھ میں ہے جب کہ اس کا شاگرد ۱۹۷ھ میں عالمِ فانی کو کوچ کر چکا تھا۔ یعنی شاگرد استاد سے چھپن ۵۶ سال پہلے انتقال کر چکا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بقیہ استاد ہو اور ثور اس کا شاگرد ہو۔ کیونکہ اس کے بغیر یہ مسئلہ حل نہ ہو گا۔ لیکن اس کے بعد ایک مصیبت یہ آئے گی کہ محمد بن مصفی کی وفات ۲۴۶ھ میں ہے جب کہ اس کا استاذ الاستاذ ۲۵۳ھ میں انتقال کرتا ہے۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی یہ ہے اُس روایت کا حال جس پر عیدین کی شب کی فضیلت کا دار و مدار ہے۔

مرار بن حمویہ کا انتقال ۲۵۴ھ میں، محمد بن مصفی کا انتقال ۲۴۶ھ میں، ثور بن یزید کا انتقال ۲۵۳ھ میں، بقیہ کا انتقال ۱۸۷ھ میں اور خالد بن معدان کا انتقال ۱۰۳ھ میں ہے۔ اس میں تو کوئی اشکال نہیں کہ خالد بن معدان نے حضرت ابوامامہ سے حدیث سُنی ہو۔ اور خالد سب کے نزدیک ثقہ ہیں۔ لیکن ان کا شاگرد ۲۵۳ھ تک زندہ ہے۔ یعنی ثور بن یزید، اور یہ وہ دَور ہے جب کہ ابنِ ماجہ خود حیات اور ادھیڑ عمر کے تھے۔ کیونکہ ابنِ ماجہ کا انتقال ۲۷۹ھ میں ہے۔ اس لحاظ سے یہ روایت

انھیں خود ثور سے سُننی چاہیئے تھی۔ لیکن اس کے برعکس ثور سے ایک ایسا شخص یہ روایت نقل کر رہا ہے جو غالبًا اپنے استاد کی پیدائش سے قبل ہی دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔ یعنی بقیۃ بن الولید جس کا انتقال ۱۸۷ھ میں ہے۔

شب برارت یا نفس پرستی

گزشتہ صفحات میں قارئین کرام پڑھ چکے ہیں کہ اس موضوع پر جتنی روایات ہیں، وہ تمام محدثین کے نزدیک موضوع اور منکر ہیں۔ ان میں سے ایک روایت بھی ایسی نہیں جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ اسی لئے تمام ماہرین رجال وعلل ان روایات کی تردید کرتے رہے ہیں ابتداء میں تو اس قسم کی روایات صرف ایک کہانی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ لیکن بعد کے آنے والے صوفیاء نے اس پر مزید حواشی چڑھا کر اسے دین کا ایک اہم جزئیہ بنا دیا۔ اور بعد کے آنے والے اندھے مقلدین نے ان صوفیاء کی کتابوں کو دیکھ کر یہ تصور کر لیا کہ یہ دین کا کوئی اہم رکن ہے۔ جس کا ترک گناہ کبیرہ ہے۔ حالانکہ یہ سب روایات شیعوں کی وضع کردہ تھیں، اور صوفیاء نے اسے عشق مجازی کا ایک ذریعہ بنا یا تھا۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں ہم اس راز پر سے پردہ اٹھائیں گے۔

یوسف کوکن عمری اپنی "سیرت ابن تیمیہ" میں رقم طراز ہیں۔

شعبان کی پندرھویں شب کو شام وعراق کے باشندے صلوۃ الالفیہ ہزارہ نماز پڑھتے تھے، یہ سو رکعت کی نماز تھی، ہر دو رکعت پر سلام پھیرا جاتا، اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھی جاتی۔ بعض لوگ سو رکعت کے بجائے صرف دس رکعت پڑھتے، اور ہر رکعت میں سو مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھتے۔

غزالی نے احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۸۲ پر تحریر کیا ہے کہ لوگ یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے

تھے، اور اسے صلوٰۃ الخیر کہتے تھے، پھر حسن بصری سے یہ غلط روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھ سے تیس سے زائد اصحاب رسول نے بیان کیا کہ جو کوئی یہ نماز پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کی طرف ستر مرتبہ نظر ڈالتا ہے، اور ہر نظر میں اس کی ستر حاجات پوری کرتا ہے۔ جن میں سے ایک ادنیٰ حاجت مغفرت الٰہیہ ہے۔

یہ روایتیں عبدالقادر جیلانی کے حوالہ سے پہلی گزر چکیں، اور ان پر تفصیلی بحث بھی ہو چکی۔ ہمیں تعجب تو غزالی پر ہے کہ وہ فقہ شافعیہ کے امام ہیں، لیکن تصوف نے ان کی عقل کو اتنا ماؤف کر دیا ہے کہ ان کو ان نمازوں میں کوئی فقہی نقص بھی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ چاروں ائمہ کے مسلک میں جماعت کے ساتھ نوافل ادا کرنا جائز نہیں۔ یہ ان کی فقہ دانی کا عالم ہے اور حدیث تو انہوں نے زندگی میں پڑھی بھی نہیں۔ جھوٹی کہانیوں کا نام انہوں نے حدیث رکھ لیا ہے۔

عمری صاحب آگے لکھتے ہیں۔

ابوطالب مکی، اور غزالی (اور عبدالقادر جیلانی) کے لکھ دینے سے عام مسلمانوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ یہ نمازیں مستحب ہیں۔ اس بدعت کو سب سے پہلے ابن ابی الحمراء نے ۴۴۸ھ میں جاری کیا۔ یہ شخص نابلس کا رہنے والا تھا۔ اس نے اولاً یہ نماز تنہا پڑھنی شروع کی۔ پھر دوسرے اس کی اقتدا کرنے لگے۔

ان راتوں میں ہر گھر میں جلدے مانڈے پکائے جاتے، اور مسجدوں میں روشنی کا انتظام ہوتا۔ صحن مسجد اور اطراف میں بازار لگتا۔ ہر قسم کے لچے، بدمعاش جمع ہوتے، خوانچے والے مسجدوں میں صدا لگاتے اور سقے پانی لئے ہر طرف گھومتے، مرد اور بچوں کے ساتھ عورتیں بھی زرق برق لباس پہن کر اور عطر لگا کر ان نمازوں میں شریک ہوتیں، پندرھویں شعبان کو خاص طور سے عورتیں زیادہ آتیں، اور مزاروں پر حاضری دیتیں۔ سیرت ابن تیمیہ ص ۱۲۳

گویا یہ نمازیں آنکھیں سینکنے کا ایک ذریعہ تھیں۔ غالباً اسی لئے اس کا نام صلوٰۃ الخیر رکھا

گیا تھا۔ اور اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نام سے جھوٹی کہانیاں وضع کی گئیں، ور دین الٰہی کا مذاق اڑایا گیا۔ کوکن عمری صاحب نے تو ایک معمولی سا خاکہ کھینچا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل علامہ محمد طاہر پٹنی کے ذریعہ سنئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

واعظم منہ مایوجد الیوم فی مجالس القصاص من اختلاط الرجال والنساء وتلاصق اجسادھم حتی یروان رجلا ضم امرأۃ من خلفہ وعبث بھا وآخر التزم المراۃ وغیر ذلک من الفسوق واللغط والسرقۃ وتجنیس مواضع العبادات واھانۃ بیوت اللہ وکلہ بدعۃ قبیحۃ

تذکرۃ الموضوعات ص۴۶

ان قصہ گو ملاؤں کی مجلس میں سب سے بدترین جو شے پائی جاتی ہے، وہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور باہم ایک دوسرے کے جسموں کا ٹکرانا ہے۔ حتیٰ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے پیچھے سے ایک عورت کو دبوچ لیا اور اس کے ساتھ کھیلتا رہا، اور دوسرے نے سامنے سے عورت کو اپنے سینے سے چپٹا لیا۔ اسی قسم کے فسق و فجور، لغویات اور چوری وغیرہ اس شب برات کی مجلس میں عام ہیں۔ عبادت گاہیں نجس ہوتیں اور اللہ کے گھر کی توہین ہوتی ہے۔ اور یہ سب بدعات قبیحہ ہیں۔

گویا صوفیاء اور سنی حضرات نے شیعوں کی عید غدیر کی نقل میں ایک نئی عید غدیر جاری کی تھی۔ اور اسی لئے اس شب کی فضیلت کے ہتھکنڈے کھیلے گئے تھے۔ یہ دین کے نام پر خواہش نفس کی تکمیل کا ایک ذریعہ تھا۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ علامہ مذکور ہندوستان کی حالت کا نقشہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ مغلیہ دور تھا، اور اکبر و جہانگیر کا زمانہ تھا۔ کیونکہ علامہ مذکور کو جہانگیر کے دور میں عوام نے صرف چالیس سال کی عمر میں اس لئے شہید کر دیا کہ وہ ان امور کی مخالفت کرتے ہیں۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں وہ خالص وہابی تھے۔

علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں کہ یہی صورت حال رمضان میں ختم قرآن کے موقعہ پر ہوتی تھی۔

گویا یہ امور عیاشی اور غنڈہ گردی کا ایک ذریعہ تھے۔ جن کی ترویج کا سہرا ابو طالب مکی، غزالی، اور عبدالقادر جیلانی کے سر بندھتا ہے۔ اگرچہ سنیوں میں بعینہ یہ صورت حال تو باقی نہیں رہی لیکن اس کے نقوش اب بھی باقی ہیں۔ ممکن ہے کہ نیٹی جیٹی (سمندر) پر یہی کام ہوتا ہو۔

سابقہ دور میں اور موجودہ دور میں فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے دور کے علماء ان نمازوں اور قبرستان جانے کے مخالف تھے۔ اس میں صرف اوباش قسم کے لوگ یا صوفیاء شریک ہوتے، لیکن موجودہ دور میں علماء نے اسے دین کا ایک جزئیہ بنا دیا۔

یوسف کوکن عمری اور علامہ محمد طاہر پٹنی کی تحریرات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اس رات کا مقصود کیا تھا۔ اور کس لئے اس رات کے اتنے فضائل وضع کیے گئے تھے۔ بہر صورت ہمیں موجودہ دور کے علماء پر افسوس ہے کہ انہیں یہ مناظر دیکھنے کو نہیں ملے اور ان کی دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

کوکن صاحب لکھتے ہیں۔ ہر دور میں علماء نے ان بدعات کو بند کرنے کی کوشش کی۔ مگر عوام کی عقیدت کچھ ایسی تھی کہ وہ بند ہو کر پھر جاری ہوتی رہیں۔ امام ابن تیمیہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے ان بدعتی نمازوں کو مسلمانوں سے ختم کرایا۔ (غالباً ملک شام اور ملک مصر سے) انہوں نے لکھا۔

اس سے بھی زیادہ سخت اور بری وہ سبوعی (ہفتہ واری) اور حولی (سالانہ) نمازیں ہیں۔ جن کی بنیاد ابو طالب مکی، غزالی اور عبدالقادر جیسے عجمیوں نے ڈالی ہے۔ اور ان کو سنت رسول بتایا ہے۔ جن میں صلوٰۃ الالفیہ ہزارہ نماز بھی ہے جو رجب و شعبان میں ادا کی جاتی ہے۔ اور ساتویں رجب، ۲۷ رجب، شب عاشورہ یا عیدین کی شب میں پڑھی جاتی ہیں۔ یہ تمام نمازیں بدعت ہیں۔ اور ان سے متعلق ساری حدیثیں اور روایتیں جھوٹی ہیں جو کوفی اور عجمی اختراع سے زیادہ نہیں۔ جو ان نمازوں کو غیر مشروع جان کر بھی پڑھے وہ مشرک و کافر ہے۔ سیرت ابن تیمیہ ص ۱۳۵ - ۱۳۶

ان صوفیاء نے ہر ہر دن کی علیحدہ علیحدہ نمازیں وضع کیں جنہیں اسبوعی یعنی نمازیں کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ماہ کی نمازیں جداگانہ وضع کی گئیں اور مخصوص راتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ وضع ہوئیں۔ اس طرح نمازوں کی تعداد پانچ کے بجائے سینکڑوں میں تبدیل ہو گئی۔ گویا یہ صوفیاء اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی نہیں ہے کہ نمازوں کی تعداد پچاس سے کم کر کے پانچ کیوں کی گئی۔

اسی قسم کی ایک نماز صلوٰۃ الاوابین ہے۔ جس پر صوفیاء مداومت کرتے ہیں۔ یہ بعد المغرب بیس رکعات ہیں۔ اور ان سب سے زیادہ مشرکانہ وہ نماز ہے جو عبدالقادر کی نیت سے پڑھی جاتی ہے۔ جسے صلوٰۃ الغوثیہ کہتے ہیں۔

شب براءت کے موجد شیعہ تھے، اور یہ لفظ تو صرف دھوکہ دہی کے لئے استعمال کیا گیا تھا، ورنہ دراصل یہ شب تبرا تھی۔ شیعوں نے سنیوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس کے فضائل میں روایات وضع کر کے پھیلائیں اور صوفیاء نے اپنی عادت کے مطابق ان کی ترویج کا کام انجام دیا۔ ان میں سے بعض صوفیاء تو قرآن وسنت سے جاہل محض تھے، اور بعض باطنی طور پر شیعہ تھے لیکن تقیہ کر کے سنی بنے ہوئے تھے۔ اور عملی طور پر یہ دونوں طبقے دین کی بیخ کنی میں مبتلا تھے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے سنیوں پر تشیع کا غلبہ ہے۔

شیعوں کی کتاب تحفۃ العوام میں اس شب کی بے پناہ فضیلتیں درج ہیں۔ اس ماہ کو رجب سے زیادہ بابرکت شمار کیا گیا ہے۔ خاص کر تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو۔ اس کے بارے میں تحفۃ العوام کا مصنف رقم طراز ہے۔

شب پانزدہم (پندرھویں شب) شب بیداری کرے کہ اول سے تا آخر شب حق تعالیٰ کی جانب سے ندا آتی ہے کہ آیا کوئی استغفار کرنے والا ہے کہ میں بخشوں، کوئی ہے کہ روزی طلب کرے کہ میں اس کی روزی کشادہ کروں، اور غسل اس شب میں باعث تخفیف گناہاں ہے۔ ارمغان عجم ص ۱۲۳

افسوس کہ غزالی اور دیگر صوفیاء نے بھی اس شب غسل مستحب قرار دیا ہے۔

منجملہ اعمال اس شب کے زیارت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہے کہ پیغمبران و ملائکہ اس شب خدا سے رخصت لے کر آنحضرت (حسین) کی زیارت کو آتے ہیں، پس خوشحال اس کا جوان بزرگوں سے مصافحہ کرے۔

اس شب کی تقدیس کا اندازہ کیجئے کہ سب پیغمبران و ملائکہ کربلا جاتے ہیں۔ اور حضرت حسین سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کی قبر کا نقشہ بنا کر زیارت حسین پڑھیں تو گویا آپ نے بھی سب سے مصافحہ کر لیا۔

گویا اس طبقہ کے نزدیک اصل حیثیت حضرت حسین کی ہے اور انبیاء کرام اور ملائکہ ایک ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے انبیاء کرام کو کربلا طلب کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت حسین نانا کی زیارت کو نہیں جاتے بلکہ نانا برخوردار نواسے کے سلام کے لئے حاضری دیتے ہیں۔ یہ ہے ان کا ایمان بالرسول۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں، بلکہ مخالفین کے مقتولین کو بھی ایک ہی گڑھے میں ڈال کر دفن کیا گیا تھا۔ یہ قبہ مامون الرشید کے زمانہ میں تیار کیا گیا۔ جسے بعد میں خلیفہ متوکل باللہ نے ۲۳۶ھ میں زمین کے برابر کرا دیا۔ اور وہاں کھیتی باڑی شروع کرا دی، جب ۳۲۲ھ میں بنو بویہ رافضی بغداد پر قابض ہوئے۔ تو ان میں سے معز الدولہ نے ۳۳۶ھ میں پورے سو سال بعد اس قبہ کی دوبارہ بنیاد رکھی۔ ایسی صورت میں اسے قبۂ حسین کہنا سراسر فریب ہے۔

پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ انبیاء و ملائکہ زیارت حسین کے لئے آتے ہیں۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ امیر زیاد کے ساتھیوں کی زیارت کے لئے آتے ہوں جنہوں نے امیر المومنین یزید بن معاویہ کی حمایت میں جانیں قربان کیں اور اس طرح امت کے اتحاد کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیا۔

پھر شیعوں کا یہ دعوی کہ انبیاء کرام حضرت حسین کی زیارت کے لئے آتے ہیں تو گو یا وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کی ارواح تو عالم بالا میں ہیں۔ جب کہ حضرت حسین بن علی کی روح ابھی کربلا ہی میں بھٹک رہی ہے۔

دراصل اس طبقہ کو نہ تو حضور سے کوئی تعلق ہے اور نہ حضرت حسین سے، یہ بات تو صرف اس لئے کہی گئی تھی تاکہ سنی حب حسین میں مبتلا ہو کر ان کا اگلا عقیدہ بھی تسلیم کرلیں۔ کیونکہ یہ مصنف آگے چل کر اس راز پر سے پردہ اٹھاتا ہے اور لکھتا ہے۔

کہ جملہ برکات متذکرہ اس شب کے صرف اس لئے ہیں کہ جناب صاحب الامر علیہ السلام کی اس شب ولادت ہے۔ ارمغان عجم ص ۱۲۹

قارئین کرام غور فرمائیں کہ اس شب کی تمام فضیلت صرف اس لئے ہے کہ رافضیوں کے بارھویں امام جو آج تک غائب ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت غائب رہیں گے۔ اس رات ان کی ولادت ہوئی تھی۔ یعنی ان کی ماں سوسن جو دو سال تک پیٹ پھلا کر حکومت اور اہل خاندان کو دھوکہ میں مبتلا کئے رہی۔ اس کا راز فاش ہوگیا اور یہ زبردستی کا پھولا ہوا پیٹ خود بخود پچک گیا اور اس سے ایک چوہے کا بچہ بھی نمودار نہ ہوا۔ اور قاضی وقت نے حسن عسکری کو لاولد قرار دیدیا۔ اس کی میراث اس کے چچا کو دیدی۔ جس کے نتیجے میں ایک بچہ کو پکڑ کر اسے حسن عسکری کی اولاد قرار دیا گیا اور جب یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں پکڑ دھکڑ نہ شروع ہو جائے تو اسے غائب کر دیا گیا۔

اس غائب شدہ بچے کو مختلف ناموں سے نوازا گیا ہے۔ اسے امام غائب، امام زماں امام مہدی، امام حاضر اور صاحب الامر کہا جاتا ہے۔ یہ امام آج تک رافضیوں کی نگاہوں سے غائب ہیں۔ اگرچہ بقول ان کے ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ اسی لئے انہیں امام غائب اور امام حاضر دونوں کہتے ہیں۔ یہیں سے سنیوں نے مہدی کا عقیدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ حاصل کیا۔

شیعہ ان امام مہدی کو ایک ہزار سال سے طلب کر رہے ہیں۔ لیکن وہ وراثت سے محرومی کے سبب اتنے ناراض ہیں کہ وہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ اور نہ انہیں اپنے معتقدین پر اعتماد ہے۔ کیونکہ یہ معتقدین ان کے جد امجد حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کو دھوکہ دے چکے ہیں۔ اب وہ سہ بار یہ تلخ تجربہ کرنا نہیں چاہتے۔ اسی لئے اب اس طبقہ نے مجبور ہو کر اپنا ایک نمائندہ اور نائب تجویز کیا ہے۔ جو ایران کے سنیوں کو گولی مار رہا ہے۔ اور اس نے سنیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے۔

شیعوں کی دیکھا دیکھی سنیوں نے بھی ایک امام غائب وضع کر لئے ہیں۔ جو خضر کے نام سے جاہل صوفیا کو راستے بتاتے اور انہیں جنگلوں میں کھانے پہنچاتے ہیں۔ یہ حضرت دور صحابہ سے آج تک کسی عالم کو نظر نہیں آئے۔

رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ امام غائب اس وقت ظہور پذیر ہوں گے، جب تین سو تیرہ پکے مؤمن پیدا ہو جائیں گے۔ (تاکہ جنگ بدرؓ کی یاد تازہ ہو) اور چونکہ آج تک وہ باہر تشریف نہیں لائے یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ابھی تک تین سو تیرہ پکے مؤمن پیدا ہی نہیں ہوئے۔ گویا پاکستان، ہندوستان اور عراق و ایران وغیرہ میں آج جتنے شیعہ پائے جاتے ہیں اور تاریخ میں جتنے گزر چکے یہ سب پکے منافق ہیں۔ ورنہ آج تک امام صاحب ضرور باہر آ چکے ہوتے۔ لہٰذا ہماری شیعوں سے درخواست ہے کہ پہلے وہ اپنی جماعت کو منافقین سے پاک کریں۔ ورنہ امام صاحب ہرگز نکلنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور سنیوں کو شیعہ یا نیم شیعہ بنانے سے رہی سہی امید بھی ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس طرح منافقین کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

پھر ان فرضی امام صاحب کو یہ خطرہ بھی لاحق ہے کہ بچپن میں تو ان پر مصحف فاطمہ جو ایک اونٹ پر لد کر جایا کرتا تھا، اور تمام ائمہ کے صحیفے لاد دیئے گئے تھے۔ اب موجودہ دور میں شیعوں کی کروڑہا کتابوں کو لادنا کیسے ممکن ہو گا۔ تو پہلے اس کا حل تلاش کیا جائے۔

اس کی ایک امکانی شکل یہ ہے۔ کہ ان کے نائب کے سر پر یہ سب کتابیں لاد دی جائیں۔ کیونکہ ایک ہزار سالہ بوڑھا ان کتابوں کو قطعاً نہ اٹھا سکے گا۔

یہ تفصیلی بحث صرف اس لئے کی گئی تھی۔ تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ صاحب اولوالامر کون حضرت ہیں۔ جن کی پیدائش کی خوشی میں شب برات وضع کی گئی اور اسے سنیوں میں پھیلایا گیا۔

جناب محمود الحسن صاحب خسرو جو لاکلاس حیدر آباد دکن کے اعزازی لیکچرار اور مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے استاد رہے، اور مدراس یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہے۔ اپنی کتاب "قرآن مجید کا نزول اور وحی" میں لکھتے ہیں۔

شب برات میں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مختصر یہ کہ قرآن مجید کے نزول کو ماہ شعبان خاص کر شعبان کی پندرھویں شب یعنی شب برات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور نہ اس مہینے اور اس کی رات میں قسمتوں اور تقدیروں کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ شب قدر کی خصوصیتیں ہیں جو رمضان کی ایک خاص رات ہے۔ جیسا کہ اوپر ثابت ہو چکا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شعبان کی پندرھویں رات یعنی شب برات نہ کوئی فضیلت وعظمت کی رات ہے اور نہ یہ کسی عبادت ودعا کی شب ہے۔ واعظین اس رات کی فضیلت کے بارے میں جو حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ ناقدین احادیث نے ان سب کو بدلائل رد کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ روایتیں حدیث کی صحیح اور مستند کتابوں میں جگہ نہ پا سکیں۔ (قرآن مجید کا نزول اور وحی ص۱۳۱)

خسرو صاحب نے آگے چل کر امام ابن القیم اور ملا علی قاری کے اقوال پیش کئے ہیں جو ہم پہلے ہی ہدیۂ ناظرین کر چکے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ شب برات کسی حیثیت ولحاظ سے کوئی مقدس رات نہیں۔ نہ اس رات میں قرآن نازل ہوا ہے۔ نہ اس رات اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف فرما ہو کر قبیلۂ کلب

کی بھیڑوں کے بالوں اتنے انسانوں کے گناہ معاف فرماتے ہیں۔ نہ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیع کے قبرستان تشریف لے جانا ثابت ہے۔ نہ اس رات جاگنا اور خاص نمازیں اور وظیفے پڑھنا ہے، اور نہ پندرھویں کے دن روزہ رکھنا ہے۔ کم درجہ کی کتابوں میں جو روایتیں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں بعض موضوع (من گھڑت) اور بعض غیر صحیح ہیں۔ اسی لئے نقاد ائمہ حدیث نے انہیں مسترد کر دیا ہے۔ امام ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اپنی تفسیر احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۴ میں پندرھویں شب کی رات کی تمام حدیثوں کو غیر معتبر ٹھہرایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

لیس فی لیلۃ النصف من شعبان حدیث یعول علیہ لا فی فضلھا ولا فی نسخ الآجال فیھا فلا تلتفتوا الیھا۔

قرآن مجید کا نزول اور وحی ص ۱۴۲

نصف شعبان کی شب کی فضیلت میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں، جس پر اعتماد کیا جا سکے، نہ اس رات کی فضیلت میں اور نہ مردوں کے نام لکھے جانے کی بارے میں۔ ان روایات کی جانب قطعاً توجہ نہ دو۔

حاصل کلام یہ کہ اس موضوع پر جتنی روایات ہیں وہ سب منکر و باطل ہیں۔ اصول حدیث اور علم الجرح والتعدیل کے قوانین کے تحت ایک روایت بھی درجۂ صحت پر پوری نہیں اترتی۔ اس رات یا دن میں کوئی عبادت انجام دینا یہ سراسر خلاف سنت اور بدعت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔

انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات بیان کرے۔

حضور کے اس فرمان کی رو سے ان روایات کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔ کجا کہ انہیں دلیل بنا کر ان پر دین کی بنیاد قائم کرنا۔ اس قسم کی بلا تحقیق روایات پیش کرنے والے فن حدیث سے قطعاً جاہل ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذلک۔

آتش بازی یا آتش پرستی

نماز، اور روزہ تو بالذات ایک عبادت ہے، بشرطیکہ اسے شریعت کے مطابق اور اس کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے سرانجام دیا جائے۔ اگرچہ اس مخصوص شب، اور مخصوص دن میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ لیکن یہ آتش بازی اور چراغاں کس قسم کی عبادت ہے؟ شریعت اسلامیہ نے کس وقت اور کون سے موقعہ پر اس آتش بازی اور چراغاں کا حکم دیا ہے؟ بلکہ جب نمازوں کے لئے اذان کی ابتدا نہ ہوئی تھی، اس وقت کچھ صحابہ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ نماز کے وقت آگ روشن کر دی جائے۔ تاکہ لوگ اسے دیکھ کر نماز کے لئے جمع ہو جائیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو صرف اس لئے رد فرما دیا کہ یہ مجوسیوں کا شیوہ تھا۔ تاکہ ان سے کسی قسم کی مشابہت پیدا نہ ہو۔

مجوسی مذہب میں دو خداؤں کا وجود ہے۔ ایک کو خدائے یزداں اور ایک کو خدائے اہرمن کہتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کو خدا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی جگہ لفظ خدا استعمال کرتے ہیں وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں اور نہ لفظ خدا سے لفظ اللہ کا ترجمہ ادا ہوتا ہے۔ مذہب مجوسیت میں یزداں سے مراد نور اور اہرمن سے مراد ظلمت ہے۔ ان کے نزدیک ہر کار خیر کا خالق نور، اور ہر شر کا خالق ظلمت ہے اور آگ نور یعنی خدائے یزداں کا مظہر ہے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ایران کے ایک ایک شہر میں آتش کدے بنے ہوئے تھے۔ خود ہمارے مولوی یہ داستان بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے آتش کدہ ایران بجھ گیا۔ دراصل یہ آپ کی والدہ آمنہ نے خواب میں دیکھا تھا اور اس کی تعبیر عمرؓ و عثمانؓ اور بنو امیہ کے زمانہ میں ظہور پذیر ہوئی۔ موجودہ ایران کے آتش کدے عمرؓ و عثمانؓ کے زمانہ

میں ٹھنڈے کئے گئے، اور سمرقند و بخارا کے آتش کدے بنوامیہ کے دور میں سرد ہوئے۔ یہی وجہ ہے جو آج تک بنوامیہ کو گالیوں سے نوازا جاتا ہے۔

مجوسیوں کے مذہب میں ہر خوشی کے موقعہ پر آگ کا مظاہرہ ہوتا۔ اسی کی یادگار کے طور پر آج تک ایران میں نوروز منایا جاتا اور چراغاں کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں جو دیوالی منائی جاتی ہے، وہ اسی آتش پرستی کی یادگار ہے۔

بنوعباس نے جب بنوامیہ سے اقتدار چھینا اور خلافت پر قبضہ کیا، تو انہوں نے عربوں کے مقابلے کے لئے عجمیوں اور ایرانیوں کا تعاون حاصل کیا اور اس طرح خود اپنے بھائیوں کے گلے پر چھری پھیری، جس کے نتیجہ میں عربوں کی قوت پاش پاش ہو گئی اور ایرانی اپنے اس منصوبے میں کامیاب ہو گئے کہ عربوں کو لڑا کر ان کی طاقت ختم کر دی جائے۔ یہ منصوبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے جاری تھا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ شہید کئے گئے، اور اسی لئے حضرت عثمانؓ کے خلاف محاذ آرائی کی گئی۔ جنگ جمل اور جنگ صفین اسی سیاست کا نتیجہ تھی۔ لیکن جب حضرت امیر معاویہؓ نے اس سیاست کو ناکام بنا دیا۔ تو وقتی طور پر یہ سازش دب گئی، لیکن بنوامیہ کے دور میں اولاً اولاد علیؓ کے نام سے اور آخر میں اولاد عباسؓ کو آلۂ کار بنا کر بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس طرح عباسیوں کے بھیس میں ایرانی خلافت پر قابض ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی دور میں تمام کلیدی عہدے ایرانیوں اور مجوسیوں کے پاس رہے۔ حتیٰ کہ بنو عباسؓ اور بنو علیؓ کے حرم میں ایرانی اور مجوسی عورتیں رہیں۔ ان مجوسیوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر جہاں عربوں کی قوت ختم کی، وہاں اسلام کی صورت تبدیل کرنے کے لئے ہزار ہا قسم کی داستانیں وضع کیں، یونان اور ہندومت کا فلسفہ پھیلایا اور عقلیات کے نام سے اسلام کے خلاف مباحثہ اور جدال کا بازار گرم کیا اور اس طرح اسلام میں ہزار ہا وہ امور داخل کئے جن کا اسلام سے دور کا کوئی واسطہ نہ تھا۔

ان مجوسی عہدہ داروں میں سب سے مشہور طبقہ برامکہ کا ہے۔ لفظ برامکہ برمک کی جمع ہے جو ان برامکہ کا جد اعلیٰ ہے۔ یہ بخارا کے آتش کدے کا مجاور تھا۔ جب بنوامیہ نے یہ آتش کدہ

بجھا دیا تو یہ برمک اور اس کی اولاد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بنو امیہ کے مدمقابل آگئی اور اس طرح عباسی حکومت میں انہیں عہدے حاصل ہو گئے۔ یہ عہدے مل جانے کے بعد انہوں نے مساجد میں چراغاں کی بدعت جاری کی۔ جسے جاہل عوام دینداری تصور کرتے رہے اور اصلاً مقصود یہ تھا کہ نماز کے بہانے سے آگ کی پوجا کی جائے۔ علامہ محمد طاہر پٹنی اپنی تذکرۃ الموضوعات میں لکھتے ہیں۔

قال علی بن ابراھیم واول حدوث الوقود من البرامکۃ وکانوا عبدۃ النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام مایموھون بہ انہ من سنن الدین ومقصودھم عبادۃ النیران ولم یات فی الشرع زیادۃ الوقود علی الحاجۃ فی موضع۔

تذکرۃ الموضوعات ص۴۶

علی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ چراغاں کی بدعت سب سے پہلے برامکہ نے جاری کی، کیونکہ وہ اصل میں آگ کے پجاری تھے، جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے اسلام میں وہ چیز داخل کر دی جس کی پوجا پر وہ فخر کیا کرتے تھے اور اسے اپنے دین کی کی ایک سنت قرار دیتے تھے، حالانکہ ان کا مقصود آگ کی پوجا تھی اور شریعت اسلامیہ میں کسی موقعہ پر بھی ضرورت سے زیادہ روشنی کی اجازت نہیں۔

شیخ ابراہیم حلبی حنفی اپنی کتاب "غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی" میں رقم طراز ہیں۔

قیل اول حدوث الوقود من البرامکۃ وکانوا عبدۃ النار فلما اسلموا ادخلوا فی الاسلام مایموھون انہ من سنن الدین ومقصودھم عبادۃ النیران حیث رکعوا وسجدوا مع المسلمین ولم یات فی الشرع استحباب زیادۃ الوقید لا الحاجۃ فی موضع۔

کہا جاتا ہے کہ چراغاں کی بدعت سب سے اول برامکہ نے جاری کی، وہ آگ کے پجاری تھے، انہوں نے اسلام لانے کے بعد اسلام میں وہ شے داخل کر دی جس پر وہ فخر کرتے، اور اپنے دین کی ایک سنت تصور کرتے تھے اور ان کا مقصود رکوع و سجود کے وقت آگ کی پوجا تھی جب وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور شریعت

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۲ ص ۵۳ میں کسی موقع پر ضرورت سے زیادہ روشنی کا استحباب ثابت نہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی مرحوم "فتح الملہم شرح صحیح مسلم" امام عینی حنفی کی شرح بخاری کی "عمدۃ القاری" سے ناقل ہیں۔

واما الوقود فی تلك اللیلة فزعم ابن وحیة ان اول ما کان ذلك زمن یحیی بن خالد بن برمك انهم کانوا یموهون به علی الطعام قال ولما اجتمعت بالملك الکامل وذکرت ذلك له قطع وابر هذه البدعة المجوسیة من سائر اعمال بلاد المصریة فتح الملہم شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۲۴

شب برات میں چراغاں کی ایجاد کا سہرا، بقول امام ابن وحیہ یحیی بن خالد بن برمک کے سر پر ہے۔ یہ برامکہ لوگوں کو کھانے کھلا کر آگ پر فخر کیا کرتے تھے۔ جب ملک الکامل حاکم ہوا تو میں نے اس کے ایجاد کی وجہ اس سے بیان کی، اس نے ملک مصر کے تمام شہروں سے اس مجوسی بدعت کی جڑ کاٹ دی۔

امام ابن وحیہ کی کوششوں سے مصر سے آتش پرستی کی بدعت کا قلع قمع ہو گیا اور امام ابن تیمیہ کی سعی سے ملک شام سے اس کا خاتمہ ہوا اور اللہ کے فضل سے یہ ممالک شب تبرات کے نام پر آتش پرستی سے پاک ہیں۔ لیکن ہند و پاکستان جہاں ہمیشہ ایرانیوں کا اثر رہا۔ وہاں اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ اب ہر خوشی کے موقعہ پر اس آتش پرستی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور شب تبرات میں تو آگ کا وہ کھیل کھیلا جاتا ہے۔ جس کی بدولت ہزار ہا خاندان اسی آگ کی نذر ہو چکے ہیں اور چند لمحات کے لئے بھی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ اس آتش بازی کے پس پردہ کیا چیز کارفرما ہے۔

یہ کذا بین جس رحمت کے نزول کے مدعی ہیں اسے خود اپنے ہاتھوں آگ لگاتے ہیں اب تو اس کھیل نے یہ صورت اختیار کر لی ہے کہ اس کے بغیر شب تبرات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا

اور حقیقت بھی یہ ہے کہ آتش بازی کے بغیر شعبان کی آمد کا علم بھی نہیں ہوتا۔ گویا ماہ شعبان اور آتش پرستی باہم لازم و ملزوم ہیں۔ افسوس تو اس پر ہے کہ شیعہ اور ایرانی ذہن نے سینوں کو کس کس طرح بے وقوف بنایا ہے۔ کہ اب اس کا مداوا بھی ممکن نہیں رہا۔

جہاں تک چراغاں کا تعلق ہے تو اس کی حیثیت صرف کھیل کی نہیں۔ بلکہ عوام الناس اسے رضائے الٰہی کا ایک ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ جو خالص مجوسی عقیدہ ہے اور جو عین کفر ہے۔ اور اسے رضائے الٰہی تصور کرنے والا قطعاً کافر ہے۔

اسی رضائے الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ستائیس رمضان، ستائیس رجب، پندرہ شعبان اور یوم ولادت نبی پر مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے اور پھر ولادت نبی کے حال میں یہ بھی پڑھ کر سنایا جاتا ہے کہ آپ کی آمد سے ایران کے آتش کدے بجھ گئے۔ لیکن افسوس ان محبان رسول پر جو اللہ کے گھروں کو بھی آتش کدوں میں تبدیل کر دیتے ہیں اور سال میں کئی بار اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ گویا ان عجمیوں کو آتش کدوں کا بجھنا اتنا ناگوار گزرا ہے۔ کہ اس کی یاد تازہ کرنا انہوں نے اپنی زندگی کا محور بنا لیا ہے۔ اگر اسی کا نام محبت رسول ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو ایسی محبت سے محفوظ رکھے۔

یہ آتش پرستی جہاں مجوسیت کی یادگار ہے۔ وہاں اسراف بیجا اور مال کا ضیاع بھی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ○ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوَانَ الشَّيٰطِينِ ○	اور پیسے کو فضول نہ اڑا، کیونکہ فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

یہ دولت و سرمایہ کی بربادی کیا اس قوم کے لئے مناسب ہے جو اپنی زندگی کی ہر ہر ضرورت میں کافر ممالک کی محتاج ہو، بلکہ اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو ہماری قوم آتش پرستی، نذر و نیاز، عرس، ماتم، تیجہ، برسیوں، سالگرہوں اور شادی کی رسومات پر جتنی دولت برباد کرتی ہے۔ اس رقم سے ہر سال ملک میں بیسیوں کارخانے تیار ہو سکتے ہیں۔ افسوس ع

کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ہے کوئی ایسا مرد مجاہد جو پاکستان کو ان خرافات سے پاک کرے۔ اگر ہم نے اب بھی ان لغویات کو ترک نہ کیا تو ہم کبھی بھی معاشی اور اقتصادی طور پر اپنے قدموں پر کھڑے نہ ہو سکیں گے اور ہمیشہ کاسۂ گدائی لے کر یورپین ممالک سے قرضوں کی بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔

جہاں ان تمام خرافات سے احتراز ضروری ہے، وہاں پیر پرستی اور مردہ پرستی کو خیر باد کہنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے کہ زندوں کا تمام حق تو یہ مردوں کے نام پر دکانداری کرنے والے کھا جاتے ہیں۔ بلکہ یہ مردہ خانوں کے ٹھیکہ دار عوام کی خون پسینے کی کمائی چرس اور بھنگ میں اڑا دیتے ہیں۔ سب سے اول تو ان اکھاڑوں کا تدارک ضروری ہے جو حکومت کے علاوہ کوئی اور انجام نہیں دے سکتا۔

الغرض شب تبرا اور اس آتش پرستی کی رسم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں اس کا کوئی وجود تھا اور نہ آج اُن مقامات پر ان خرافات کا کوئی وجود ہے۔ جہاں سے اسلام چل کر ہم تک پہنچا ہے یعنی مکہ مکرمہ، اور مدینہ منورہ۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشین گوئی فرمائی تھی۔ وہ کامل طور پر سامنے آ گئی۔

ان الاسلام لیارز الی المدینة کما تارز الحیة الی جحرها۔ (مسلم)

یقیناً اسلام سمٹ کر مدینہ کی جانب اسی طرح واپس آجائے گا جس طرح سانپ سمٹ کر اپنے سوراخ کی جانب واپس آتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں اسلام کے سمٹنے سے مراد اصل اسلام کا سمٹنا ہے۔ نہ کہ فرضی اسلام کا سمٹنا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ مکہ و مدینہ میں اسلام اپنی اصل ہیئت میں نظر آتا ہے۔ نہ وہاں شرک و بدعات ہیں اور نہ اسلام کے نام سے فرضی خرافات۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے باشندوں کو وہاں اسلام نظر نہیں آتا۔ کیونکہ یہ لوگ خرافات اور فرضی کہانیوں کی جگہ

بندلیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور انہی خرافات کا نام انہوں نے اسلام رکھ چھوڑا ہے۔ اور حرمین شریفین ان خرافات سے پاک ہیں تو ان عقل کے اندھوں کو وہاں اسلام کیسے نظر آسکتا ہے۔ وہاں اسلام صرف اسی شخص کو نظر آسکتا ہے جو کتاب و سنت کی عینک لگا کر دیکھے۔ جو پاکستان میں بمشکل حاصل ہو سکتی ہے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

حلوا خوری

حلوا خور ملاؤں نے اپنی حلوہ خوری کے لئے شب برات میں حلوا پکانے کی رسم بھی اختیار کر رکھی ہے۔ قارئین یہ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ برامکہ نے مساجد میں آتش پرستی کی بدعت جاری کرنے سے قبل لوگوں کو کھانے کھلانے شروع کئے تھے اور بیت المقدس میں جب ابن ابی الحمراء نے ان فرضی نمازوں کا سلسلہ جاری کیا۔ تو اس نے حلوا خوری کا انتظام کیا تاکہ مفت خورے حلوا کھانے کی غرض سے ہماری بدعت میں شریک ہو کر رونق دوبالا کر جائیں۔ جیسا کہ آج کل میلادوں اور ختم قرآن پر شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ میلاد کی مجلسیں اسی شیرینی کی بدولت روز افزوں ہیں۔

ان ملاؤں نے اس حلوا خوری کو مذہبی رنگ دینے کے لئے لوگوں میں مختلف قسم کی کہانیاں پھیلا رکھی ہیں۔ جن میں سے اہم ترین یہ کہانی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے اور حضور کے لئے حلوا تیار کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم حلوا پکا کر حضور کے نام کی نیاز دیتے ہیں۔

لیکن کوئی ان عقل کے کوروں سے یہ سوال نہیں کرتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک ۱۰ شوال کو شہید ہوئے اور مہینے پورے ساڑھے دس ماہ بعد اس کا خیال

پیدا ہوا۔ جو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو تم اول درجہ کے فریب کار ہو جو قوم کو دھوکہ دے رہے ہو، یا اول درجہ کے جاہل مطلق ہو کہ تمہیں اتنی بھی خبر نہیں کہ حضور کے دندان مبارک کب شہید ہوئے۔

یہ بھی کوئی ان سے سوال کرے کہ حضور کے سامنے کے دو دانت شہید ہوئے تھے اور کھانا سامنے کے دانتوں سے نہیں کھایا جاتا، بلکہ داڑھوں سے کھایا جاتا ہے۔ آج تک پوری زندگی میں تمہیں اس کا بھی تجربہ نہیں ہوا۔

یہ بھی ہماری عقل سے باہر ہے کہ حلوا تو حضور کے لئے تیار ہوا اور کھائیں دوست احباب یا مُلا، اور پھر پکاتے وقت یہ بھی احساس نہیں کیا جاتا کہ جس مال سے تم حضور کے لئے یہ حلوا تیار کر رہے ہو، وہ مال حلال ہے یا حرام۔ کیونکہ ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ راشی، سود خور، غاصب، چور اور بے ایمان سب ہی حلوا پکاتے ہیں، اگر حقیقتاً اس حلوے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ مقصود ہے تو آپ کے ساتھ اس سے زیادہ بدترین مذاق کیا ہوگا۔ کہ جس مال سے اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے۔ وہی مال حضور کو پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ حب رسول ہے یا عداوت رسول اس کا فیصلہ خود قارئین کرام کر لیں۔

پھر یہ بھی غور طلب مسئلہ ہے کہ جب یہ حلوا کھاتے پیتے احباب نے ہضم کر لیا تو حضور کو یہ حلوا کس طرح پہنچا۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ ہم تو صدقہ کی نیت سے پکاتے ہیں اور حضور کو اس کا ثواب پہنچاتے ہیں، تو اول تو مال حرام سے صدقہ جائز نہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ان اللہ لا یقبل صدقۃ من غلول۔ یقیناً اللہ مال حرام کا صدقہ قبول نہیں فرماتا

نسائی ج ۱ ص ۲۵۱

تو اول تو صدقہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مال حلال سے حاصل کیا گیا ہو۔ ثانیاً یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صدقہ مساکین اور مستحقین میں تقسیم کیا جائے، جو افراد صدقہ کے مستحق نہیں

ان کے لئے صدقہ کھانا حرام ہے۔ اس طرح احکام شریعت کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ جو کھلے نفاق کی دلیل ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سوجی کا تو کیا وجود ہوتا۔ گندم کے آٹے اور چھلنی تک کا وجود نہ تھا۔ بلکہ پتھر پر جو رگڑ کر اس کا بھوسہ پھونکوں سے اڑا لیا جاتا اور پھر اس کی روٹی تیار کر لی جاتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری اپنی حیات طیبہ میں چھنے آٹے کی روٹی نہیں دیکھی۔ ایسی صورت میں یہ ہندوستانی حلوے کا وجود مدینہ میں کیسے ممکن ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہم امیر حمزہ کی نیاز دیتے ہیں اول تو حضرت حمزہ بھی جنگ احد میں شہید ہوئے جو ۱۱ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی، نہ کہ شعبان میں، اس نیاز میں بھی وہی عیوب موجود ہیں جو حضور کے نام کی نیاز میں پائے جاتے تھے۔

پھر اس سلسلہ میں حضرت حمزہ کی کیا تخصیص ہے۔ اس لئے کہ جنگ اُحد میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ اگر اس نیاز کی اصل وجہ شہادت ہے تو امت مسلمہ میں اتنے شہید ہوئے ہیں کہ اگر ان سب کے نام کی نیاز دی جائے تو سر اٹھانے کی بھی فرصت نہ ملے، اور یہ کاروبار عالم ٹھپ ہو کر رہ جائے اور اگر اس نیاز کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری ہے تو پھر حضرت عباس، حضرت صفیہ، ازواج مطہرات، حضور کی صاحبزادیوں اور دیگر اقربا نے کون سا قصور کیا۔ جو وہ اس نیاز سے محروم کئے گئے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حلوا اویس قرنی کی نیاز کے لئے پکایا جاتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے جب یہ سُنا کہ حضور کے دندان مبارک شہید ہو گئے تو انہیں اس بات کا علم نہ تھا کہ آپ کے کون سے دندان مبارک شہید ہوئے ہیں، اس لئے انہوں نے اپنے تمام دانت توڑ ڈالے۔ لیکن آج تک کسی محب رسول اور عاشق اویس نے اس پر عمل کر کے نہیں دکھایا۔ کیا یہ کہانی صرف سنانے کے لئے ہے۔ عمل کرنے کے لئے نہیں؟ ہوتا تو یہ چاہیئے تھا کہ محبان رسول سب ہی اپنے دانت توڑ لیتے۔ جس سے ایک اہم فائدہ یہ ہوتا کہ محب رسول اور

غیر محب رسول کی شناخت میں دشوار نہ ہوتی۔ صرف صورت دیکھ کر فتویٰ جاری کیا جا سکتا تھا۔ لیکن مثل مشہور ہے کہ دیگراں را نصیحت خود را فضیحت۔

اویس قرنی کے بارے میں اکثر روایات من گھڑت اور فرضی ہیں۔ بلکہ بعض پہلے ائمہ اس میں بھی مشکوک ہیں کہ ان کا دنیا میں کوئی وجود بھی تھا، یا نہیں۔ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ، امام شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ اور امام عمرو بن مرہ تابعی المتوفی ۱۱۸ھ سرے سے ان کے وجود ہی کے منکر ہیں اور اتفاق سے عمرو بن مرہ قبیلہ مراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قرن قبیلہ مراد کی ایک شاخ ہے۔ جس سے اویس کا تعلق بیان کیا جاتا ہے۔ ان عمرو بن مرہ کا بیان ہے کہ ہمارے قبیلہ میں اویس نامی کوئی فرد نہیں گذرا۔ اور اسی باعث امام شعبہ اور امام مالک اویس کے وجود کے منکر ہیں۔

تاریخی طور پر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یمن کا علاقہ ۱۰ھ میں فتح ہوا۔ اس وقت تک اہل یمن کافر تھے۔ اگر اویس کا کوئی وجود تھا تو یقیناً وہ ۱۰ھ کے بعد اسلام لائے ہوں گے۔ جب کہ حضور کے دندان مبارک ۳ھ میں شہید ہوئے۔ پھر یمن کا علاقہ حضرت خالد بن الولید اور حضرت علی کے ہاتھوں فتح ہوا اور فتح کے بعد یمن کے پہلے امیر حضرت علی متعین ہوئے اور ذی الحجہ ۱۰ھ میں حضرت علی کی جگہ حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو متعین کیا گیا۔ اب اگر اویس ان حضرات میں سے کسی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔ تو یقیناً ان حضرات سے یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور کے کون سے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اویس نے ان صحابہ کرام سے نہ تو ملاقات کی اور نہ ان حضرات سے حصول علم کی کوشش کی۔ بلکہ اپنی جہالت کو علم تصور کرتے ہوئے حماقت کا ثبوت پیش کیا۔

یہ بھی غور طلب ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کی محبت میں اپنے دانت توڑ ڈالے تو یہ واقعہ ایک تاریخی کارنامے کی حیثیت اختیار کر لے گا اور یہ خبر پر لگا کر چند ہی روز میں پورے

ملک میں پھیل جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود کوئی محدث اور کوئی مورخ اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ بے پر کی گپ ہے۔

اگر اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ تب بھی ادریس کا یہ عمل شرعاً کوئی نیک کام نہیں۔ بلکہ یہ ایک گناہ عظیم ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و بن العاص جو مشہور زاہد و عابد صحابی ہیں۔ ہمیشہ روزے رکھتے اور تمام رات نماز پڑھتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا۔ تو آپ نے ہمیشہ روزے رکھنے اور تمام رات نماز پڑھنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

لم عذبت نفسك۔ ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۷ — تو نے اپنی جان کو کیوں عذاب دیا۔

ایک اور حدیث میں اس طرح ارشاد فرمایا۔

ان لنفسك عليك حقا ولعينيك حقا۔ بخاری ج ۱ ص ۲۶۵۔ مسلم ج ۱ ص ۳۶۷۔ نسائی ج ۱ ص ۲۳۹ — یقیناً تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔ اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے۔

گویا پوری رات عبادت کرنا یا ہمیشہ روزے رکھنا۔ یہ نفس کو عذاب دینا ہے۔ حالانکہ شریعت نے نفس کو عذاب دینے کی اجازت نہیں دی، بلکہ ارشاد فرمایا "تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے" کہ انہیں آرام دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی جان کو عمداً تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ خواہ یہ تکلیف عبادت کی زیادتی کے ذریعہ کیوں نہ دی جائے۔ اب اگر ادریس نے یہ حرکت لاعلمی کے باعث کی تو ان کی یہ جہالت ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتی اور اگر علم کے باوجود ایسی حرکت کی تو انہوں نے کبیرہ گناہ کیا اور فرمان رسول کی مخالفت کی۔ اس صورت میں یہ محبت رسول نہ ہو گی، بلکہ عداوت رسول ہو گی۔

حضور کے اس فرمان سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صوفیا رجو نفس کشی کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ اسے رہبانیت یا جوگ سے تو تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا — اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا۔

یہ بھی شریعت کا ایک مسلمہ قانون ہے کہ خودکشی حرام ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا خود مالک نہیں۔ بلکہ یہ دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور انسان کو بطور امانت دی گئی ہے۔ جس کی حفاظت اس کے ذمہ ہے اور جب کوئی انسان اپنے ارادے سے اللہ کی ملکیت اور اس کی امانت میں دخل اندازی کرتا ہے۔ تو جہاں وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، وہاں وہ اللہ کی ملکیت کو ضائع بھی کرتا ہے۔ اسی لئے خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور امانت میں خیانت کلی طور پر ہو یا جزوی طور پر دونوں حرام ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے فرمایا تجھ پر تیری جان کا بھی حق ہے۔ اور تیری آنکھوں کا بھی حق ہے اور جس طرح جان اور آنکھوں کا حق سلب کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دانتوں کا حق مارنا بھی جائز نہیں جو ان کی صفائی اور دیکھ بھال ہے۔ اسی لئے مسواک کی تاکید کی گئی ہے اور جب دانتوں کا حق مارنا جائز نہیں تو ان کا ضائع کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔ ایسا شخص جو عمداً دانتوں کو ضائع کرتا ہے۔ وہ اللہ کی امانت کو ضائع کر رہا ہے۔ وہ تو شرعاً قابل تعزیر ہے، نہ کہ قابل تحسین۔

اگر حب رسول میں جان یا اس کے کسی حصہ کا بلاوجہ ضائع کرنا جائز ہوتا اور یہ فعل حب رسول کی دلیل ہوتی تو صحابہ کرام میں سے کوئی فرد بھی اس سے احتراز نہ کرتا۔ لیکن کسی صحابی نے بھی اسے اختیار نہیں کیا۔ جو اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کوئی مستحسن فعل نہیں بلکہ ایک بدترین اور قبیح فعل ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور حب رسول کی دلیل ہے تو اس سے دو امور لازم آئیں گے اول اگر کوئی حب رسول میں خودکشی کرے تو وہ جائز ہوگی۔ حالانکہ حب رسول کے ڈھنڈورچی بھی اس کے قائل نہیں۔ دوئم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے لے کر آج تک اویس قرنی کے علاوہ کوئی محب رسول نہیں گزرا۔ اس طرح یہ حب رسول کے مدعی خود اپنے دعوے میں جھوٹے ثابت ہوں گے اور یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ صحابہ کرام تابعین

اور تبع تابعین سب اپنے اس دعوائے حب رسول میں جھوٹے تھے۔ عیاذاً باللہ

ان تمام دلائل سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ کہانی جاہل ملاؤں کی خود ساختہ ہے۔ جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ یہ صرف گرمی محفل کے لئے تیار کی گئی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں فرماتے ہیں:

"منجملہ ان رسوم کے شب برات کا حلوا، اور عید کی سویاں، اور عاشورہ محرم کا کھچڑا اور شربت وغیرہ ہے۔ شب برات میں حدیث سے اس قدر ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم حق تعالیٰ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور اموات کے لئے استغفار فرمایا۔ اس سے آگے سب ایجاد ہے۔ جس میں مفاسد کثیرہ پیدا ہو گئے ہیں"

ہم شروع کتاب میں تفصیل سے اس پر بحث کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع وفات سے چند روز پیشتر تشریف لے گئے تھے اور شب برأت میں جانے کا ذکر قطعاً غلط ہے حتیٰ کہ مولانا محمد صدیق کاندھلوی مرحوم نے اس کی تردید میں مولانا اشرف علی تھانوی کو خط بھی تحریر فرمایا تھا جو امداد الفتاوی جلد سوم میں موجود ہے اور مولینا اشرف علی ان کے اعتراضات کے جوابات دینے سے قاصر رہے اور آخر میں صرف یہ جواب دیا کہ اس واقعہ کے سلسلہ میں اگرچہ مجھے بھی شک و شبہ ہے لیکن مفتی عزیز الرحمان دیوبندی کے فتوی سے میں گریز نہیں کر سکتا۔[1] مولانا آگے چل کر لکھتے ہیں:

---

[1] ہم نے یہ خط و کتابت نقل کرنے سے اس لئے گریز کیا کہ اول تو یہ نہایت تفصیلی ہے جو پندرہ سولہ اوراق پر پھیلی ہوئی ہے۔ ثانیاً پھوپھا مرحوم یعنی مولانا محمد صدیق کاندھلوی نے جو دلیل رد میں پیش کی ہے۔ ہمیں اس دلیل سے کچھ اختلاف ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ اس پر مزید تفصیلی بحث شروع ہو جاتی۔ انہوں نے نسائی کی روایت کو پیش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضور ہر شب بقیع تشریف لے جاتے اور شب برات سے اس کا کوئی

۱۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک جب شہید ہوئے تھے آپ نے حلوا نوش فرمایا تھا۔ یہ بالکل موضوع اور غلط قصہ ہے۔ اس کا اعتقاد کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ عقلاً بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ یہ واقعہ شوال میں ہوا نہ کہ شعبان میں۔

۲۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ان دنوں میں ہوئی یہ ان کی فاتحہ ہے۔ یہ بھی محض بے اصل ہے اور اول تو تعین تاریخ کی ضرورت نہیں۔ دوسرے خود یہ واقعہ بھی غلط ہے۔ آپ کی شہادت بھی شوال میں ہوئی تھی۔ شعبان میں نہیں ہوئی۔

۳۔ بعض لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ شب برات وغیرہ (یعنی جمعرات) میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ کسی نے ہمارے لئے کچھ پکایا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا امر خفی بجز دلیل نقل کے اور کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہاں ندارد ہے۔

۴۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شب براءت سے پہلے کوئی مرجاوے جب تک اس کے لئے فاتحہ شب براءت نہ کیا جاوے وہ مردوں میں شامل نہیں ہوتا (یعنی اس کی روح بھٹکتی پھرتی رہتی ہے جو خالص ہندوانہ عقیدہ ہے) یہ بھی محض تصنیف یاراں اور بالکل لغو ہے۔ بلکہ رواج ہے کہ اگر تہوار سے پہلے کوئی مرجاوے تو کنبہ میں پہلا تہوار (یعنی عید و بقرعید وغیرہ) نہیں ہوتا۔ حدیثوں میں صاف مذکور ہے کہ جب مردہ مرتا ہے، مرتے ہی اپنے جیسے لوگوں میں جا پہونچتا ہے۔ یہ نہیں کہ شب برات تک اٹکا رہتا ہے۔

۵۔ حلوے کی ایسی پابندی ہے کہ بدوں اس کے سمجھتے ہیں شب برات ہی نہیں ہوتی اس پابندی میں اکثر فساد عقیدہ بھی ہو جاتا ہے، کہ اس کو مؤکد ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ فساد عمل بھی ہو جاتا ہے۔ فرائض و واجبات سے زیادہ اس کا اہتمام کرنے لگتے ہیں اور

تعلق نہیں۔ پھوپھا مرحوم شب برات کے وجود کے قطعاً منکر ہیں اور وہ بھی مولوی اشرف علی کی طرح مولینا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء میں سے تھے۔

ان دونوں کا معصیت ہونا فصل اول میں بالتشریح گزر چکا ہے۔ ان خرابیوں کے علاوہ تجربہ سے ایک اور خرابی بھی ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ نیت بھی فاسد ہو جاتی ہے ثواب وغیرہ کچھ مقصود نہیں رہتا ہے۔ خیال ہو جاتا ہے کہ اگر اب کے نہ کیا تو لوگ کہیں گے اب خسّت یا ناداری نے گھیر لیا ہے۔ اس الزام کے رفع کرنے کے لئے جس طرح بن پڑتا ہے۔ مر مار کر کرتا ہے۔ ایسی نیت سے صرف کرنا محض اسراف و تفاخر ہے، جس کا گناہ ہونا بارہا مذکور ہو چکا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہے یہ جدا گناہ ہے۔

۶۔ جو لوگ مستحق اعانت ہیں ان کو کوئی بھی نہیں دیتا۔ یا ادنیٰ درجہ کا پکا کر ان کو دیا جاتا ہے۔ اکثر اہل ثروت اور برادری کے لوگوں کو بطور معاوضہ کے دیتے لیتے ہیں، اور نیت اس میں یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص نے ہمارے یہاں بھیجا ہے، اگر ہم بھی نہ بھیجیں گے تو وہ کیا کہے گا۔ غرض اس میں بھی وہی ریا و تفاخر ہو جاتا ہے۔

۷۔ بعض لوگ اس تاریخ میں مسور کی دال ضرور پکاتے ہیں۔ اس ایجاد کی وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی۔ لیکن اس قدر ظاہر ہے کہ غیر مؤکد کو مؤکد سمجھنا بلاشک معصیت ہے۔ یہ تو کھانے پکانے میں مفاسد ایجاد کر لیئے ہیں۔

۸۔ بعض لوگوں نے اس میں برتنوں کا بدلنا، اور گھر لیپنا (جیسے ہندو تہواروں پر کرتے ہیں) اور خود اس شب میں چراغوں کا زیادہ روشن کرنا عادت ڈال لی ہے۔ یہ بالکل رسم کفار کی نقل ہے۔ اور حدیث تشبہ سے حرام ہے۔ اصلاح الرسوم ص۱۴۸

جس شئے میں اتنے مفاسد موجود ہوں، قارئین خود سمجھ سکتے ہیں کہ اس کے جواز کا کیا مسئلہ ہے۔ حیرت تو اس پر ہے کہ اب تو دیوبندی حضرات بھی اس مرض میں مبتلا ہیں، جبکہ تمام علماء دیوبند نے اسے ناجائز کہا ہے۔ لیکن بقول حضرت تھانوی وہی دیکھا دیکھی اور ریاکاری کا مرض ہر شخص کو گھیرے ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرمائے اور انہیں اس خود ساختہ مصیبت عظمیٰ سے نجات دے۔ آمین یارب العلمین۔

مأخذ علمی التفاسیر

القرآن الکریم	
تفسیر ابن کثیر	حافظ ابو الفداء عماد الدین اسمعیل بن عمر ۷۷۴ھ
تفسیر الکبیر	امام ابو عبد اللہ فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین ۶۰۶ھ
مدارک التنزیل	نسفی
تفسیر مواہب	
تفسیر حقانی	ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی
تفسیر ماجدی	عبد الماجد دریا آبادی
موضح القرآن	شاہ عبد القادر دہلوی
فتح القدیر	شوکانی
تفسیر جلالین	جلال الدین محلی و جلال الدین سیوطی
تفسیر خازن	
کمالین شرح جلالین	
احکام القرآن	حافظ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی العافری ۵۴۳ھ
الجامع احکام القرآن المعروف بالتفسیر القرطبی۔	امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی
تفسیر عثمانی	علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۳۶۹ھ
لباب النقول فی اسباب النزول	جلال الدین سیوطی
تفسیر ابن جریر	ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری ۳۱۰ھ
تفسیر بیضاوی	ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر البیضاوی ۶۹۲ھ
خزائن العرفان فی تفسیر القرآن	مفتی نعیم الدین
معالم التنزیل	ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد البغوی ۵۱۶ھ

قرآن مجید اور اس کا شان نزول	محمود الحسین خسرو
روح المعانی	آلوسی

الاحادیث و متعلقات الاحادیث

الصحیح	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری ۲۵۶ھ
الصحیح	امام ابوالحسین علم بن الحجاج التقصیری ۲۶۱ھ
المؤطا	امام ابوعبداللہ مالک بن انس الاصبحی المدنی ۱۷۹ھ
الجامع	امام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی ۲۷۹ھ
الشمائل	"
العلل	"
السنن	امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب النسائی ۳۰۳ھ
السنن	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی ۲۷۵ھ
السنن	ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجۃ القزوینی ۲۷۳ھ
السنن	امام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمان الدارمی ۲۵۵ھ
المسند	حافظ سلیمان بن داؤد بن جارود الطیالسی ۲۰۴ھ
المسند	امام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل ۲۴۱ھ
المسند	عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ۲۱۹ھ
المسند	امام محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ھ
المشکوٰۃ	ولی الدین الخطیب ۷۳۷ھ
الاکمال فی اسماء الرجال	ولی الدین الخطیب ۷۳۷ھ
الترغیب والترہیب	حافظ ذکی الدین ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری ۲۵ھ
معانی الآثار	امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی ۳۲۱ھ

مجمع الزوائد و منبع الفوائد	حافظ ابوالحسن نورالدین ہیثمی ۸۰۷ھ
المصنف	عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی ۲۱۱ھ
المصنف	امام ابوبکر بن ابی شیبہ ۲۳۵ھ
عمدۃ القاری شرح البخاری	امام بدرالدین عینی حنفی
فتح الباری شرح البخاری	حافظ ابن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
شرح مسلم	امام ابوزکریا محی الدین یحیی بن شرف النووی ۶۷۶ھ
فتح الملہم شرح مسلم	علامہ شبیر احمد عثمانی
شرح مسلم	قاضی عیاض مصری
تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	
المرقات شرح مشکوۃ	نورالدین ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ	عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ
حصن حصین	ابوالخیر شمس الدین محمد بن الجزری ۸۳۳ھ
کتاب الاذکار	ابوزکریا یحیی بن شرف النووی ۶۷۶ھ
قوت المغتذی شرح ترمذی	جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ
تدریب الراوی	"
میزان الاعتدال	حافظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ
لسان المیزان	حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ
تہذیب التہذیب	"
الضعفاء الصغیر	امام بخاری
الضعفاء الصغیر	امام نسائی
الفہرست	شیخ ابومحمد نجیبی
السیر اعلام النبلاء	حافظ ذہبی ۷۴۸ھ
تذکرۃ الحفاظ	"

الموضوعات	حافظ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد المعروف بابن الجوزی ۵۹۷ھ
العلل المتناہیہ فی احادیث الواہیہ	″
التذکرۃ الموضوعات	حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی ۵۰۷ھ
تذکرۃ الموضوعات	محمد بن طاہر پٹنی ۹۸۶ھ
موضوعات کبیر	ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
التنزیہ الشریعیہ فی احادیث الموضوعہ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی ۹۶۳ھ
اللآلی المصنوعہ فی احادیث الموضوعہ	جلال الدین سیوطی ۹۱۱ھ
المقاصد الحسنہ	حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان اسخاوی ۹۰۲ھ
تمییز الخبیث فی مایدور علی السنۃ	شیخ عبدالرحمان بن علی بن محمد الشیبانی الشافعی الاثری
الناس من الحدیث	
المقدمہ	شیخ تقی الدین ابوعمرو بن صلاح الدین الشافعی ۶۴۳ھ
معرفۃ علوم الحدیث	امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم اینشاپوری ۴۰۵ھ
المستدرک علی الصحیحین	″
السنن الکبری	امام ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن عبداللہ البیہقی ۴۵۸ھ
الآثار المرفوعہ فی احادیث الموضوعہ	ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ
جامع الاصول	علامہ مجدالدین مبارک بن محمد الجزری المعروف بابن الاثیر ۶۰۶ھ
الطبقات	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن کاتب الواقدی ۲۳۰ھ
التاریخ البخاری	امام محمد بن اسمعیل البخاری
الجرح والتعدیل	حافظ ابومحمد عبدالرحمان بن ابی حاتم الرازی ۳۲۷ھ
الکامل	حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی ۳۶۵ھ

الشروط الائمۃ الستۃ	حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی ۵۰۷ھ
التنقیح الانظار فی علوم الآثار	محمد بن ابراہیم المعروف بابن وزیر الیمانی ۸۴۰ھ
الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی	محمد بن یحیی المعروف بہ محسن الیتمی
توضیح الافکار	محمد بن اسمٰعیل امیر الیمانی ۱۱۸۲ھ
حصر الشارد فی اسانید الشیخ محمد عابد	محمد عابد سندھی ۱۲۵۷ھ
شرح ابن ماجہ	〃
الحطۃ بذکر الصحاح الستۃ	نواب صدیق حسن قنوجی ۱۳۰۷ھ
ابن ماجہ اور علم حدیث	عبدالرشید نعمانی
عجالہ نافعہ	شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۲۳۹ھ
فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ	عبدالحلیم چشتی
فتح المغیث فی شرح الفیۃ الحدیث	حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمان السخاوی ۹۰۲ھ
توجیہ النظر الی اصول علوم الاثر	شیخ طاہر بن صالح جزائری ۱۳۳۸ھ
مجمع البحار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار	شیخ محمد طاہر پٹنی ۹۸۶ھ
جامع بیان العلم وفضلہ	حافظ عمر بن یوسف المعروف بابن عبدالبر المالکی الاندلسی ۴۶۳ھ
رزین الصحاح	محدث رزین بن معاویہ عبدری سرقسطی ۵۲۵ھ
ابن عساکر	حافظ ابوالقاسم علی بن ابی محمد ۵۷۱ھ
منتہی المقال فی اسماء الرجال	
السلسلۃ الاحادیث الضعیفہ	ناصر الدین البانی
امالی	حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر ۵۷۱ھ
ماتمس بہ الحاجہ	عبدالرشید نعمانی
کتاب الضعفاء	عقیلی
زہر الربی علی المجتبی	جلال الدین سیوطی

کشف المغطا شرح الموطا	مفتی اشفاق الرحمٰن الکاندھلوی
المحلی شرح الموطا	شیخ سلام اللہ
کتاب الضعفاء والمتروکین	حافظ ابو حاتم محمد بن حبان البستی ۳۵۴ھ
نفع قوت المغتذی علی جامع الترمذی	علی بن سلیمان المغربی المالکی الشاذلی
شعب الایمان	امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی ۴۵۸ھ
الکفایہ فی علم الروایہ	حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی ۴۶۳ھ
تہذیب الکمال	حافظ ابو الحجاج جمال الدین المزی ۷۴۲ھ

التاریخ

ارمغان عجم	عزیز احمد صدیقی
تاریخ اسلام	معین الدین ندوی
تاریخ طبری	محمد بن جریر بن یزید الطبری
البدایہ والنہایہ	حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی ۷۷۴ھ
المنتظم	حافظ ابن جوزی ۵۹۷ھ
آیات بینات	محسن الملک
سیرت ابن تیمیہ	یوسف کوکن عمری
اصح السیر	عبد الرؤف داناپوری
امیر معاویہ اوران کی سیاسی زندگی	سید علی احمد عباسی
الشفاء	قاضی عیاض المصری
انساب الاشراف	محمد بن یحیٰ بن جابر البلاذری
سیرت الرسول	ابن ہشام
سیرت النبی	شبلی

طبقات حنابلہ	قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلیٰ ۵۲۶ھ
الذیل علی طبقات الحنابلہ	عبدالرحمان لبغدادی ۷۹۵ھ

الفقہ ومتفرقات

مضامین اخبارات	
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ دہلوی
لجنہ	سید جمال الدین محدث
نظم البیان	
بحرالرائق	
فتاوی رضویہ	رضا احمد بریلوی
مکتوبات	شیخ احمد سرہندی
الالمام	
احکام الاحکام	
فتاوی عالمگیری	
بحرالرائق	ابن نجیم ابوحنیفہ ثانی
ردالمختار علی الدرالمختار	ابن عابدین ۱۲۵۲ھ
احیاء العلوم	ابوحامد محمد بن محمد بن احمد الطوسی الغزالی ۵۰۵ھ
غنیۃ الطالبین	عبدالقادر الجیلانی ۵۶۰ھ
کبیری شرح منیۃ المصلی	
تحفۃ العوام	
الصواعق المحرقہ	ابوالعباس احمد بن محمد بن حجر المکی ۹۷۴ھ

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم حلبی حنفی
کتاب الرد علی البکری	حافظ ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ ۷۲۸ھ
رسالہ فضیلت شعبان	قاری شریف احمد
راہ سنت	مولوی سرفراز احمد
شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری
تفہیم المسائل	حسام الدین علی المتقی ۹۷۹ھ
نوادر النوادر	حکیم ترمذی
مجالس الابرار	
فتاوی شامی	
فتاوی بزازیہ	محمد بن محمد الخوارزمی ۸۲۷ھ
حموی	
فتاوی قاضی خاں	
الاعتصام	
تنقل الانوار	بکری
وسیلۃ المتعبدین	شیخ عمر موصلی
فتوحات مکیہ	ابو طالب مکی
بہار شریعت	رضا احمد بریلوی
امداد الفتاوی	مولوی اشرف علی
اصلاح الرسوم	"

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا (الحجرات ٦)

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

374

شب براءت

ایک تحقیقی جائزہ

محقق و نقّاد

علامہ حافظ قاری حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی

ماہر تاریخ شیخ القرآن و امام الحدیث

شائع کردہ

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

٣-٧-اے- بلاک نمبر ١- ناظم آباد- کراچی ٧٤٦٠٠

فون: ٦٢١٤٤٩